۸۲۰۷
~~۱۴۷۶~~

سرمۂ چشم آریہ

کتبخانہ وقف منصبیہ میرٹھ

وجادلہم بالتی ہی احسن

کتاب

سُرمہ چشم آریہ

من تصنیف

مسیح زماں۔ مہدی دوراں۔ امام الوقت۔ مجدد صدی چہاردہم

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی رحمۃ اللہ علیہ

جس کو

انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور نے شایع کیا

اور

باہتمام ماسٹر فقیر اللہ صاحب مسلم احمدیہ پرنٹنگ پریس لاہور میں چھپا

بار چہارم

قیمت عہ

(ترجمۃ القرآن اردو)

انگریزی ترجمۃ القرآن کی اشاعت پر کثرت احباب نے اس بات کی خواہش کی کہ اردو ترجمہ و تفسیر بھی اسی نہج پر شایع کی جائے چنانچہ حضرت امیر مولانا مولوی محمد علی صاحب نے احباب کے اصرار سے اس کام کو شروع کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس وقت تک ایک بڑے حصہ کی تکمیل کر چکے ہیں پہلے ارادہ تھا کہ انگریزی کی طرح اردو ترجمۃ القرآن بھی اکٹھا ایک ہی جلد میں شایع ہو مگر شائقین نے اصرار کیا کہ اسکی اشاعت ایک ایک پارہ کر کے ہوتی رہے۔ اور اس میں یہ بھی فائدہ نظر آیا کہ شائقین کے لئے بھی یہ سہولت رہیگی کہ وہ ساتھ کا ساتھ پڑھتے رہیں گے نیز اقساط میں نکلنے کی وجہ سے ادائیگی قیمت میں بھی کم استطاعت احباب کو آسانی ہوگی۔

کل تفسیر کا اندازہ ۲۲×۲۶/۸ سائز کے ۲۰۰۰ اور ۲۵۰۰ صفحات کے درمیان ہے اور ہر ایک پارہ کی قیمت اسکے حجم کے لحاظ سے قریبًا ایک سو صفحہ فی روپیہ کے نرخ سے ہوگی۔ محصولڈاک اور خرچ وی۔پی اس کے علاوہ بذمہ خریدار ہوگا جن اصحاب نے اپنے نام رجسٹر کروا دیئے ہیں ان کو ہر ایک پارہ تیار ہونے پر بذریعہ وی۔پی بھیج دیا جایا کریگا۔ جو اصحاب یکمشت پیشگی قیمت ادا کر دیں ان کی سہولت کیلئے انجمن نے فیصلہ کیا ہے کہ جو صاحب دس روپیہ پیشگی دیں انکا نام باقاعدہ خریداروں میں درج ہو کر اصل قیمت پر ہر ایک پارہ جیسا جیسا شایع ہوگا بھیجا جائیگا نصف خرچ ڈاک بذمہ انجمن ہوگا اور جب یہ رقم ختم ہو جائیگی تو اسی قدر مزید رقم وصول ہونے پر اسی طرح ہر ایک پارہ انکو پہنچایا جائیگا۔ علی ہذا القیاس اور جو صاحب بیس روپیہ پیشگی دیں ان کو تمام تفسیر خواہ اس کے صفحات دو ہزار سے زائد ہوں اسی قیمت پر دی جائیگی اور نصف محصول ڈاک بذمہ انجمن ہوگا۔ اگر تفسیر کے صفحات دو ہزار سے کم ہوں تو اس کمی کی قیمت بحساب ایک روپیہ فی سو روپیہ ان کو واپس دی جائیگی۔ شائقین کو چاہیئے کہ درخواستیں بسرعت رجسٹر کرانے میں توقف نہ کریں۔ قرآن کریم نہایت اعلیٰ درجہ کا خوشخط اعلیٰ درجہ کے سفید ولایتی کاغذ پر لفظی مگر بامحاورہ ترجمہ بین السطور نیچے لغت کی پوری تشریح اور ضروری مقامات کی تفسیر معہ حوالجات جس کا اندازہ وہ لوگ آسانی سے کر سکتے ہیں جنہوں نے نکات القرآن کو پڑھا ہے مگر نکات القرآن اور انگریزی ترجمۃ القرآن دونوں سے زیادہ بسط و شرح اس تفسیر میں ہے مسلمانوں کی موجودہ ضروریات حالات زمانہ مخالفین کی نکتہ چینیوں کو مدنظر رکھا گیا ہے غرض یہ تفسیر بہمہ صفت موصوف اور مسلمانوں کی ضرورت حقہ کو ایک عرصہ سے محسوس ہو رہی تھی پورا کرنے والی ہے۔

قرآن کریم کی بہت تھوڑی تعداد پارہ پارہ شایع ہوگی باقی مکمل شایع کیا جائیگا۔ اسلئے جو صاحب پارہ پارہ لینا چاہیں انہیں فورًا پیشگی رقم بھیجکر نام رجسٹر کروا لینا چاہیئے ورنہ اس تعداد کے پورا ہو جانے پر فرمائش کی تعمیل مشکل ہوگی تمام درخواستیں بنام مہتمم تصنیفات احمدیہ بلڈنگس لاہور آنی چاہیئیں

ان الدین عند الله الاسلام

لا اله الا الله محمد رسول الله

جاء الحق وزهق الباطل
ان الباطل کان زهوقا

انا اعتدنا للکافرین سلاسل واغلالا وسعیرا

بحمد اللہ کہ این کحل الجواہر شد از کوہ صواب و صدق ظاہر

متاب از سرمہ گر روشنی چشم می باید کہ غافل از دل و جان دوست دار د چشم بینا را

کہ بتصنیف چشمہ حسن بیان است

سُرمہ چشم آریہ

فیہ

شفاء للناس

از زبان شیرین قلم بیان است

از تالیفات مرزا غلام احمد صاحب مؤلف براہین احمدیہ دربارہ ردِّ اصول

وید و اثبات حقیت اصول قرآن شریف بوعدہ انعام پانسو روپیہ اس ہندو یا آریہ کے

لئے جو اس رسالہ کا ردّ لکھ کر دکھلا دے

گلزار ہند پریس لاہور میں باہتمام شیخ
احمد علی صاحب پرنٹر کے طبع ہوا

بار اول ایکہزار جلد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اشتہار واجب الاظہار

یہ رسالہ کحل الجواہر سرمہ چشم آریہ نہایت صفائی سے چھپ کر ایک روپیہ بارہ آنہ (عہ۱۲) اسکی قیمت عام لوگوں کے لئے قرار پائی ہو۔ اور خواص اور ذی استطاعت لوگ جو کچھ بطور امداد دیں انکے لئے موجب ثواب ہے کیونکہ سراج منیر اور براہین کے لئے اسی قیمت سے سرمایہ جمع ہوگا۔ اور اسکے بعد رسالہ سراج منیر انشاء اللہ القدیر چھپیگا۔ پھر اسکے بعد پنجم حصہ کتاب براہین احمدیہ چھپنا شروع ہوگا۔ جو بعض لوگ توقف طبع کتاب براہین سے مضطرب ہو رہے ہیں۔ انکو معلوم نہیں کہ اس زمانہ توقف میں کیا کیا کارروائیاں بطور تمہید کتاب کے لئے عمل میں آئی ہیں ۲۲ ہزار کے قریب اشتہار تقسیم کیا گیا! اور صدہا جگہ ایشیا و یورپ و امریکہ میں خطوط دعوت اسلام اردو و انگریزی میں چھپوا کر اور رجسٹری کرا کر بھیجے گئے۔ جن کا تذکرہ انشاء اللہ پنجم حصہ میں آئیگا۔ و انما الاعمال بالنیات۔ باایں ہمہ اگر بعض صاحب اس توقف سے ناراض ہوں۔ تو ہم ان کو فسخ بیع کی اجازت دیتے ہیں وہ ہم کو اپنی خاص تحریر سے اطلاع دیں تو ہم بدیں شرط کہ جس وقت ہم کو ان کی قیمت مرسلہ میسر آوے اُس وقت باخذ کتاب واپس کر دینگے۔ بلکہ ہم مناسب سمجھتے ہیں۔ کہ ایسے صاحبوں کی ایک فہرست تیار کیجائے اور ایک ہی دفعہ سب کا تصفیہ کیا جائے! اور یہ بھی ہم اپنے گذشتہ اشتہار میں لکھ چکے ہیں۔ اور اب بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اب یہ سلسلہ تالیف کتاب بوجہ الہامات الٰہیہ دوسرا رنگ پکڑ گیا ہے! اور اب ہماری طرف سے کوئی ایسی شرط نہیں کہ کتاب تین سو جز تک ضرور پہنچے۔ بلکہ جس طور سے خدا تعالیٰ مناسب سمجھیگا۔ کم یا زیادہ بغیر لحاظ پہلی شرط کے اسکو انجام دیگا کہ یہ سب کام اسی کے ہاتھ میں اور اسی کے امر سے ہے۔ واجب تھا ظاہر کیا گیا۔

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

المشتہر
خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان
ضلع گورداسپور پنجاب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط اللھم صل علی محمد و علی ال محمد افضل الرسل و خاتم النبیین ط

اشتہار

کتاب براھین احمدیہ جسکو خدا تعالی کی طرف سے مؤلف نے ملہم و مامور ھوکر بغرض اصلاح و تجدید دین تالیف کیا ھے جسکے ساتھ دس ھزار روپیہ کا اشتہار ھے جس کا خلاصہ مطلب یہ ھے دنیا میں من جانب اللہ اور سچا مذھب جسکے ذریعہ سے انسان خدا تعالی کو ھر ایک عیب اور نقص سے بری سمجھکر اسکی تمام پاک اور کامل صفتوں پر دلی یقین سے ایمان لاتا ھے وہ فقط اسلام ھے جس میں سچائی کی برکتیں آفتاب کی طرح چمک رھی ھیں اور صداقت کی روشنی دن کی طرح ظاھر ھو رھی ھے۔ اور دوسرے مذاھب ایسے بدیہی البطلان ھیں کہ نہ عقلی تحقیقات سے ان کے اصول صحیح اور درست ثابت ھوتے ھیں اور نہ ان پر چلنے سے ایک ذرہ روحانی برکت و قبولیت الٰہی مل سکتی ھے بلکہ انکی پابندی سے انسان نہایت درجہ کور باطن اور سیہ دل ھو جاتا ھے جسکی شقاوت پر اسی جہان میں نشانیاں پیدا ھو جاتی ھیں

اس کتاب میں دین اسلام کی سچائی کو دو طرح پر ثابت کیا گیا ہے۔ (۱) اول تین سو مضبوط اور قوی دلائل عقلیہ سے جن کی شان و شوکت و قدر و منزلت اس سے ظاہر ہے۔ کہ اگر کوئی مخالف اسلام ان دلائل کو توڑ دے۔ تو اس کو دس ہزار روپیہ دینے کا اشتہار دیا ہوا ہے۔ اگر کوئی چاہے۔ تو اپنی تسلی کے لئے عدالت میں رجسٹری بھی کرا لے (۲) دوم اُن آسمانی نشانوں سے کہ جو سچے دین کی کامل سچائی ثابت ہونے کے لئے ازبس ضروری ہیں۔ اس امر دوم میں مؤلف نے اس غرض سے کہ سچائی دین اسلام کی آفتاب کی طرح روشن ہو جائے تین قسم کے نشان ثابت کر کے دکھائے ہیں۔ اول وہ نشان کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مخالفین نے خود حضرت ممدوح کے ہاتھ سے اور آنجناب کی دعا اور برکت سے ظاہر ہوتے دیکھے۔ جن کو مؤلف یعنی اس خاکسار نے تاریخی طور پر ایک اعلیٰ درجہ کے ثبوت سے مخصوص و ممتاز کر کے درج کتاب کیا ہے۔ دوم وہ نشان کہ جو خود قرآن شریف کی ذات بابرکات میں دائمی و ابدی اور بے مثل طور پر پائی جاتی ہیں۔ جنکو راقم نے بیان شافی اور کافی سے ہریک عام و خاص پر کھول دیا ہے۔ اور کسی نوع کا عذر کسی کے لئے باقی نہ رکھا۔ سوم وہ نشان جو کہ کتاب اللہ کی پیروی اور متابعت رسول برحق سے کسی شخص تابع کو بطور وراثت ملتی ہیں جن کے اثبات میں اس بندۂ درگاہ نے بفضل خداوند حضرت قادر مطلق یہ بدیہی ثبوت دکھلایا ہے۔ کہ بہت سے سچے الہامات اور خوارق اور کرامات اور اخبار غیبیہ اور اسرار لدنیہ اور کشوف صادقہ اور دعائیں قبول شدہ جو خود اس خادم دین سے صادر

ہوئی ہیں۔ اور جن کی صداقت پر بہت سے مخالفین مذہب (آریوں وغیرہ سے) بشہادت رویت گواہ ہیں کتاب موصوف میں درج کئے ہیں۔ اور مصنّف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدّد وقت ہے۔ اور روحانی طور پر اسکے کمالات مسیح بن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں۔ اور ایک کو دوسرے سے بشدت مناسبت و مشابہت ہے۔ اور اسکو خواص انبیاء و رسل کے نمونہ پر محض بہ برکت متابعت حضرت خیر البشر و افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم اُن بہتوں پر اکابر اولیا سے فضیلت دی گئی ہے۔ کہ جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اور اُس کے قدم پر چلنا موجب نجات و سعادت و برکت اور اسکے برخلاف چلنا موجب بُعد و حرمان ہے۔ یہ سب ثبوت کتاب براہین احمدیہ کے پڑھنے سے جو منجملہ تین سو جز کے قریب ۳۷ جز کے چھپ چکی ہے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور طالب حق کے لئے خود مصنف پوری پوری تسلی و تشفی کرنے کو ہر وقت مستعد اور حاضر ہے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ولا فخر والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔ اور اگر اس اشتہار کے بعد بھی کوئی شخص سچا طالب بن کر اپنی عقدہ کشائی نہ چاہے۔ اور دلی صدق سے حاضر نہ ہو تو ہماری طرف سے اس پر اتمام حجت ہے۔ جس کا اللہ تعالیٰ کے روبرو اس کو جواب دینا پڑیگا۔ بالآخر اس اشتہار کو اس دعا پر ختم کیا جاتا ہے۔ کہ اے خداوند کریم تمام قوموں کے مستعد دلوں کو ہدایت بخش کہ تا تیرے رسول مقبول افضل الرسل محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور تیری کامل و مقدس کلام قرآن شریف پر ایمان لاویں۔ اور اسکے حکموں پر چلیں تا ان تمام برکتوں اور سعادتوں اور حقیقی خوشحالیوں سے متمتع ہو جاویں۔ کہ جو سچے مسلمان کو دونوں جہانوں میں ملتی ہیں اور اس جاودانی نجات اور حیات سے بہرہ ور ہوں۔ کہ جو نہ صرف عقبےٰ میں حاصل ہو سکتی ہیں۔ بلکہ سچے راستباز اسی دنیا میں اسکو پاتے ہیں۔ بالخصوص قوم انگریز جنہوں نے ابھی تک اس آفتاب صداقت سے کچھ روشنی حاصل نہیں کی اور جن کی شائستہ اور مہذب اور بارحم گورنمنٹ نے ہم کو اپنے احسانات اور دوستانہ معاملت سے ممنون کر کے اس بات کے لئے دلی جوش بخشا ہے کہ ہم ان کے دین و دنیا کے لئے دلی جوش سے بہبودی و سلامتی چاہیں تا ان کے گورے و سپید منہ جس طرح دنیا میں خوبصورت ہیں۔ آخرت میں نورانی و منور ہوں۔ فنسئل اللہ تعالیٰ خیرھم فی الدنیا والاٰخرۃ اللھم اھدھم بروح منک واجعل لھم حظا کثیرا فی دینک اجذبھم بحولک وقوتک لیؤمنوا بکتابک ورسولک ویدخلوا فی دین اللہ افواجا آمین ثم آمین والحمد للہ رب العٰلمین

المشتھر۔ خاکسار مرزا **غلام احمد** از قادیان ضلع گورداسپور ملک پنجاب۔

(مطبوعہ ریاض ہند پریس امرتسر پنجاب)

(بیس ہزار اشتہار چھاپے گئے)

حضرت مسیح موعود کو بہتوں اکابر اولیاء سے فضیلت دی گئی ہے

کتب خانہ وقف منصبیہ میرٹھ

سرمۂ چشمِ آریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد باری تعالیٰ

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم

اے دلبر و دلستان و دلدار — وائے جانِ جہان و نورِ انوار
ذرات زتجلیت دل و جان — حیران زرخت قلوب و ابصار
در ذاتِ توجز تحیرے نیست — ہنگامِ نظر نصیب افکار
در غیبے و قدرتت ہویدا — پنہانی و کار بہ تو نمودار
دوری و قریب تر زجاں ہم — نوری و نہاں تر از شبِ تار
آں کیست کہ منتہائے تو یافت — واں کو کہ شود محیطِ اسرار
کردی دو جہاں عیاں زقدرت — بے مادہ و بے نیازِ انصار
واین طرفہ کہ ہیچ کم نہ گردد — باآنکہ عطائے تُست بسیار
حُسن تو غنی کند زہر حسن — مہرِ تو بجو کشد زہر یار
حُسن ملکیت ار نہ بودی — از حُسن نہ بودی ہیچ آثار
شوخی زتو یافت روئے خوباں — رنگ از تو گرفت گُل بہ گلزار
سیمیں ذقناں کہ سیب دارند — آمد زہماں بلند اشجار

ایں ہر دو ازاں دیار آمند　　گیسوئے بتان و مشک تاتار

از بہرِ نمائشِ جمالت　　بینم ہمہ چیز آئینہ دار

ہر برگ صحیفۂ ہدایت　　ہر جوہر دعرض شمع بر دار

ہر نفس بتو رہے نماید　　ہر جان بدہد صلائے ایں کار

ہر ذرہ فشاند از تو نورے　　ہر قطرہ براند از تو انہار

ہر سو ز عجائب تو شورے　　ہر جا ز غرائب تو اذکار

از یادِ تو نورہا بہ بینم!　　در حلقۂ عاشقان خون بار

آنکس کہ بہ بندِ عشقت اُفتاد　　دیگر نہ شنید پندِ اغیار

اے مونس جاں چہ دلستانی　　گز خود بربودیم بہ یکبار

از یادِ تو ایں دلے بغم غرق　　دارد گہرے نہاں صدف وار

چشم و سرِ ما فدائے رویت　　جان و دل ما بتو گرفتار

عشق تو بہ نقد جاں خریدیم　　تا دم نہ زند دگر خریدار

غیر از تو کہ سر زدے ز جیبم　　در برجِ دلم نماند دیّار (بسنے والا)

عمریست کہ ترکِ خویش و پیوند　　کردیم و دمے جُز از تو دُشوار

ہزار ہزار شکر اُس قادرِ مطلق کا جس نے انسان کی رُوح اور ہر ایک مخلوق اور ہر ذرّہ کو محض اپنے ارادہ کی طاقت سے پیدا کر کے وہ استعدادیں اور قوتیں اور خاصیتیں ان میں رکھیں جن پر غور کرنے سے ایک عجیب عالم عظمت اور قدرتِ الٰہی کا نظر آتا ہے - اور جن کے دیکھنے اور سوچنے سے معرفت الٰہی کا کامل دروازہ کھلتا ہے - اسی قادرِ توانا کی مدح اور حمد میں محو رہنا چاہیئے جس کی ایجاد کے بغیر کوئی ایک چیز بھی موجود نہیں ہوئی - وہی ایک ذات عجیب الحکمت وعظیم القدرت ہے جس کی نقط حکمی طاقت سے جو کچھ وجود رکھتا ہے - پیدا ہو گیا - ہر ایک ذرہ انت ربی کی آواز سے زبان کشا ہے - ہر ایک جان انت مالکی کی شہادت سے نغمہ سرا ہے - وہی حکیم مطلق ہے جس نے انسانی روحوں کو ایک ایسا پُر منفعت جسم بخشا - کہ جو اس جہان میں کمالات حاصل کرنے اور اس جہان میں ان کا پورا پورا حظ اُٹھانے کے لئے بڑا بھارا یار و مددگار ہے روح اور جسم دونوں مل کر اس کے وجود کو ثابت کر رہے ہیں - اور ظاہری باطنی دونوں قوتیں اس کی شہادت دے رہی ہیں - وہی محسن حقیقی ہے جس نے وفاداری سے ایمان لانے والوں کو

ہمیشہ کی رستگاری کی خوشخبری دی اور اپنے صادق عارفوں اور سچے محبوں کے لئے اُس جنتِ دائمی کا وعدہ دیا۔ جو بدرجۂ اکمل واتم مظہر العجائب ہے۔ جس کی نہریں اسی دنیوی حیات میں جوش مارنا شروع کرتی ہیں جس کے درخت اسی جگہ کی آبپاشی سے نشوونما پاتے جاتے ہیں۔ اُس کی قدرت وحکمت ہر جگہ اور ہر چیز میں موجود ہے۔ اور اس کی حفاظت جو ہر یک چیز کے شامل حال ہے۔ اس کی عام خالقیت پر گواہ ہے۔ اُس کی حکیمانہ طاقتیں بے انتہا ہیں۔ کون ہے جو ان کی تہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کی نادرہ حکمتیں عمیق در عمیق ہیں۔ کون ہے جو اُن پر احاطہ کر سکتا ہے۔ ہر ایک چیز کے اندر اُس کے وجود کی گواہی چھپی ہوئی ہے۔ ہر یک مصنوع اس صانع کامل کی راہ دکھلا رہا ہے۔ موجود بوجود حقیقی وہی ایک رب العالمین ہے۔ اور باقی سب اس سے پیدا اور اُس کے سہارے سے قائم اور اُس کی قدرتوں کے نقشِ قدم ہیں +

نظم در حمد باری تعالےٰ

کس قدر ظاہر ہے نور اُس مبدء الانوار کا — بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا
چاند کو کل دیکھ کر مَیں سخت بیکل ہوگیا — کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا
اُس بہارِ حسن کا دل میں ہمارے جوش ہے — مت کرو کچھ ذکر ہم سے تُرک یا تاتار کا
ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف — جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا
چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں — ہر ستارے میں تماشا ہے تری چمکار کا
تو نے خود روحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک — اس سے ہے شورِ محبت عاشقانِ زار کا
کیا عجب تو نے ہر اک ذرہ میں رکھے ہیں خواص — کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر اُن اسرار کا
تیری قدرت کا کوئی بھی انتہا پاتا نہیں — کس سے کھل سکتا ہے پیچ اس عقدۂ دشوار کا
خوبرویوں میں ملاحت ہے ترے اس حسن کی — ہر گل وگلشن میں ہے رنگ اُس تری گلزار کا
چشمِ مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے — ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا
آنکھ کے اندھوں کو حائل ہوگئے سو سو حجاب — ورنہ تھا قبلہ ترا رُخ کافر و دیندار کا
ہیں تری پیاری نگاہیں دلبرا اک تیغ تیز — جن سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اغیار کا
تیرے ملنے کے لئے ہم مل گئے ہیں خاک میں — تا مگر درماں ہو کچھ اس ہجر کے آزار کا
ایک دم بھی کل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا — جاں گھٹی جاتی ہے جیسے دل گھٹے بیمار کا
شور کیسا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر — خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

سببِ تالیفِ کتاب وابتدائے مباحثہ

بعد اس کے اور بعد صلوٰۃ وسلام بر نبی کریم خیر الانام محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ خاتم المرسلین

رحمۃ للعالمین اور اُس کی آل و اصحاب مطہرین و مہذبین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین - یہ عاجز مؤلف کتاب **براہین احمدیہ** خدمت میں طالبین حق کے گذارش کرتا ہے - کہ مارچ ۱۸۸۶ء کے مہینے میں جبکہ یہ عاجز بمقام ہوشیارپور مقیم تھا - لالہ مُرلی دھر صاحب ڈرائنگ ماسٹر سے جو آریہ سماج ہوشیارپور کے ایک اعلیٰ درجہ کے رُکن اور مدار المہام ہیں - مباحثہ مذہبی کا اتفاق ہوا - وجہ اس کی یہ ہوئی - کہ ماسٹر صاحب موصوف نے خود آکر درخواست کی - کہ تعلیم اسلام پر میرے چند سوالات ہیں - اور چاہتا ہوں - کہ پیش کروں - چونکہ یہ عاجز ایک زمانہ دراز کی تحقیق اور تدقیق کے رو سے خوب جانتا ہے - کہ عقائد حقہ اسلام پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا - اور جس کسی بات کو کوئی کوتہ اندیش مخالف اعتراض کی صورت میں دیکھتا ہے - وہ درحقیقت ایک بھاری درجہ کی صداقت اور ایک عالی مرتبہ کی حکمت ہوتی ہے - جو اُس کی نظر بیمار سے چھپی رہتی ہے - اس لئے باوجود شدت کم فرصتی میں نے مناسب سمجھا - کہ ماسٹر صاحب کو ان کے اعتراضات کی حقیقت ظاہر کرنے کے لئے مدد دوں اور بطور نمونہ اُن کو دکھلاؤں - کہ **وید** اور **قرآن** شریف میں سے کونسی کتاب اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت اور شوکت اور شان کے مطابق ہے - اور کس کتاب پر سچے اور واقعی اعتراضات وارد ہوتے ہیں - سو اس غرض سے ماسٹر صاحب کو کہا گیا - کہ اگر آپ کو مذہبی بحث کا کچھ شوق ہے - تو ہمیں بسر و چشم منظور ہے - لیکن مناسب ہے - کہ دونوں فریق کے اصول کی حقیقت کھولنے کی غرض سے ہر دو فریق کی طرف سے سوالات پیش ہوں - تا کوئی شخص جو اُن سوالات وجواب کو پڑھے اُس کو دونوں مذہبوں کے جانچنے اور پرکھنے کے لئے موقع مل سکے - چنانچہ بمنظوری جانبین اسی التزام سے بحث شروع ہوئی - اول گیارہ مارچ ۱۸۸۶ء کی رات میں اس عاجز کے مکان فرودگاہ پر ماسٹر صاحب کی طرف سے ایک تحریری اعتراض شق القمر کے بارہ میں پیش ہوا - اور پھر چودھویں مارچ ۱۸۸۶ء کے دن میں اس عاجز کی طرف سے آریہ صاحبوں کے اس اصول پر اعتراض پیش ہوا کہ پرمیشر نے کوئی روح پیدا نہیں کی - اور نہ وہ کسی روح کو خواہ کوئی کیسا ہی راست باز اور وفادار اور سچا پرستار ہو - ہمیشہ کے لئے جنم مرن کے عذاب سے نجات بخشیگا - ان دونوں بحثوں کے وقت یہ بات طے ہو چکی تھی - کہ جواب الجواب کے جواب تک بحث ختم ہو اس سے پہلے نہ ہو

پہلے جلسہ کی مختصر کیفیت

لیکن ہم افسوس سے لکھتے ہیں - کہ ماسٹر صاحب نے شرائط قرار یافتہ کو کچھ ملحوظ نہ رکھا - پہلے جلسہ میں جو گیارہ مارچ ۱۸۸۶ء کو بوقت شب ہوا تھا - ان کی طرف سے یہ ناانصافی ہوئی کہ

جب جواب الجواب کے جواب کا وقت آیا جس کی تحریر کے لئے وہ آپ ہی فرما چکے تھے۔ تو ماسٹر صاحب نے رات بڑی پڑ چلے جانے کا عذر پیش کیا۔ ہر چند اس عاجز اور اکثر حاضرین نے سمجھایا۔ کہ اے ماسٹر صاحب ابھی رات کچھ ایسی بڑی نہیں گئی۔ ہم سب پر رات کا برابر اثر ہے۔ مگر اقرار کے برخلاف کرنا اچھی بات نہیں۔ جواب ضرور تحریر ہونا چاہیئے۔ لیکن وہ کچھ بھی ملتفت نہ ہوئے۔ آخر بمواجہ تمام حاضرین کہا گیا۔ کہ یہ جواب تحریر ہونے سے رہ نہیں سکتا۔ اگر آپ اس وقت اس کو ٹالنا چاہتے ہیں۔ تو بالضرور اپنے طور پر رسالہ کے ساتھ شامل کیا جائیگا۔ چنانچہ انہوں نے طوعاً و کرہاً بطور خود لکھا جانا تسلیم کیا۔ پر اسی جلسہ میں وہ تحریر ہو کر پیش ہونا ان کو بہت ناگوار معلوم ہوا جس کی وجہ سے وہ بلا توقف اُٹھ کر چلے گئے۔ بات یہ تھی۔ کہ ماسٹر صاحب کو یہ فکر پڑی۔ کہ اگر اُسی وقت جواب الجواب کا جواب پیش ہوا۔ تو خدا جانے مجھے کیا کیا ندامتیں اُٹھانی پڑینگی۔ غرض یہ جلسہ تو اس طور پر ختم ہوا۔ اور اس کے تمام واقعات جو اس مضمون میں مندرج ہیں۔ اُن کی شہادت حاضرین جلسہ جن کے نام حاشیہ میں درج ہیں۔ دے سکتے ہیں[1]۔ اب دوسرا جلسہ جو چودھویں مارچ ۱۸۸۶ء میں دن کے وقت شیخ مہر علی صاحب رئیس اعظم ہوشیارپور کے مکان پر ہوا۔ اُس کی بھی کیفیت سنئے۔ اول حسب قرار داد اس عاجز کی طرف سے ایک تحریری اعتراض پیش ہوا جس کا مطلب یہ تھا کہ خدا تعالیٰ کی خالقیت سے انکار کرنا اور پھر اسی کے التزام سے جاودانی نجات سے منکر رہنا جو آریہ سماج والوں کا اصول ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ کی توحید و رحمت دونوں دور ہوتی ہیں۔ جب یہ اعتراض جلسہ عام میں سنایا گیا۔ تو ماسٹر صاحب پر ایک عجیب حالت طاری ہوئی جس کی کیفیت کو ماسٹر صاحب ہی کا جی جانتا ہوگا۔ اور نیز وہ سب لوگ جو فہیم اور زیرک حاضر جلسہ تھے معلوم کر گئے ہونگے۔ ماسٹر صاحب کو اس وقت کچھ بھی سوجھتا نہیں تھا۔ کہ اس کا کیا جواب دیں۔ سو اپنا حیلہ جوئی کی غرض سے گھنٹہ سوا گھنٹہ کے عرصہ تک یہی عذر پیش کرتے رہے۔ کہ یہ سوال ایک نہیں

[1] حاضرین جلسہ بحث گیارہ مارچ کے نام یہ ہیں۔ میاں شنبرگھن صاحب پسر کلاں راجہ رودر سین صاحب والی ریاست سوکیت حال وارد ہوشیارپور۔ میاں شنبرنجی صاحب پسر خورد راجہ صاحب موصوف۔ میاں جنبی جی صاحب پسر خورد تر راجہ صاحب بو موراج صاحب نقلنویس۔ لالہ رام بھجن صاحب ہیڈ ماسٹر لودھیانہ۔ بابو ہر کشنداس صاحب سکنڈ ماسٹر ہوشیارپور۔ اس جگہ ذکر لکھا جاتا ہے کہ میاں شنبرگھن صاحب نے کئی بار ماسٹر صاحب کی خدمت میں التجا کی کہ آپ جواب الجواب کا جواب لکھنے دیں۔ ہم لوگ بخوشی بیٹھیں گے۔ ہمیں کسی نوع سے تکلیف نہیں بلکہ ہمیں جواب سننے کا شوق ہے۔ ایسا ہی کئی ہندو صاحبوں نے یہ نشا ظاہر کیا۔ مگر ماسٹر صاحب نے کچھ ایسی مصلحت سوچی کہ کسی کی بات کو نہ مانا۔ اور اٹھ کر چلے گئے۔

منہ

ہے۔ بلکہ دو میں تو اس کے جواب میں عرض کر دیا گیا کہ حقیقت میں سوال ایک ہی ہے یعنی خدا تعالیٰ کی خالقیت سے انکار کرنا اور مکتی میعادی اسی خراب اصول کا ایک بد اثر ہے۔ جو اُس سے الگ نہیں ہو سکتا۔ اس جہت سے دونوں ٹکڑے سوال کے حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ کیونکہ جو شخص خدا تعالیٰ کی خالقیت سے منکر ہوگا۔ اس کے لئے ممکن نہیں۔ کہ ہمیشہ کی نجات کا اقرار کر سکے۔ سو انکار خالقیت اور انکار نجات جاودانی باہم لازم ملزوم ہے۔ اور ایک دوسرے سے پیدا ہوتا ہے۔ سو درحقیقت جو شخص یہ بات ثابت کرنا چاہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے رب العٰلمین اور خالق نہ ہونے میں کچھ حرج نہیں۔ اس کو یہ ثابت کرنا بھی لازم آجائیگا۔ کہ خدا تعالیٰ کے کامل بندوں کا ہمیشہ جنم مرن کے عذاب میں مبتلا رہنا اور کبھی دائمی نجات نہ پانا یہ بھی کچھ مضائقہ کی بات نہیں۔ غرض بعد بہت سے سمجھانے کے پھر ماسٹر صاحب کچھ سمجھے اور جواب لکھنا شروع کیا۔ اور تین گھنٹہ تک بہت سے وقت اور غم و غصہ کے بعد ایک ٹکڑا سوال کا جواب قلم بند کر کے سنایا۔ اور دوسرے ٹکڑہ کی بابت جو مکتی کے بارہ میں تھا۔ یہ جواب دیا۔ کہ اس کا جواب ہم اپنے مکان پر جا کر لکھ کر بھیج دینگے۔ چنانچہ اس طرف سے ایسا جواب لینے سے انکار ہوا۔ اور عرض کر دیا گیا۔ کہ آپ نے جو کچھ لکھنا ہے۔ اسی جلسہ میں حاضرین کے روبرو تحریر کریں۔ اگر گھر میں بیٹھ کر لکھنا تھا۔ تو پھر اس جلسہ بحث کی ضرورت ہی کیا تھی۔ مگر ماسٹر صاحب نے نہ مانا اور کیونکر مانتے۔ ان کی تو اس وقت حالت ہی اَور ہو رہی تھی۔ اب قصہ کوتاہ یہ کہ جب کسی طور سے ماسٹر صاحب نے لکھنا منظور نہ کیا۔ تو ناچار پھر یہ کہا گیا۔ کہ جس قدر آپ نے لکھا ہے۔ وہی ہم کو دیں۔ تا اُس کا ہم جواب الجواب لکھیں۔ تو اس کے جواب میں انہوں نے بیان کیا۔ کہ اب ہماری سماج کا وقت ہے۔ اب ہم بیٹھ نہیں سکتے۔ ناچار جب وہ جانے کے لئے مستعد ہوئے۔ تو ان کو کہا گیا کہ آپ نے یہ اچھا نہیں کیا۔ کہ جو کچھ باہم عہد ہو چکا تھا۔ اُس کو توڑ دیا۔ نہ آپ پورا جواب لکھا اور نہ ہمیں اب جواب الجواب لکھنے دیتے ہیں۔ خیر بدرجۂ ناچاری یہ جواب الجواب بھی بطورِ خود تحریر کر کے رسالہ کے ساتھ شامل کیا جائیگا۔ چنانچہ یہ بات سنتے ہی ماسٹر صاحب معہ اپنے رفیقوں کے اُٹھ کر چلے گئے۔ اور حاضرین جلسہ جنکے نام حاشیہ میں درج ہیں بخوبی معلوم کر گئے۔ کہ ماسٹر صاحب کی یہ تمام کارروائی گریز اور کنارہ کشی کے لئے ایک بہانہ تھی۔

ل٥ نام حاضرین جلسہ جو ماسٹر صاحب کی بیجا کارروائی کے گواہ ہیں۔ شیخ مہر علی صاحب رئیس اعظم ہوشیارپور۔ مولوی [illegible] صاحب وکیل ہوشیارپور۔ ڈاکٹر مصطفیٰ علی صاحب۔ بابو احمد حسین صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس ہوشیارپور۔

اب ہم قبل اس کے کہ ماسٹر صاحب کا پہلا سوال جو شق القمر کے بارہ میں ہے۔ تحریر کریں۔

بقیہ حاشیہ ۔میاں عبد اللہ صاحب حکیم ۔میاں شہاب الدین صاحب دفعدار ۔لالہ نرائن داس صاحب وکیل پنڈت جگن ناتھ صاحب وکیل ۔لالہ رام لچھمن صاحب ہیڈ ماسٹر لودھیانہ ۔بابو ہرکشن داس صاحب سیکنڈ ماسٹر ۔ لالہ گنیش داس صاحب وکیل ۔لالہ سیتا رام صاحب مہاجن ۔میاں شتر گھن صاحب پسر کلاں راجہ صاحب سوکیت ۔میاں شترن جی صاحب پسر خورد راجہ صاحب موصوف ۔منشی گلاب سنگھ صاحب سر رشتہ دار ۔مولوی غلام رسول صاحب مدرس ۔مولوی فتح الدین صاحب مدرس ۔ ان تمام حاضرین کے روبرو لالہ مرلیدھر صاحب ڈرائنگ ماسٹر نے ہر ایک بات میں انفصالی کی ۔اس عاجز نے اپنا اعتراض ایک گھنٹہ کے قریب سُنا دیا تھا ۔مگر انہوں نے تین گھنٹہ تک وقت لیا ۔اور پھر بھی اعتراض کا ایک ٹکڑہ چھوڑ گئے ۔اصلی منشا ان کا یہ معلوم ہوتا تھا ۔کہ کسی طرح دن گزر جائے ۔اور اس بلا سے نجات پائیں ۔مگر دن ان کا دشمن ابھی تیسرے حصہ کے قریب سر پر کھڑا تھا ۔اور واضح رہے ۔کہ ماسٹر صاحب کا یہ عذر کہ اب ہماری سماج کا وقت آگیا ہے ۔بالکل عبث اور کچا بہانہ تھا ۔اول تو ماسٹر صاحب نے پہلے کوئی ایسی شرط نہیں کی تھی ۔کہ جب سماج کا وقت ہوگا ۔تو بحث کو درمیان چھوڑ کر چلے جائیں گے ۔ماسوائے اس کے یہ تو دین کا کام تھا ۔اور جن لوگوں نے سماج میں حاضر ہونا تھا ۔وہ تو سب موجود تھے ۔بلکہ بہت سے ہندو اور مسلمان اپنا اپنا کام چھوڑ کر اسی غرض سے حاضر تھے ۔ اور تمام صحن مکان کا حاضرین سے بھرا ہوا تھا ۔سو اگر ماسٹر صاحب کی نیت میں فرق نہ ہوتا ۔تو اسی جلسہ عظیمہ کو جو صدہا آدمیوں کا مجمع تھا ۔سماج سمجھا ہوتا ۔علت غائی سماجوں کی لکچر وغیرہ ۱۰
ہی ہوا کرتی تھی ۔سو وہ تو اس جگہ ایسی میسر تھی ۔کہ جو سماج میں کبھی میسر نہ آئی ہوگی ۔ماسوا اسکے جب ماسٹر صاحب نے بہت سا حصہ وقت کا صرف باتوں میں ہی ضائع کر کے پھر بہت سی سستی اور آہستگی سے جواب لکھنا شروع کیا ۔تو اُسی وقت ہم سمجھ گئے تھے ۔کہ آپ کی نیت میں خیر نہیں ہے ۔اسی خیال سے ان کو کہا گیا کہ بہتر یوں ہے کہ جو جو ورق آپ لکھتے جائیں ۔وہ مجھے دیتے جائیں ۔تا میں اس کا جواب الجواب بھی لکھتا جاؤں ۔اس انتظام سے دونوں فریق جلد تر فراغت کر لیں گے ۔مگر ان کا تو مطلب ہی اَور تھا ۔وہ کیونکر ایسے انصاف کی باتوں کو قبول کرتے ۔سو انہوں نے انکار کیا ۔اور لالہ رام لچھمن صاحب اُن کے رفیق نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کی غرض کو سمجھ گیا لیکن ماسٹر صاحب ایسا کرنا نہیں چاہتے ۔چنانچہ وہی بات ہوئی ۔اور آخیر پر ناتمام کام چھوڑ کر سماج کا عذر پیش ہو گیا ۔اگر کوئی دنیا کا مقدمہ یا کام ہوتا ۔تو ماسٹر صاحب ہزار دفعہ سماج کے وقت کو چھوڑ دیتے ۔پر سچ تو یہ ہے ۔کہ سماج کا عذر تو ایک بہانہ ہی تھا ۔اصل موجب تو وہ گھبراہٹ تھی ۔جو اعتراض کی عظمت اور بزرگی کی وجہ سے ماسٹر صاحب کے دل میں عجیب کام کر رہی تھی ۔اسی باعث سے پہلے ماسٹر صاحب نے باتوں میں وقت کھویا ۔اور اعتراض کو سنتے ہوئے ایسے گھبرائے ۔اور کچھ ایسے مبہوت سے ہو گئے ۔کہ چہرہ پر پریشانی کے آثار ظاہر تھے ۔اور ناکارہ عذرات پیش

صفائی بیان کے لئے ایک مقدمہ لکھتے ہیں۔ یہ مقدمہ درحقیقت اسی مضمون کا ایک حصہ ہے جس کو ہم نے جلسہ بحث گیارہویں مارچ ۱۸۸۶ء میں ماسٹر صاحب کے جواب الجواب کے رد میں لکھنا چاہا تھا۔ مگر بوجہ عہد شکنی ماسٹر صاحب اور چلے جانے ان کے اور برخاست ہوجانے جلسہ بحث کے لکھ نہ سکے۔ ناچار حسب وعدہ اب لکھنا پڑا۔ سو کچھ اس میں سے اس جگہ اور کچھ جیسا کہ مناسب محل و ترتیب ہوگا۔ بعد میں لکھیں گے۔ وما توفیقی الا باللہ ھو نعم المولیٰ و نعم النصیر

مقدمہ

مقدمہ کتاب

ماسٹر صاحب نے اسلام کے عقیدہ پر شق القمر کا اعتراض پیش کیا ہے۔ اور اس اعتراض سے ان کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ چونکہ آج کل کے نو تعلیمیافتہ لوگ انگریزی فلسفہ کے پھیلنے کی وجہ سے ایسے عجائبات سماوی و ارضی کو قانون قدرت کے برخلاف سمجھتے ہیں۔ جن پر ان کی عقل محیط نہیں ہوسکتی۔ اور جن کو انہوں نے نہ بچشم خود دیکھا۔ اور نہ اپنے فلسفہ کی کتابوں میں اس کا اثر یا نشان پایا۔ اس لئے ماسٹر صاحب نے یہ اعتراض پیش کر دیا۔ تا فلسفی طبع لوگ جن کے دل و دماغ پر خیالات فلسفہ غالب آرہے ہیں۔ خواہ نخواہ شق القمر کے محال ہونے میں ان کے ساتھ ہاں کے ساتھ ہاں ملائیں۔ اور گو ان کی بات کیسی ہی ادھوری اور بودی ہو مگر پنچایت کے اتفاق سے کچھ آب و رنگ لے آوے۔ سو اول ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ کہ شق القمر کا معجزہ اہل اسلام کی نظر میں ایسا امر نہیں ہے۔ کہ جو مدار ثبوت اسلام اور دلیل اعظم حقانیت کلام اللہ کا ٹھیرایا گیا ہو۔ بلکہ شواہد اندرونی و بیرونی و صدہا معجزات و نشانوں میں سے یہ بھی ایک قدرتی نشان ہے۔ جو تاریخی طور پر کافی ثبوت اپنے ساتھ رکھتا ہے جس کا ذکر آیندہ عنقریب آئیگا۔ سو اگر تمام کھلے کھلے

بقیہ حاشیہ نہ کرکے یہ چاہا۔ کہ بغیر تحریر جواب اٹھ کر چلے جائیں۔ اسی وجہ سے لوگ تحریر جواب سے ناامید ہو کر متفرق ہوگئے اور بعض یہ کہتے ہوئے اٹھ گئے۔ کہ اب کیا بیٹھیں اب تو بحث ختم ہوگئی۔ آخر ماسٹر صاحب نے طوعاً و کرہاً حاضرین کی شرم سے کچھ لکھا جس کا آدھا دھڑ تو ماسٹر صاحب کے کاغذ پر اور آدھا ان کے دل میں ہی رہا۔ بہرحال وہ اپنے جواب کو اسی حالت ناتمام میں چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ماسٹر صاحب کو اٹھتے وقت ہم نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ اس وقت کسی نوع سے ٹھیرنا مصلحت نہیں سمجھتے تو ہم دوروز اور اس جگہ ہوں۔ اور اپنا دن رات اسی خدمت میں صرف کر سکتا ہوں لیکن انہوں نے جواب دیا کہ فرصت نہیں۔ آخیر پر ہم یہ بھی ظاہر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ کہ ماسٹر صاحب جو

ثبوتوں سے چشم پوشی کر کے فرض بھی کر لیں۔ کہ یہ معجزہ ثابت نہیں ہے۔ اور آیت کے اس طور پر معنے
قرار دیں جس طور پر حال کے عیسائی و نیچری یا دوسرے منکرین خوارق کرتے ہیں۔ تو اس صورت
میں بھی اگر کچھ ہرج ہے۔ تو شاید ایسا ہے۔ کہ جیسے بیس کروڑ روپیہ کی جائداد میں سے ایک پیسے کا
نقصان ہو جائے۔ پس اس تقریر سے ظاہر ہے۔ کہ اگر بفرض محال اہل اسلام تاریخی طور پر اس معجزہ
کو ثابت نہ کر سکیں۔ تو اس عدم ثبوت کا اسلام پر کوئی بد اثر نہیں پہنچ سکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ کلام الٰہی

بقیہ حاشیہ کچھ گھر پر جا کر لکھیں گے۔ ہمیں کچھ اطلاع نہیں۔ اس لئے ہم اسکی نسبت کچھ تحریر کرنے سے معذور ہیں

معجزات اور خوارق قرآنی چار قسم پر ہیں

۵ا معجزات اور خوارق قرآنی چار قسم پر ہیں (۱) معجزات عقلیہ (۲) معجزات علمیہ (۳) معجزات برکات روحانیہ (۴) معجزات
تصرفات خارجیہ۔ نمبر اول و دو و تین کے معجزات خواص ذاتیہ قرآن شریف میں سے ہیں۔ اور نہایت ہی عالیشان اور
بدیہی الثبوت ہیں جن کو ہر یک زمانہ میں ہر یک شخص تازہ بتازہ طور پر چشم دید ماجرا کی طرح دریافت کر سکتا ہے۔
لیکن نمبر چار کے معجزات یعنی تصرفات خارجیہ یہ بیرونی خوارق ہیں جن کو قرآن شریف سے کچھ ذاتی تعلق نہیں انہیں
میں سے معجزہ شق القمر بھی ہے۔ اصل خوبی اور حسن و جمال قرآن شریف کا پہلے تینوں قسم کے معجزات سے وابستہ ہے
بلکہ ہر ایک کلام الٰہی کا یہی نشان اعظم ہے۔ کہ یہ تینوں قسم کے معجزات کسی قدر اس میں پائے جائیں۔ اور قرآن شریف
میں تو یہ ہر سہ قسم کے اعجاز اعلیٰ اور اکمل و اتم طور پر پائے جاتے ہیں۔ اور انہیں کو قرآن شریف اپنی بے مثل اور مانند ہونے
کے ثبات میں بار بار پیش کرتا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ قل لئن اجتمعت الجن والانس علی ان یاتوا بمثل ۱۳
هذا القرآن لا یاتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا۔ یعنی ان منکرین کو کہدے۔ کہ اگر تمام جن و انس
یعنی تمام مخلوقات اس بات پر متفق ہو جاتے۔ کہ اس قرآن کی کوئی مثل بنانی چاہئے۔ تو وہ ہرگز اس بات پر قادر نہیں
ہونگے۔ کہ ایسی ہی کتاب انہیں ظاہری باطنی خوبیوں کی جامع بنا سکیں۔ اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں۔ اور پھر دوسرے
مقام میں فرماتا ہے ما فرطنا فی الکتاب من شیء یعنی اس کتاب (قرآن شریف) سے کوئی دینی حقیقت باہر
نہیں رہی۔ بلکہ یہ جمیع حقائق و معارف دینیہ پر مشتمل ہے۔ اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے ونزلنا علیک الکتاب تبیانا
لکل شیء یعنی ہم نے یہ کتاب (قرآن شریف) تمام علوم ضروریہ پر مشتمل نازل فرمائی ہے۔ اور پھر فرماتا ہے۔ یتلوا
صحفا مطهرة فیها کتب قیمة یعنی یہ قرآن شریف وہ پاک اوراق ہیں جن میں تمام آسمانی کتابوں کا مغز اور ۱۴
لب لباب بھرا ہوا ہے۔ اور پھر فرماتا ہے۔ وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة من مثله
وان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارة اعدت للکافرین۔
یعنی اے منکرین اگر تم اس کلام کے بارہ میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے۔ کچھ شک میں ہو۔ یعنی اگر تم اس
کو خدا کا کلام نہیں سمجھتے۔ اور ایسا کلام بنانا انسانی طاقت کے اندر خیال کرتے ہو۔ تو تم بھی ایک سورت جو انہیں

نے مسلمانوں کو دوسرے معجزات سے بکلی بے نیاز کر دیا ہے - وہ نہ صرف اعجاز بلکہ اپنی برکات وتنویرات
کے رو سے اعجاز آفرین ہی ہے فی الحقیقت قرآن شریف اپنی ذات میں ایسی صفات کمالیہ رکھتا

بقیہ حاشیہ ظاہری باطنی کمالات پر مشتمل ہو بنا کر پیش کرو - اور تم نہ بنا سکو اور یاد رکھو کہ ہرگز بنا نہیں سکو گے - تو اس
آگ سے ڈرو جس کا ایندھن پتھر (بُت) اور آدمی ہیں یعنی بُت اور مشرک اور نافرمان لوگ ہی اس آگ کے بھڑکنے کا
موجب ہو رہے ہیں - اگر دنیا میں بُت پرستی و شرک و بے ایمانی و نافرمانی نہ ہوتی - تو وہ آگ بھی افروختہ نہ ہوتی -
تو گویا اس کا ایندھن یہی چیزیں ہیں - جو علتِ موجبہ اس کے افروختہ ہونے کی ہیں اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے - ولو
انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرئیتہ خاشعاً متصدعاً من خشیۃ اللہ وتلک الامثال نضربھا
للناس لعلھم یتفکرون - یعنی یہ قرآن جو تم پر اتارا گیا - اگر کسی پہاڑ پر اُتارا جاتا - تو وہ خشوع اور خوف الٰہی سے
ٹکڑہ ٹکڑہ ہو جاتا - اور یہ مثالیں ہم اس لئے بیان کرتے ہیں - کہ تا لوگ کلام الٰہی کی عظمت معلوم کرنے کے غور اور فکر
کریں - یہ تو قرآن شریف میں ان اعجازی کمالات کا ذکر ہے - جو خود اس کے نفس نفیس میں پائے جاتے ہیں لیکن
بایں ہمہ تصرفات خارجیہ کے اعجاز بھی قرآن شریف میں بکثرت درج ہیں - اور اس قسم کے معجزات جمال قرآنی کے لئے بطور
اس زیور کے ہیں - جو خوبیوں کو پہنایا جاتا ہے - اور ظاہر ہے کہ نفس خوبصورتی زیور کے محتاج نہیں - گو اس سے حسن کی
آب و تاب کسی قدر اَور بڑھ جاتی ہے - اس جگہ واضح رہے کہ تصرفات خارجیہ کے معجزات قرآن شریف میں کئی نوع پر تصرفات خارجیہ
مندرج ہیں - ایک نوع تو یہی کہ جو دعا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا تعالیٰ نے آسمان پر اپنا قادرانہ تصرف کے معجزات کی
دکھلایا - اور چاند کو دو ٹکڑے کر دیا - دوسرے وہ تصرف جو خدا تعالیٰ نے جناب ممدوح کی دعا سے زمین پر کیا - اور ایک چند مثالیں
سخت قحط سات برس تک ڈالا - یہاں تک کہ لوگوں نے ہڈیوں کو پیس کر کھایا - تیسرے وہ تصرف اعجازی جو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو شر کفار سے محفوظ رکھنے کے لئے بروز ہجرت کیا گیا - یعنی جبکہ کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل
کرنے کا ارادہ کیا - تو اللہ جل شانہٗ نے اپنے اس پاک نبی کو اس بد ارادہ کی خبر دے دی اور مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت ہجرت کے واقعہ
کر جانے کا حکم فرمایا - اور پھر بفتح ونصرت واپس آنے کی بشارت دی - بدھ کا روز اور دوپہر کا وقت اور سخت گرمی کے کا مختصر تذکرہ
دن تھے - جب یہ ابتلا من جانب اللہ ظاہر ہوا - اس مصیبت کی حالت میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک
ناگہانی طور پر اپنے قدیمی شہر کو چھوڑنے لگے - اور مخالفین نے مار ڈالنے کی نیت سے چاروں طرف سے اس مبارک
گھر کو گھیر لیا - تب ایک جانی عزیز جس کا وجود محبت اور ایمان سے خمیر کیا گیا تھا - جانبازی کے طور پر آنحضرت
کے بستر پر باشارہ نبوی اس غرض سے منہ چھپا کر لیٹ رہا - کہ تا مخالفوں کے جاسوس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
نکل جانے کی کچھ تفتیش نہ کریں - اور اسی کو رسول اللہ سمجھ کر قتل کرنے کے لئے ٹھہرے رہیں ؎ کس بہ کسے سر
ندہد جان نفشاند عشق است کہ ایں کار بصد صدق کناند - سو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس وفادار

ہے۔ جو اس کو خارجیہ معجزات کی کچھ بھی حاجت نہیں۔ خارجیہ معجزات کے ہونے سے اُس میں کچھ زیادتی نہیں ہوتی۔ اور نہ ہونے سے کوئی نقص عاید حال نہیں ہوتا۔ اُس کا باز ارحسن معجزاتِ خارجیہ

ظہور خوارق در اثنائے سفر ہجرت

بقیہ حاشیہ اور جان نثار عزیزکو اپنی جگہ چھوڑ کر چلے گئے۔ تو آخر تفتیش کے بعد اُن نالائق بد باطن لوگوں نے تعاقب کیا۔ اور چاہا۔ کہ راہ میں کسی جگہ پاکر قتل کر ڈالیں۔ اس وقت اور اس مصیبت کے سفر میں بجز ایک با اخلاص اور یکرنگ اور دلی دوست کے اَور کوئی انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ تھا۔ ہاں ہر وقت اور نیز اس پرخطر سفر میں وہ مولیٰ کریم ساتھ تھا جس نے اپنے اس کامل وفادار بندہ کو ایک عظیم الشان اصلاح کے لئے دنیا میں بھیجا تھا۔ سو اس نے اپنے اس پیارے بندہ کو محفوظ رکھنے کے لئے بڑے بڑے عجائب تصرفات اس راہ میں دکھلائے۔ جو اجمالی طور پر قرآن شریف میں درج ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جاتے وقت کسی مخالف نے نہیں دیکھا۔ حالانکہ صبح کا وقت تھا۔ اور تمام مخالفین آنحضرت کے گھر کا محاصرہ کر رہے تھے۔ سو خدا تعالیٰ نے جیسا کہ سورہ یاسین میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ان سب اشقیا کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور آنحضرت ان کے سروں پر خاک ڈال کر چلے گئے۔ ازانجملہ ایک یہ کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے نبی معصوم کے محفوظ رکھنے کے لئے یہ امر خارق عادت دکھلایا۔ کہ باوجودیکہ مخالفین اس غار تک پہنچ گئے تھے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معہ اپنے رفیق کے مخفی تھے۔ مگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہ سکے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ایک کبوتر کا جوڑہ بھیج دیا جس نے اسی رات غار کے دروازہ پر آشیانہ بنا دیا۔ اور انڈے بھی دے دئے۔ اور اسی طرح اذن الٰہی سے عنکبوت نے اس غار پر اپنا گھر بنا دیا۔ جس سے مخالف لوگ دھوکا میں پڑ کر ناکام واپس چلے گئے۔ ازانجملہ ایک یہ کہ ایک مخالف جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پکڑنے کے لئے مدینہ کی راہ پر گھوڑا دوڑائے چلا جاتا تھا۔ جب وہ اتفاقاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا۔ تو جناب ممدوح کی بد دعا سے اس کے گھوڑے کے چاروں سم زمین میں دھنس گئے۔ اور وہ گر پڑا۔ اور پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ مانگ کر اور عفو تقصیر کرا کر واپس لوٹ آیا۔ چوتھی وہ تصرفِ اعجازی کہ جب دشمنوں نے اپنی ناکامی سے منفعل ہو کر لشکر کثیر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھائی کی تا مسلمانوں کو جو ابھی تھوڑے سے آدمی تھے۔ نابود کر دیں اور دین اسلام کا نام و نشان مٹا دیں۔ تب اللہ جل شانہٗ نے جناب موصوف کے ایک مٹھی کنکریوں کے چلانے سے مقام بدر میں دشمنوں میں ایک تہلکہ ڈال دیا۔ اور ان کے لشکر کو شکست فاش ہوئی۔ اور خدا تعالیٰ نے ان چند کنکریوں سے مخالفین کے بڑے بڑے سرداروں کو سراسیمہ اور اندھا اور پریشان کر کے وہیں رکھا۔ اور ان کی لاشیں انہیں مقامات پر گرائیں جنکے پتے پہلے ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الگ الگ نشان بتلا رکھے تھے۔ ایسا ہی اَور کئی عجیب طور کے تائیدات و تصرفات الٰہیہ کہ جو خارق عادت ہیں، قرآن شریف میں ذکر ہے

کے زیور سے رونق پذیر نہیں۔ بلکہ وہ اپنی ذات میں آپ ہی ہزارہا معجزات عجیبہ وغریبہ کا جامع ہے۔ جن کو ہر ایک زمانہ کے لوگ دیکھ سکتے ہیں۔ نہ یہ کہ صرف گزشتہ کا حوالہ دیا جائے۔ وہ

بقیہ حاشیہ جن کا ماحصل یہ ہے کہ کیونکر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مسکینی اور غریبی اور یتیمی اور تنہائی اور بیکسی کی حالت میں مبعوث کر کے پھر ایک نہایت قلیل عرصہ میں جو تیس برس سے بھی کم تھا۔ ایک عالم پر فتحیاب کیا۔ اور شہنشاہ قسطنطنیہ و بادشاہان دیار شام و مصر و ممالک مابین دجلہ و فرات وغیرہ پر غلبہ بخشا۔ اور اس تھوڑے ہی عرصہ میں فتوحات کو جزیرہ نمائے عرب سے لے کر دریائے جیحوں تک پھیلایا۔ اور ان ممالک کے اسلام قبول کرنے کی بطور پیشگوئی قرآن شریف میں خبر دی۔ اس حالت بے سامانی اور پھر ایسی عجیب و غریب فتحوں پر نظر ڈال کر بڑے بڑے دانشمند اور فاضل انگریزوں نے بھی شہادت دی ہے۔ کہ جس جلدی سے اسلامی سلطنت اور اسلام دنیا میں پھیلا ہے۔ اس کی نظیر صفحۂ تواریخ دنیا میں کسی جگہ نہیں پائی جاتی۔ اور ظاہر ہے کہ جس امر کی کوئی نظیر نہ پائی جائے۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں خارقِ عادت بھی کہتے ہیں۔ غرض قرآن شریف میں تصرفاتِ خارجیہ کا ذکر بھی بطور خارقِ عادت بہت جگہ آیا ہے۔ بلکہ ذرا نظر کھول کر دیکھو۔ تو اس پاک کلام کا ہر ایک مقام تائیدات الٰہیہ کا نقارہ بجا رہا ہے۔ اور ایک تصویر کھینچ کر دکھلا رہا ہے۔ کہ کیونکر اسلام اپنی اول حالت میں ایک خورد تخم کی طرح دنیا میں بویا گیا۔ اور پھر وہ تھوڑے ہی عرصہ میں جو خارقِ عادت ہے۔ کیسا بزرگ و عظیم القدر ہو کر اکثر حصہ دنیا میں پھیل گیا۔ اور ہر ایک موقعہ پر کیا کیا عجیب تائیداتِ الٰہیہ اس کی حمایت میں ظہور میں آتی رہیں۔

اب ہم بیرونی معجزات کا بیان (جو اعجازی تصرفات ہیں) اسی قدر کافی سمجھ کر ان معجزات کی تشریح کچھ زیادہ کرنا چاہتے ہیں۔ جو قرآن شریف کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اس کی بطنی اور نفسی خاصیتیں ہیں۔ کیونکہ اس قسم کے معجزات بباعث دائمی شہود اور وجود کے قوی الاثر ہیں۔ جن کو ہر ایک طالب صادق اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ اور ہر یک منصف کی نظر میں بالضرورت قابل یقین ٹھہر سکتے ہیں۔ سو اول جاننا چاہئے۔ کہ معجزہ عادت الٰہیہ میں سے ایک ایسی عادت یا یوں کہو کہ اس قادر مطلق کے افعال میں سے ایک ایسا فعل ہے جس کو انسانی طور پر خارقِ عادت کہنا چاہئے پس امر خارقِ عادت کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ جو پاک نفس لوگ عادتی و طرز انسانی سے ترقی کر کے اور معمولی عادات کو پھاڑ کر قرب الٰہی کے میدانوں میں آگے قدم رکھتے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ حسب حالت ان کے ایک ایسا عجیب معاملہ ان سے کرتا ہے۔ کہ وہ عام حالاتِ انسانی پر خیال کرنے کے بعد ایک امر خارقِ عادت دکھائی دیتا ہے۔ اور جس قدر انسان اپنی بشریت کے وطن کو چھوڑ کر اور اپنے نفس کے حجابوں کو پھاڑ کر عرصات عشق و محبت میں دور تر چلا جاتا ہے۔ اسی قدر یہ خوارق نہایت صاف اور شفاف اور روشن و تاباں ظہور میں آتے ہیں جب تزکیہ نفس انسانی کمال تام کی حالت پر

قرآن شریف کے ذاتی معجزات کا تذکرہ

ایسا ملیح الحسن محبوب ہے۔ کہ ہر ایک چیز اس سے مل کر آرائش پکڑتی ہے۔ اور وہ اپنی آرائش میں کسی کی آمیزش کا محتاج نہیں ؎

ہمہ خوبانِ عالم را بزیورہا بیارائند   تو سیمیں تن چناں خوبی کہ زیورہا بیارائی

بقیہ حاشیہ۔ پہنچتا ہے اور اس کا دل غیر اللہ سے بالکل خالی ہو جاتا ہے۔ اور محبت الٰہی سے بھر جاتا ہے۔ تو اس کے تمام اقوال و افعال و اعمال و حرکات و سکنات و عبادات و معاملات و اخلاق جو انتہائی درجہ پر اس سے صادر ہوتے ہیں وہ سب خارق عادت ہی ہو جاتے ہیں۔ سو بمقابل اسکے ایسا ہی معاملہ باری تعالیٰ کا بھی اس مبدل تام سے بطور خارق عادت ہی ہوتا ہے اور چونکہ آنحضرت صلعم مبدل تام اور سید المبدلین اور امام المطہرین تھے جن کو قادر مطلق نے اپنے ہاتھ سے صاف کیا تھا۔ اس لئے تمام سراپا وجود ان کا حقیقت میں معجزہ ہی تھا۔ اور ضرور تھا کہ ایسے عالی شان نبی پر جو کلام نازل ہوا تھا وہ بباعث تبدل تام اس کے غایت درجہ کا خارق عادت ہوتا جس سے تمام اولین و آخرین کی نظریں خیرہ رہ جاتیں۔ کیونکہ اگرچہ کلام الٰہی فی ذاتہ کلام انسانی سے ایسا ہی متمیز ہے جیسا خدا انسان سے تمیز تام رکھتا ہے لیکن باوجود اس کے فیضانِ وحی حسب استعداد و حالتِ صفوت اخلاقِ فاضلہ و ملکات صالحہ وحی یاب ہوا کرتا ہے اور اسی کی طرف ایک روحانی اشارہ ہے جو قرآن شریف میں پایا جاتا ہے یعنی یہ کہ وہ پاک کلام بہت سے فرشتوں کی حفاظت کے ساتھ اُترا ہے سو ظاہری فرشتے تو معلوم ہی ہیں۔ مگر پاک اخلاق اور پاکیزہ حالتیں اور شوق و ذوق سے بھری ہوئی وارداتیں اور دردِ دل اور جوشِ محبت اور صدق و صفا و تبتل و وفا و توکل و رضا و نیستی و فنا اور شورش ہائے عشق مولا ایک قسم کے فرشتے ہیں۔ جو قادر مطلق نے اپنے اس محبوب افضل الرسل کے وجود میں اکمل و اتم طور پر پیدا کئے تھے۔ اور پھر اسی کے اتباع سے ہر ایک مومن کامل کے دل میں بھی باذنہ تعالیٰ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اگرچہ عام مومنوں میں بھی جو ابھی حالتِ کمالیہ تک نہیں پہنچے۔ ان کا تخم پایا جاتا ہے لیکن ۲۲
وہ تخم اس چھپی ہوئی آگ کی طرح ہے۔ جو افروختہ آگ کا کام نہیں دے سکتی۔ جیسے ظاہر ہے کہ انڈا مرغ کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ اور نہ بیج درخت کا حکم رکھتا ہے۔ اور اگرچہ ہر ایک زمین کے نیچے پانی ہے لیکن بجز بہت سی جانکنی محنت اور مدت تک زمین کھودنے کے وہ پانی نکل نہیں سکتا۔ اسی طرح آتشِ شوقِ الٰہی جب تک اپنے کمال اشتعال کی حالت میں نہ آئے۔ تب تک اس کے فوائد مترتب نہیں ہو سکتے لیکن جب وہ کامل طور پر افروختہ ہو جاتی ہے۔ اور چاروں طرف سے بھڑک اٹھتی ہے۔ تب وہ دخل شیطان سے محفوظ رکھنے کے لئے فرشتوں کا کام دیتی ہے اور ملائک حفاظت میں شمار کی جاتی ہے۔ پاک اعمال اور پاک حالتیں اور پاک وارداتیں اور پاک جوش اور پاک درد اور پاک حزن اور پاک اخلاقی ظہور جب اپنے اشتعال اور کمال کی حالت میں ہوں تو ان نیک اور ہوشیار چوکیداروں کی طرح ہیں۔ جو اپنے مالک کے محل کے دروازوں پر چاروں طرف دن رات پہرہ کے لئے کھڑے رہتے ہیں۔ سو ہر چند اس محل کے سارے دروازے کھلے ہیں۔ (یعنی ہر ایک قسم کی قوتیں اور استعدادیں) مگر بباعث تقید محافظین بجز

> آتشِ شوقِ الٰہی جب بھڑک اٹھتی ہے۔ تب وہ دخل شیطان سے محفوظ رکھنے کے لئے فرشتوں کا کام دیتی ہے۔

پھر ماسوا اس کے سمجھنا چاہئیے۔ کہ جو لوگ شق القمر کے معجزہ پر حملہ کرتے ہیں۔ اُن کے پاس صرف یہی ایک ہتھیار ہے۔ اور وہ بھی ٹوٹا پھوٹا کہ شق القمر قوانین قدرتیہ کے برخلاف ہے۔ اس لئے مناسب

بقیہ حاشیہ۔ سرد ہوا اور محبوب چیزوں کے کوئی نابکار چیز اندر نہیں جا سکتی۔ اور اگر کُتّا یا چور اندر جانے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو پکڑا جاتا ہے۔ اور مار کھاتا ہے۔ لیکن وہ محل جس کے دروازے تو کھلے ہیں۔ مگر دروازوں پر کوئی نیک و ہوشیار چوکیدار نہیں۔ گو اس میں ٹھنڈی ہوا اور اچھی اچھی چیزیں بھی داخل ہوتی ہیں۔ مگر ایسے گھر کو اکثر چور لگے رہتے ہیں۔ اور کتے اس کی چیزوں کو پلید کرتے رہتے ہیں۔ سو یہ گھر خرابی کی حالت میں رہتا ہے پس جس جگہ صفوت و عصمت و تبتل و محبت کامل و تام و حزن و درد و شوق و خوف ہے۔ اس جگہ انوار وحی کی کامل تجلیات بغیر آمیزش کسی نوع کی ظلمت کے وارد ہوتے رہتے ہیں۔ اور آفتاب کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے رہتے ہیں۔ اور جس جگہ یہ مرتبہ کمال تام کا نہیں۔ اس جگہ وحی بھی اس عالی مرتبہ سے متنزل ہوتی ہے۔ غرض وحی الٰہی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں خدا تعالیٰ کی صفات کمالیہ کا چہرہ حسب صفائی باطن نبی منزل علیہ کے نظر آتا ہے۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پاک باطنی و انشراح صدری و عصمت و حیا و صدق و صفا و توکل و وفا اور عشق الٰہی کے تمام لوازم میں سب انبیاء سے بڑھ کر اور سب سے افضل و اعلیٰ و اکمل و ارفع و اجلیٰ و اصفا تھے۔ اس لئے خدائے جل شانہٗ نے ان کو عطر کمالات خاصہ سے سب سے زیادہ معطر کیا۔ اور وہ سینہ اور دل جو تمام اولین و آخرین کے سینہ و دل سے فراخ تر و پاک تر و معصوم تر و روشن تر و عاشق تر تھا۔ وہ اسی لائق ٹھہرا۔ کہ اس پر ایسی وحی نازل ہو۔ کہ جو تمام اولین و آخرین کی وحیوں سے اقویٰ و اکمل و ارفع و اتم ہو کر صفات الٰہیہ کے دکھلانے کیلئے ایک نہایت صاف اور کشادہ اور وسیع آئینہ ہو۔ سو یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن شریف ایسے کمالاتِ عالیہ رکھتا ہے۔ جو اس کی تیز شعاعوں اور شوخ کرنوں کے آگے تمام صحف سابقہ کی چمک کالعدم ہو رہی ہے۔ کوئی ذہن ایسی صداقت نکال نہیں سکتا۔ جو پہلے ہی سے اس میں درج نہ ہو۔ کوئی فکر ایسے براہینِ عقلی پیش نہیں کر سکتا۔ جو پہلے ہی سے اس نے پیش نہ کی ہو۔ کوئی تقریر ایسا قوی اثر کسی پر ڈال نہیں سکتی۔ جیسے قوی اور پُر برکت اثر لاکھوں دلوں پر وہ ڈالتا آیا ہے۔ وہ بلاشبہ صفات کمالیہ حق تعالیٰ کا ایک نہایت مصفا آئینہ ہے۔ جس میں سے وہ سب کچھ ملتا ہے۔ جو ایک سالک کو مدارج عالیہ معرفت تک پہنچنے کے لئے درکار ہے۔

اور جیسا کہ ہم عنوان اس حاشیہ پر لکھ چکے ہیں۔ معرفت حقانی کے عطا کرنے کے لئے تین دروازے قرآن شریف میں کھلے ہوئے ہیں۔ ایک عقلی یعنی خدا تعالیٰ کی ہستی اور خالقیت اور اس کی توحید اور قدرت اور رحم اور قیوّمی اور مجازات وغیرہ صفات کی شناخت کے لئے جہاں تک علوم عقلیہ کا تعلق ہے۔ استدلالی طریق کو کامل طور پر استعمال کیا ہے۔ اور اس استدلال کے ضمن میں صناعت منطق و علم بلاغت و فصاحت و علوم طبعی و طبابت و ہیئت

وحی الٰہی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں صفات الٰہیہ کا چہرہ حسب صفائی باطن نبی منزل علیہ کے نظر آتا ہے۔

معرفت حقانی کے عطا کرنے کیلئے قرآن شریف میں تین دروازے ہیں

پہلا دروازہ دلائل عقلیہ

معلوم ہوا۔ کہ اول ہم اُن کے قانونِ قدرت کی کچھ تفتیش کرکے پھر وہ ثبوت تاریخی پیش کریں۔ جو
اس واقعہ کی صحت پر دلالت کرتے ہیں۔ سو جاننا چاہیئے۔ کہ نیچر کے ماننے والے یعنی قانون ۱۴

بقیہ حاشیہ ہندسہ و دقائق فلسفیہ و طریق جدل و مناظرہ وغیرہ تمام علوم کو نہایت لطیف و موزون طور پر بیان
کیا ہے جس سے اکثر دقیق مسائل کا پیچ کھلتا ہے پس یہ طرز بیان جو فوق العادت ہے۔ از قسم اعجاز عقلی ہے۔ کیونکہ بڑے
بڑے فیلسوف جنہوں نے منطق کو ایجاد کیا۔ اور فلاسفی کے قواعد مرتب کئے۔ اور بہت کچھ طبعی اور ہیئت میں کوشش
و مغز زنی کی۔ وہ بباعث نقصانِ عقل اپنے ان علوم سے اپنے دین کو مدد نہیں دے سکے۔ اور نہ اپنی غلطیوں کی اصلاح
کر سکے اور نہ اوروں کو فائدہ دینی پہنچا سکے۔ بلکہ اکثر ان کے دہریہ اور ملحد اور ضعیف الایمان رہے۔ اور جو بعض ان میں
سے کسی قدر خدا تعالیٰ پر ایمان لائے۔ انہوں نے ضلالت کو صداقت کے ساتھ ملا کر اور خبیث کو طیب کے ساتھ
مخلوط کر کے راہ راست کو چھوڑ دیا۔ پس یہ الٰہی عقل از قبیل خارق عادت ہے جس کے استدلال میں کوئی غلطی نہیں ۲۵
اور جس نے علوم مذکورہ سے ایک ایسی شائستہ خدمت لی ہے۔ جو کبھی کسی انسان نے نہیں لی۔ اور اس کے ثبوت
کے لیے یہی کافی ہے۔ کہ دلائل وجود باری عزاسمہ اور اس کی توحید و خالقیت وغیرہ صفات کمالیہ کے اثبات میں
بیان قرآن شریف کا ایسا محیط و حاوی ہے جس سے بڑھ کر ممکن ہی نہیں۔ کہ کوئی انسان کوئی جدید برہان پیش کر
سکے۔ اگر کسی کو شک ہو۔ تو وہ چند دلائل عقلی متعلق اثبات ہستی باری عزاسمہٗ یا اس کی توحید یا اس کی خالقیت یا کسی
دوسری الٰہی صفت کے متعلق بطور امتحان پیش کرے۔ تا بالمقابل قرآن شریف میں سے وہی دلائل یا ان سے بڑھ
کر اس کو دکھلائے جائیں جس کے دکھلانے کے ہم آپ ہی ذمہ دار ہیں۔ غرض یہ دعوے اور یہ تعریف قرآنی
لاف و گزاف نہیں۔ بلکہ حقیقت میں سچ ہے۔ اور کوئی شخص عقائد حقہ کے اثبات میں کوئی ایسی دلیل پیش نہیں
کر سکتا جس کے پیش کرنے سے قرآن شریف غافل رہا ہو۔ قرآن شریف باواز بلند بیسیوں جگہ اپنے احاطہ تامہ کا دعوے
پیش کرتا ہے۔ چنانچہ بعض آیات ان میں سے ہم اس حاشیہ میں درج بھی کر چکے ہیں۔ سو اگر کوئی طالب حق آزمائش کا شائق
ہو۔ تو ہم اس کی تسلی کامل کرنے کے لئے مستعد اور تیار اور ذمہ دار ہیں۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ اس پُر غفلت دنیا پُر آفائی
اور بے قدری کے زمانہ میں ایسے لوگ بہت ہی تھوڑے ہیں۔ جو صدق دل سے طالب حق ہو کر اس خاصیت عظمیٰ و معجزہ
کبرا کی آزمائش چاہیں۔ بلکہ وہ اسی میں اپنی سرخروئی سمجھ لیتے ہیں۔ کہ بات کو سنتے ہی انکار کر دیں لیکن ظاہر ہے کہ صرف ۲۶
اس بات کے کہنے سے کہ ہم نہیں مانتے۔ یا ہم اس کو خلاف عقل یا خلاف قانون قدرت سمجھتے ہیں۔ امر متنازع فیہ
انفصال نہیں پاتا۔ اور صداقت پسندوں کا یہ طریق ہرگز نہیں۔ ایک شخص کو ایک امر متنازع فیہ کا اثبات کے لئے
میدان میں کھڑے دیکھ کر اور دعوے کی آواز مارتے سن کر پھر اس کی طرف رُخ نہ کریں اسے آزما کر نہ دیکھ لیں۔ اور
دور بیٹھے یونہی کہتے رہیں۔ کہ اس کی یہ باتیں جھوٹ اور بے اصل ہیں۔ کیا یہ شیوہ کسی واقعی راست باز کا ہو سکتا ہے

قدرت کے پیرو کہلانے والے اس خیال پر زور دیتے ہیں۔ کہ یہ بات بدیہی ہے۔ کہ جہاں تک انسان اپنی عقلی قوتوں سے جان سکتا ہے۔ وہ بجز قدرت اور قانون قدرت کے کچھ نہیں۔ یعنی مصنوعات و

بقیہ حاشیہ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ دوسرا دروازہ معرفت الٰہی کا جو قرآن شریف میں نہایت وسیع طور پر کھلا ہوا ہے۔ دقائق علمیہ ہیں۔ جس کو بوجہ خارق عادت ہونے کے علمی اعجاز کہنا چاہیئے۔ وہ علوم کئی قسم کے ہیں۔ اوّل علم معارف دین یعنی جس قدر معارف عالیہ دین اور اس کی پاک صداقتیں ہیں۔ اور جس قدر نکات و لطائف علم الٰہی ہیں۔ جن کی اس دنیا میں تکمیل نفس کے لئے ضرورت ہے۔ ایسا ہی جس قدر نفس امارہ کی بیماریاں اور اسکے جذبات اور اس کی دوری یا دائمی آفات ہیں۔ یا جو کچھ ان کا علاج اور اصلاح کی تدبیریں ہیں۔ اور جس قدر تزکیہ و تصفیہ نفس کے طریق ہیں۔ اور جس قدر اخلاق فاضلہ کے انتہائی ظہور کی علامات و خواص و لوازم ہیں۔ یہ سب کچھ باستیفائے تام فرقان مجید میں بھرا ہوا ہے۔ اور کوئی شخص ایسی صداقت یا ایسا نکتہ الٰہیہ یا ایسا طریق وصول الی اللہ یا کوئی ایسا نادر یا پاک طور مجاہدہ و پرستش الٰہی کا نکال نہیں سکتا۔ جو اس پاک کلام میں درج نہ ہو۔ دوسرے علم خواص روح و علم نفس ہے۔ جو ایسے احاطہ تام سے اس کلام معجز نظام میں اندراج پایا ہے کہ جس سے غور کرنے والے سمجھ سکتے ہیں۔ کہ بجز قادر مطلق کے یہ کسی کا کام نہیں۔ تیسرے علم مبدء و معاد و دیگر امور غیبیہ جو عالم الغیب کے کلام کا ایک لازمی خاصہ ہے۔ جس سے دلوں کو تسلی و تشفی ملتی ہے۔ اور غیب دانی خدائے قادر مطلق کی مشہودی طور پر ثابت و متحقق ہوتی ہے۔ یہ علم اس تفصیل اور کثرت سے قرآن شریف میں پایا جاتا ہے۔ کہ دنیا میں کوئی دوسری کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ پھر علاوہ اس کے قرآن شریف نے تائید دین میں اور اور علوم سے بھی اعجازی طور پر خدمت لی ہے۔ اور منطق اور طبعی اور فلسفہ اور ہیئت اور علم نفس اور طبابت اور علم ہندسہ اور علم بلاغت و فصاحت وغیرہ علوم کے وسائل سے علم دین کا سمجھانا اور ذہن نشین کرنا یا اس کا تفہم درجہ بدرجہ آسان کر دینا یا اس پر کوئی برہان قائم کرنا یا اس سے کسی نادان کا اعتراض اٹھانا مدنظر رکھا ہے۔ غرض طفیلی طور پر یہ سب علوم خدمت دین کے لئے بطور خارق عادت قرآن شریف میں اس عجیب طرز سے بھرے ہوئے ہیں۔ جن سے ہر یک درجہ کا ذہن فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اور اگرچہ دلی جوش اس عاجز کا اس بات کی طرف دامن دل کھینچ رہا ہے۔ کہ ان سب علوم میں سے دو دو تین تین مسائل علمی جو قرآن شریف میں درج ہیں۔ نمونہ کے طور پر اس جگہ لکھے جائیں۔ اور کچھ براہین عقلیہ بھی جو اس پاک کلام میں اثبات اصول دین کے لئے اندراج پائے ہیں تحریر ہوں لیکن چونکہ یہ سب بیانات طوالت طلب ہیں۔ اور رسالہ ہذا بوجہ قلیل الحجم ہونے کے ان کی برداشت نہیں کر سکتا۔ اور کتاب براہین احمدیہ خود ان سب باتوں کی متکفل ہے۔ اس لئے خوف اطناب سے ترک کر دیا گیا۔ طالبین حق انشاء اللہ تعالیٰ براہین احمدیہ میں ان سب مقاصد کو پالیں گے۔ مگر اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اگرچہ یہ علوم کسبی طور پر بھی لوگ حاصل کرتے ہیں۔ لیکن ایک اُمّی محض جو سخت تاریکی اور جہالت کے

دوسرا دروازہ دقائق علمیہ

موجودات مشہودہ موجودہ پر نظر کرنے سے چاروں طرف یہی نظر آتا ہے ۔ کہ ہر یک چیز مادی یا غیر مادی جو ہم میں اور ہمارے اردگرد یا فوق و تحت میں موجود ہے ۔ وہ اپنے وجود اور قیام اور ترتب آثار

بقیہ حاشیہ زمانہ میں ایک جنگلی ملک میں پیدا ہوا جس نے مکتب میں ایک حرف نہ پڑھا ۔ اور فلاسفہ سے کبھی مخالطت نہ ہوئی ۔ اور منطق اور طبعی اور ہیئت اور علم نفس وغیرہ کا اپنے پُر جہالت ملک میں نام بھی نہ سُنا ۔ اس سے یہ چشمہ فیض کامل اور صحیح طور پر جوش مارنا ایسا کہ کوئی فلسفی اس پر سبقت نہ لے جاسکے ۔ ببداہت عقل خارق عادت ہے ۔ جو شخص بالکل ان پڑھ ہو کر ایسے بے مثل طور پر حقائق عالیہ فلسفہ و طبعی و ہیئت و علم خواص روح و معارف دین بغیر کسی کے سکھائے اور پڑھائے کے بیان کرے ۔ تو اس کے معجزہ ہونے میں کسی دانا اور منصف مزاج کو تامل نہیں ہوسکتا

تیسرا دروازہ معرفت الٰہی کا جو قرآن شریف میں اللہ جل شانہ نے اپنی عنایت خاص سے کھول رکھا ہے ۔ برکات روحانیہ ہیں جس کو اعجاز تاثیری کہنا چاہئے ۔ یہ بات کسی سمجھدار پر مخفی نہیں ہوگی ۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زادبوم ایک محدود جزیرہ نما ملک ہے جس کو عرب کہتے ہیں ۔ جو دوسرے ملکوں سے ہمیشہ بے تعلق رہ کر گویا ایک گوشۂ تنہائی میں پڑا رہا ہے ۔ اس ملک کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے بالکل وحشیانہ اور درندوں کی طرح زندگی بسر کرنا اور دین اور ایمان اور حق اللہ اور حق العباد سے بے خبر محض ہونا اور سینکڑوں برسوں سے بت پرستی و دیگر ناپاک خیالات میں ڈوبے چلے آنا ۔ اور عیاشی اور بدمستی اور شراب خواری اور قمار بازی وغیرہ فسق کے طریقوں میں انتہائی ۲۹
درجہ تک پہنچ جانا ۔ اور چوری اور قزاقی اور خون ریزی اور دختر کشی اور یتیموں کا مال کھا جانے اور بیگانہ حقوق دبا لینے کو کچھ گناہ نہ سمجھنا ۔ غرض ہر یک طرح کی بُری حالت اور ہر یک نوع کا اندھیرا اور ہر قسم کی ظلمت و غفلت عام طور پر تمام عربوں کے دلوں پر چھائی ہوئی ہونا ایک ایسا واقعہ مشہور ہے ۔ کہ کوئی متعصب مخالف بھی بشرطیکہ کچھ واقفیت رکھتا ہو ۔ اس سے انکار نہیں کرسکتا ۔ اور پھر یہ امر بھی ہر ایک منصف پر ظاہر ہے ۔ کہ وہی جاہل اور وحشی اور یاوہ اور ناپارسا طبع لوگ اسلام میں داخل ہونے اور قرآن کو قبول کرنے کے بعد کیسے ہوگئے ۔ اور کیونکر تاثیرات کلام الٰہی اور صحبت نبی معصوم نے بہت ہی تھوڑے عرصہ میں ان کے دلوں کو یک لخت ایسا مبدل کردیا ۔ کہ وہ جہالت کے بعد معارف دینی سے مالا مال ہوگئے ۔ اور محبت دنیا کے بعد الٰہی محبت میں ایسے کھوئے گئے کہ اپنے وطنوں اپنے مالوں اپنے عزیزوں اپنی عزتوں اپنی جان کے آراموں کو اللہ جل شانہ کے راضی کرنے کو چھوڑ دیا ۔ چنانچہ یہ دونوں سلسلے ان کی پہلی حالت اور اس نئی زندگی کے جو بعد اسلام انہیں نصیب ہوئی ۔ قرآن شریف میں ایسی صفائی سے درج ہیں ۔ کہ ایک صالح اور نیک دل آدمی پڑھنے کے وقت بے اختیار چشم پُر آب ہوجاتا ہے ۔ پس وہ کیا چیز تھی ۔ جو اُن کو اتنی جلدی ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف کھینچ کر لے گئی ۔ وہ دو ہی باتیں تھیں ۔ ایک یہ کہ وہ نبی معصوم اپنی قوت قدسیہ میں نہایت ہی قوی الاثر تھا
ایسا کہ نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا ۔ دوسری خدائے قادر مطلق حی قیوم کے پاک کلام کی زبردست اور عجیب تاثیریں جو ۳۰

تیسرا دروازہ برکات روحانیہ

میں ایک عجیب سلسلہ انتظام سے وابستہ ہے ۔ جو ہمیشہ اس کی ذات میں پایا جاتا ہے ۔ اور کبھی اس سے جدا نہیں ہوتا ۔ قدرت نے جس طرح پر جس کا ہونا بنا دیا ۔ بغیر خطا کے اسی طرح ہوتا ہے ۔ اور اسی

بقیہ حاشیہ کہ جو ایک گروہ کثیر کو ہزاروں ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے آئیں ۔ بلاشبہ یہ قرآنی تاثیریں خارقِ عادت ہیں ۔ کیونکہ کوئی دنیا میں بطور نظیر نہیں بتلا سکتا ۔ کہ کبھی کسی کتاب نے ایسی تاثیر کی ۔ کون اس بات کا ثبوت دے سکتا ہے ۔ کہ کسی کتاب نے ایسی عجیب تبدیل و اصلاح کی جیسی قرآن شریف نے کی ۔ وید تو خود تہیدست ہے ۔ اور ایک شخص بھی ثابت نہیں ہو سکتا ۔ کہ جو کبھی اور کسی زمانہ میں بذریعہ تاثیراتِ وید کمالاتِ باطنی تک پہنچا ہو ۔ اور اس قدر تو وید کے پیرو خود اقرار کرتے ہیں ۔ کہ صرف وید کے چار رشی کمال تک پہنچے ہیں ۔ وبس ۔ مگر چار کا کامل ہونا بھی بے ثبوت ہے ۔ سچ تو یہ ہے کہ وید کے ماننے والوں کو کبھی اس قدر بھی نصیب نہیں ہوا ۔ کہ خدا تعالیٰ کو واحد لاشریک مان کر مبدءِ جمیع فیوض کا سمجھیں ۔ اور اسی کے کامل القدرت ہاتھ کو ہر یک وجود کا موجد قرار دیں ۔ اور اس کے بھائی بند نہ بن بیٹھیں ۔ مگر کوئی شخص اس بات کو بُرا مانے ۔ تو اسی کی گردن پر ہے ۔ کہ تاثیراتِ خفیہ وید کو ثابت کر کے دکھلاوے ۔ اور ان الزاموں کو اس کے سر پر سے اٹھا دے جن سے ہندوؤں کے پرمیشر کی کچھ بھی عزت باقی نہ رہی ۔ ہمیں وید سے کوئی بے وجہ عناد نہیں ۔ مگر ہم سچ سچ کہتے ہیں ۔ اور ہم اپنے خدائے قادرِ مطلق کو گواہ رکھ کر بیان کرتے ہیں ۔ کہ ہمارا اور کسی خدا ترس کا دلِ انصاف اس بات کو ہرگز قبول نہیں کر سکتا ۔ کہ جس کامل ذات کے برکتِ وجود سے ذرہ ذرہ قائم ہے ۔ اور جو تمام دنیا کا مالک کہلاتا ہے ۔ اس کی بادشاہی صرف دوسروں کے سہارے سے چلی آتی ہے ۔ نہ اپنی قدرت خاصہ سے اور تمام روحیں اور اجسام یونہی اتفاق اور قسمت سے اس کو مل گئے ہیں ۔ نہ آپ پیدا کرنے سے اور اس کی خدائی اتفاقی ہے ۔ نہ حقیقی اب وید سے منہ پھیر کر قرآن شریف کی طرف دیکھنا چاہئے ۔ کہ کیسی پاک تاثیریں رکھتا ہے ۔ لاکھوں مقدسوں کا یہ تجربہ ہے کہ قرآن شریف کے اتباع سے برکاتِ الٰہی دل پر نازل ہوتی ہیں ۔ اور ایک عجیب پیوند مولیٰ کریم سے ہو جاتا ہے خدا تعالیٰ کے انوار اور الہام ان کے دلوں پر اُترتے ہیں ۔ اور معارف اور نکات ان کے منہ سے نکلتے ہیں ایک قوی توکل ان کو عطا ہوتی ہے ۔ اور ایک محکم یقین ان کو دیا جاتا ہے ۔ اور ایک لذیذ محبت الٰہی جو لذتِ وصال سے پرورش یاب ہے ۔ ان کے دلوں میں رکھی جاتی ہے ۔ اگر ان کے وجودوں کو ہاونِ مصائب میں پیسا جائے اور سخت شکنجوں میں دے کر نچوڑا جائے ۔ تو ان کا عرق بجز حبِ الٰہی کے اور کچھ نہیں دنیا ان سے ناواقف اور وہ دنیا سے دور تر و بلند تر ہیں ۔ خدا کے معاملات ان سے خارقِ عادت ہیں ۔ انہیں پر ثابت ہوا ہے کہ خدا ہے ۔ انہیں پر کھلا ہے کہ ایک ہے جب وہ دُعا کرتے ہیں ۔ تو وہ ان کی سنتا ہے ۔ جب وہ پکارتے ہیں ۔ تو وہ انہیں جواب دیتا ہے ۔ جب وہ پناہ چاہتے ہیں ۔ تو وہ ان کی طرف دوڑتا ہے ۔ وہ باپوں سے زیادہ ان سے پیار کرتا ہے ۔ اور

ویدکی تاثیر سے کبھی کسی شخص نے کمالاتِ باطنی حاصل نہیں کئے

لاکھوں مقدسوں کا تجربہ ہے کہ قرآن شریف کے اتباع سے برکاتِ الٰہیہ دل پر نازل ہوتی ہیں

قوانین قدرتیہ غیر متناہی اور غیر محدود ہیں۔

طرح پر ہوگا پس وہی سچ ہے۔ اور اصول بھی وہی سچے ہیں۔ جو اُس کے مطابق ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بلاشبہ یہ سب سچ۔ مگر کیا اس سے یہ ثابت ہو گیا۔ کہ قدرت الٰہی کے طریقے اور اس کے قانون اسی حد تک ہیں۔ جو ہمارے تجربہ اور مشاہدہ میں آچکے ہیں۔ اُس سے زیادہ نہیں جس حالت میں الٰہی قدرتوں کو غیر محدود ماننا ایک ایسا ضروری مسئلہ ہے۔ جو اسی سے نظامِ کارخانۂ الوہیت وابستہ اور اسی سے ترقیاتِ علمیہ کا ہمیشہ کے لئے دروازہ کھلا ہوا ہے۔ تو پھر کس قدر غلطی کی بات ہے۔ کہ ہم یہ ناکارہ حجت پیش کریں۔ کہ جو امر ہماری سمجھ اور مشاہدہ سے باہر ہے۔ وہ قانونِ قدرت سے بھی باہر ہے۔ بلکہ جس حالت میں ہم اپنے منہ سے اقرار کر چکے کہ قوانین قدرتیہ غیر متناہی اور غیر محدود ہیں۔ تو پھر ہمارا یہ اصول ہونا چاہئے۔ کہ ہر یک نئی بات جو ظہور میں آوے پہلے ہی اپنی عقل سے بالا تر دیکھ کر اُس کو رد نہ کریں۔ بلکہ خوب متوجہ ہو کر اس کے ثبوت یا عدم ثبوت کا حال جانچ لیں۔ اگر وہ ثابت ہو۔ تو اپنے قانونِ قدرت کی فہرست میں اس کو بھی داخل کر لیں۔ اور اگر وہ ثابت نہ ہو تو صرف اتنا کہہ دیں کہ ثابت نہیں۔ مگر اس بات کے کہنے کے ہم ہرگز مجاز نہیں ہونگے۔ کہ وہ امر قانونِ قدرت سے باہر ہے۔ بلکہ قانون قدرت سے باہر کسی چیز کو سمجھنے کیلئے ہمارے لئے یہ ضرور ہی کہ ہم ایک دائرہ کی طرح خدا تعالیٰ کے تمام قوانینِ ازلی و ابدی پر محیط ہو جائیں۔ اور بخوبی ہمارا فکر اس بات پر احاطہ تام کرے۔ کہ خدا تعالیٰ نے روزِ ازل سے آج تک کیا کیا قدرتیں ظاہر کیں۔ اور آئندہ اپنے ابدی زمانہ میں کیا کیا قدرتیں ظاہر کریگا۔ کیا وہ جدید در جدید قدرتوں کے ظاہر کرنے پر قادر ہوگا۔ یا کوتھو

بقیہ حاشیہ۔ ان کے در و دیوار پر برکتوں کی بارش برساتا ہے پس وہ اس کی ظاہری و باطنی و روحانی و جسمانی تائیدوں سے شناخت کئے جاتے ہیں۔ اور وہ ہر یک میدان میں ان کی مدد کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے اور وہ اُن کا ہے۔ یہ باتیں بلاثبوت نہیں۔ اور ہم عنقریب رسالہ سراج منیر میں انشاء اللہ القدیر ایک کھلا کھلا ثبوت اس کا دکھلائیں گے۔ لیکن ہم اس جگہ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ کہ کسی دوسرے دین میں یہ برکتیں ہرگز نہیں۔ وید نے اگر آریوں کے دلوں پر کچھ اثر ڈالا ہے۔ تو وہ صرف گالیاں اور دشنام دہی ہے تمام مقدسوں کو فریبی کہنا سب پاک نبیوں کا نام مکّار رکھنا دنیا کے برگزیدوں کو بجز اپنے تین یا چار وید کے رشیوں نامعلوم الوجود کے جھوٹا اور دغاباز اور ٹھگ قرار دینا انہیں لوگوں کا کام ہے۔ کیا ان لوگوں کے منہ سے بجز بدظنیوں اور بدزبانیوں کے کبھی کچھ معارفِ الٰہی کے نکات بھی نکلے ہیں۔ کیا بجز گندی باتوں اور نابکار خیالات یا تحقیر اور توہین اور ٹھٹھے اور ہنسی اور پر شرارت اور بدبودار لفظوں کے کبھی کوئی دقیق بھید معرفت الٰہی کا بھی ان کی زبان سے سنا گیا ہے۔ کیا ان برتنوں سے کبھی کوئی صفا دلی کا قطرہ بھی مترشح ہوا ہے۔ یا انہوں نے باطنی پاکیزگی میں کچھ ترقی

وید نے اگر آریوں کے دلوں پر کچھ اثر ڈالا ہے تو وہ صرف گالیاں اور دشنام دہی ہے

کے بیل کی طرح انہیں چند قدرتوں میں مقید اور محصور رہے گا۔ جن کو ہم دیکھ چکے ہیں۔ اور جن پر ہمارا بخوبی احاطہ ہے۔ اور اگر انہیں میں مقید اور محصور رہے گا۔ تو باوجود اس کے غیر محدود الوہیت اور قدرت اور طاقت کے یہ مقید اور محصور رہنا کس وجہ سے ہوگا۔ کیا وہ آپ ہی وسیع قدرتوں کے دکھلانے سے عاجز آئے گا۔ یا کسی دوسرے قاسر نے اس پر جبر کیا ہوگا۔ یا اس کی خدائی کو انہیں چند قسم کی قدرتوں سے قوت پہنچتی ہے۔ اور دوسری قدرتوں کے ظاہر کرنے سے اس پر زوال آتا ہے۔ بہرحال اگر ہم خدا تعالیٰ کی قدرتوں کو غیر محدود مانتے ہیں۔ تو یہ جنون اور دیوانگی ہے کہ اس کی قدرتوں پر احاطہ کرنے کی امید رکھیں کیونکہ اگر وہ ہمارے مشاہدہ کے پیمانہ میں محدود ہو سکیں تو پھر غیر محدود اور غیر متناہی کیونکر رہیں۔ اور اس صورت میں نہ صرف یہ نقص پیش آتا ہے کہ ہمارا فانی اور ناقص تجربہ خدائے ازلی و ابدی کی تمام قدرتوں کا حد بست کرنے والا ہوگا۔ بلکہ ایک بڑا بھاری نقص یہ بھی ہے۔ کہ اس کی قدرتوں کے محدود ہونے سے وہ خود بھی محدود ہو جائے گا۔ اور پھر یہ کہنا پڑیگا۔ کہ جو کچھ خدا تعالیٰ کی حقیقت اور کنہ ہے۔ ہم نے سب معلوم کر لی ہے۔ اور اس کے گہراؤ اور تہ تک ہم پہنچ گئے ہیں۔ اور اس کلمہ میں جس قدر کفر اور بے ادبی اور بے ایمانی بھری ہوئی ہے۔ وہ ظاہر ہے حاجت بیان نہیں۔ سو ایک محدود زمانہ کے محدود در محدود تجارب کو پورا پورا قانون قدرت خیال کر لینا۔ اور اس پر غیر متناہی سلسلۂ قدرت کو ختم کر دینا اور آئندہ کے نئے اسرار کھلنے سے ناامید ہو جانا ان پست نظروں کا نتیجہ ہے۔ جنہوں نے خدائے ذوالجلال کو جیسا کہ چاہیئے شناخت نہیں کیا۔ اور جو اپنی فطرت میں نہایت منقبض واقعہ ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک کنوئیں کی مینڈک ہو کر یہ خیال کر رہے ہیں۔ کہ گویا ایک سمندر ناپیدا کنار پر ان کو عبور ہو گیا ہے۔ تمام خوشیاں عارفوں کی اور تمام راحتیں غمزدوں کی اسی میں ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا کنارہ لایدرک ہے۔ میں یہ نہیں کہتا۔ کہ بے تحقیق اور بے ثبوت عقلی یا آزمائشی یا تاریخی کسی نئی بات کو مان لو۔ کیونکہ اس عادت سے بہت سے رطب یابس کا ذخیرہ اکٹھا ہو جائے گا۔ بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ خدائے ذوالجلال کی تعظیم کر کے اس کے نئے کاموں کی نسبت (جو تمہاری محدود نظروں میں نئے دکھائی دیتے ہیں) بے جا ضد بھی مت کرو کیونکہ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔ خدا تعالیٰ کی عجائب قدرتوں اور دقائق حکمتوں اور پیچ در پیچ اسرار ازل کے ابھی تک انسان نے بکلی حد بست نہیں کی۔ اور نہ آگے کو اس کی لیاقت و طاقت ایسی

بقیہ حاشیہ۔ کی ہے ہرگز نہیں۔ سو جو کچھ وید کا اثر ہے۔ سو ظاہر ہے۔ حاجت بیان نہیں۔ منہ

نظر آتی ہے۔ کہ اُس مالک الملک کے وراء الوراء بھیدوں کو ایک چھوٹے سے رقبہ زمین کی طرح
پیمائش کر سکے یا کسی ایک چیز کے جمیع خواص پر احاطہ کرنے کا دم مار سکے مجھے اُن صاف باطن
لوگوں کے آگے منطقی دلائل کی حاجت نہیں۔ جو اپنے اُس پیارے مالک سے دلی محبت رکھتے
ہیں۔ کیونکہ مَیں جانتا ہوں کہ خود ان کو وہی اُن کی سچّی محبت یہ طریق ادب سکھاوے گی۔ کہ ذات
جامع الکمالات حضرتِ احدیت کے علم کے ساتھ اپنے محدود علم کو برابر جاننا اور اس کی ازلی ابدی
قدرتوں کو اپنے مشاہدات یا معلومات سے زیادہ نہ سمجھنا بہت بڑا اور نالایق خیال ہے۔ جو ادبِ
تعظیم اور عجز اور عبودیت کی حقیقت سے نہایت دور پڑا ہوا ہے۔ لیکن مَیں اُن خشک فلسفیوں
کو جو عشقِ الٰہی اور اس کی بزرگ ذات کی قدر شناسی سے غافل ہیں۔ جہاں تک مجھے طاقتِ عقلی
دی گئی ہے۔ بدلائل شافیہ راہِ راست کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ مَیں دیکھتا ہوں کہ اُن کی
روحانی زندگی بہت ہی کمزور ہو گئی ہے۔ اور اُن کی بے جا آزادی اور ضعف ایمان نے بہت ہی
بُرا اثر اُنکے ارادت باطنی اور ان کی دینی اولوالعزمی اور اُن کی اندرونی حالت پر ڈالا ہے۔ اور
عجیب طور پر انہوں نے ضلالت کو صداقت کے ساتھ ملا دیا ہے۔ مذہب وہ چیز ہے جس کی
برکات کی اصل جڑھ ایمان و اعتبار و حسن اعتقاد و حُسنِ ظن و اطاعت و اتباع مخبر صادق و کلام الٰہی
ہے لیکن وہ لوگ اپنے غلط فلسفہ کی وجہ سے مذہب کی حقیقت کچھ اَور ہی سمجھ رہے ہیں۔ سو انہیں
لازم ہے کہ تعصب اور خود پسندی کے شور و غوغا سے اپنے تئیں الگ کر کے سیدھی نظر اور
سیدھے خیال سے اس سوال پر غور کریں۔ کہ ایمان کیا شئے ہے۔ اور اُس پر ثواب مترتب ہونے
ایمان کی تعریف کی کیوں امید کی جاتی ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ ایمان اس اقرارِ لسانی و تصدیقِ قلبی سے مراد ہے۔
جو تبلیغ و پیغام کسی نبی کی نسبت محض تقوے اور دور اندیشی کے لحاظ سے صرف نیک ظنی کی بنیاد
پر یعنی بعض وجوہ کو معتبر سمجھ کر اور اُس طرف غلبہ اور رجحان پا کر بغیر انتظارِ کامل اور قطعی اور واشگاف
ایقان کی تعریف ثبوت کے دِلی انشراح سے قبولیت و تسلیم ظاہر کی جاوے۔ لیکن جب ایک خبر کی صحت پر وجوہ
کاملہ قیاسیہ اور دلائل کافیہ عقلیہ مل جائیں تو اس بات کا نام ایقان ہے جس کو دوسرے لفظوں
میں علم الیقین بھی کہتے ہیں۔ اور جب خدا تعالیٰ خود اپنے خاص جذبہ اور موہبت سے خارق
عرفان کی تعریف عادت کے طور پر انوارِ ہدایت کھولے۔ اور اپنے آلاء و نعماء سے آشنا کرے۔ اور لدُنّی طور پر عقل اور
علم عطا فرماوے۔ اور ساتھ اُس کے ابواب کشف اور الہام بھی منکشف کر کے عجائباتِ الوہیت
کا سیر کراوے اور اپنے محبوبانہ حسن و جمال پر اطلاع بخشے تو اس مرتبہ کا نام عرفان ہے۔ جس کو

دوسرے لفظوں میں عین الیقین اور ہدایت اور بصیرت کے نام سے ہی موسوم کیا گیا ہے۔ اور جب ان تمام مراتب کی شدّتِ اثر سے عارف کے دل میں ایک ایسی کیفیت حالی عشق اور محبت کی باذنہٖ تعالیٰ پیدا ہو جائے۔ کہ تمام وجود عارف کا اس کی لذت سے بھر جائے۔ اور آسمانی انوار اس کے دل پر بکلی احاطہ کر کے ہر ایک ظلمت و قبض و تنگی کو درمیان سے اٹھا دیں۔ یہانتک کہ بوجہ کمال رابطۂ عشق و محبت باعثِ انتہائی جوش صدق و صفا کے بلا اور مصیبت بھی محسوس اللذت و مدرک الحلاوت ہو تو اس درجہ کا نام اطمینان ہے جس کو دوسرے لفظوں میں حق الیقین اور فلاح اور نجات سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ مگر یہ سب مراتب ایمانی مرتبہ کے بعد ملتے ہیں۔ اور اُس پر مترتب ہوتے ہیں۔ جو شخص اپنے ایمان میں قوی ہوتا ہے۔ وہ رفتہ رفتہ ان سب مراتب کو پا لیتا ہے۔ لیکن جو شخص ایمانی طریق کو اختیار نہیں کرتا۔ اور ہر ایک صداقت کے قبول کرنے سے اول قطعی اور یقینی اور نہایت واشگاف ثبوت مانگتا ہے۔ اس کی طبیعت کو اس راہ سے کچھ مناسبت نہیں اور وہ اس لائق ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کہ اس قادر غنی بے نیاز کے فیوض حاصل کرے۔ عادت اللہ قدیم سے اسی طرح پر جاری ہے۔ اور یہ اس فن علم الٰہی کا نہایت باریک نکتہ ہے جس پر سعادت مندوں کو غور کرنی چاہیئے۔ کہ ہمیشہ ثواب اور فیضان سماوی ایمان پر ہی مترتب ہوتا ہے۔ اس راہ کا سچا فلسفہ یہی ہے۔ کہ انسان دین قبول کرنے کی ابتدائی حالت میں اُس بے نیاز مطلق اور اس کی قدرت اور اس کے وعدہ و عید اور اس کے اخبار و اسرار کے ماننے میں لمبے لمبے انکاروں سے مجتنب رہے۔ کیونکہ ایمانی صورت کے قائم رکھنے کے لئے (جس پر تمام ثواب وابستہ ہے) ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ امور ایمانیہ کو ایسا منکشف نہ کرتا۔ کہ وہ دوسرے بدیہات کی طرح ہر ایک عام اور خاص کی نظر میں مسلم الوجود ہو جاتے۔ یہ تو سچ ہے۔ کہ انسان مکلّف بوجہ عقل ہے۔ نامعقول باتوں کو مان نہیں سکتا۔ اور نہ در حالتِ انکار قابلِ الزام ٹھہرتا ہے۔ لیکن خدا تمہیں ہدایت کرے۔ تم خوب سوچ لو۔ کہ خدا تعالیٰ بھی کسی نامعقول بات پر (جو عند العقل اس کی قدرت اور طاقت سے بعید ہے) ایمان لانے کے لئے تمہیں مجبور نہیں کرتا۔ اور ہمارے کسی لفظ سے یہ نہیں نکلتا۔ کہ تم کسی ایسی بات پر ایمان لاؤ جو فی الحقیقت دوربین نظروں میں نامعقول ہے۔ بلکہ ہماری تقریر کا مدعا اور لُب لباب یہ ہے۔ کہ ایمانی امور ایسے ہونے چاہئے کہ من وجہ ظاہر اور من وجہ مخفی ہوں۔ اور امکانی ہو۔ پر عقل ان کا وجود باور تو کر سکے۔ مگر دوسرے مشہودات و مرئیات بدیہہ کی طرح ہاتھ پکڑ کر دکھلا نہ سکے یعنی انسان اور گدھے وغیرہ محسوس چیزوں کی طرح ان کا وجود نہ ہو۔

اطمینان کی تعریف

ایمانی امور من وجہ ظاہر و من وجہ مخفی ہوتے ہیں۔

جن کو ٹٹول کر معلوم کر سکیں ۔ یا بچشم خود دیکھ سکیں یا دکھا سکیں ۔ یا اشکال ہندسے اور اعمال حسابی کی طرح ایسے منکشف نہ ہوں ۔ جن میں دس دس برس کے بچے بھی اختلاف نہ کر سکیں ۔ غرض وہ کیفیت ان میں محفوظ ہو جو ایمان کا مفہوم قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے ۔ اور پھر بایں ہمہ باریک نظر والوں اور حقیقت شناسوں کی نگاہوں میں نامعقول اور بعید از عقل بھی نہ ہوں ؎

نہ چنداں بخور کز دہانت بر آید　　نہ چنداں کہ از ضعف جانت بر آید

کسی مذہب کے قبول کرنے کی غرض

اب خلاصہ و ماحصل اس تقریر کا یہ ہے ۔ کہ کسی مذہب کو قبول کرنے سے غرض یہ ہے ۔ کہ وہ طریق اختیار کیا جائے جس سے خدائے غنی مطلق جو مخلوق اور مخلوق کی عبادت سے بکلی بے نیاز ہے ۔ راضی ہو جائے ۔ اور اُس کے فیوض رحمت اُترنے شروع ہو جائیں ۔ جن سے اندرونی آلائشیں دور ہو کر صحن سینہ یقین اور معرفت سے پُر ہو جائے ۔ سو یہ تدبیر اپنی فکر سے پیدا کرنا انسان کا کام نہیں تھا ۔ اس لئے اللہ جل شانہٗ نے اپنے وجود اور اپنے عجائبات قدرت خالقیت یعنی ارواح و اجسام و ملائک و دوزخ و بہشت و بعث و حشر و رسالت و دیگر تمام اسرار مبدء و معاد کو یکساں طور پر پردۂ غیب میں رکھ کر اور کچھ کچھ قیاسی یا امکانی طور پر عقل کو اس کوچہ میں گزر بھی دے کر غرض کچھ دکھلا کر اور کچھ چھپا کر بندوں کو ان سب باتوں پر ایمان لانے کے لئے مامور کیا ۔ اور یہ سب کچھ اس لئے

کن باتوں پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے

کیا ۔ کہ جب بندہ باوجود کشمکش مخالفانہ خیالات کے خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لائیگا ۔ اور سب عجائبات اُخروی و وجود دوزخ و بہشت و ملائک وغیرہ کو اس کی قدرت میں داخل سمجھ کر دیکھنے سے پہلے ہی قبول کرے گا ۔ تو یہ قبول کرنا اُس کے حق میں صدق شمار کیا جائیگا ۔ کیونکہ ہنوز یہ چیزیں پردۂ غیب ہیں ۔ اور مرئی اور مشہود طور پر نمایاں اور ظاہر نہیں ہیں ۔ سو یہ صدق خدا تعالیٰ کی توجہ رحمت کے لئے ایک موجب ہو جائے گا ۔ کیونکہ خدا تعالیٰ بوجہ اپنی استغنا ذاتی کے اُنہیں لوگوں پر توجہ رحمت کرتا ہے ۔ جن کا صدق ظاہر ہوتا ہے ۔ یوں تو انسان کی فطرتی عادت ہے ۔ کہ جو چیز کھلے کھلے طور پر مضر ۳۴
یا مفید ہو اس سے بہ نفرت بھاگتا یا اُس کے لینے کو بصدر غبت دوڑتا ہے یعنی جیسی صورت ہو لیکن وہ اپنی اس عادت سے کسی ثواب کا مستحق نہیں ٹھہر سکتا ۔ اگر کوئی شخص بجلی سے ڈر کر اپنے کوٹھے میں چھپ جائے یا شیر سے خوف کھا کر اپنے شہر کی طرف بھاگے ۔ تو وہ ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا ۔ کہ اے بجلی یا شیر میں نے تم سے خوف کیا ۔ تم مجھ سے راضی ہو جاؤ ۔ سو ظاہر ہے ۔ کہ جو ڈرنا یا امید کرنا ضروری طور پر لازم آتا ہے ۔ وہ کسی تحسین یا آفرین کا موجب نہیں ٹھہر سکتا ۔ اسی وجہ سے لازم ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ اور اُس کے عجائبات آخر کو مان کر رضامندی الٰہی کا خواہشمند ہے ۔ وہ ان سب

چیزوں کے ماننے میں بیجا اڑوں سے پرہیز کرے۔ اور جہاں تک ممکن ہو مطالبہ دلائل میں نرمی اختیار
کر کے فقط اتنا کرے۔ کہ ایک راہ کو دوسری راہوں پر ترجیح دیکھ لے۔ اور ایسے یقینی ثبوت کے لئے
کہ جیسے چار کا نصف دو ہے۔ اپنی نابالغ عقل کو آوارہ اور سرگردان نہ ہونے دے۔ بلکہ تمام تر سعادت
تو اس میں ہے کہ غیب کی باتوں کو غیب ہی کی صورت میں قبول کرے اور ظاہری حواس کی خواہ مخواہ
شہادت طلب کرنے سے اور فلسفہ کے طول طویل اور لاطائل جھگڑوں سے حتی الوسع اپنے تئیں بچائے کیونکہ
اگر خدا کو دیکھ کر ہی یا انتہائی تحقیقات سے ہی قبول کرنا ہے۔ اور جزا سزا کو تجربہ کر کے ہی ماننا ہے۔ تو
پھر ایسے ماننے میں کونسی خاص فضیلت یا صدق پایا جاتا ہے۔ اس طرح پر کون ہے جو قبول نہیں
کرتا۔ دنیا میں ایسی طبیعت کا کوئی بھی آدمی نہیں۔ کہ اگر اس کو پورا پورا ثبوت خدا کی ہستی یا عالم مجازات
یا عجائبات قدرت کامل ہو جائے۔ تو پھر وہ منکر ہی رہے مثلاً اگر خدا تعالیٰ ہر ایک انسان کو نظر آ
جائے۔ اور سب کو اپنی خدائی قدرتیں دکھلا دے۔ یا اگر مثلاً ایسا ہو کہ دس بیس ہزار آدمی ہر یک
قوم اور ہر یک ملک کے قبروں سے اُٹھ کر اپنی اپنی قوم اور قبیلہ میں آ جائیں۔ اور اپنے اپنے بیٹوں اور
پوتوں کو خدا اور اس کی سزا و جزا کی ساری حقیقت سُنا دیں۔ تو پھر ممکن نہیں۔ کہ پھر بھی کوئی شخص کافر
اور بے دین رہ جائے اب اس جگہ بالطبع سوال ہوتا ہے۔ کہ جس حالت میں خدا تعالیٰ ان باتوں کے
کرنے پر قادر تھا۔ اور اس پختہ ثبوت سے کفر اور بے دینی کی جڑھ کاٹی جاتی تھی۔ تو پھر اس نے ایسا
کیوں نہیں کیا۔ بلاشبہ اگر وہ ایسا کرتا تو پھر حق اور باطل کا بکمال صفائی فیصلہ ہو جاتا اور فلسفہ کی نکمی اور بودی
اور ظنی اور وہمی دلائل کی کچھ حاجت نہ رہتی تو اس کا جواب یہی ہے۔ کہ جو اُوپر گزر چکا یعنی بے شبہ خدا
تعالیٰ ایسا کر سکتا تھا۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ایسا جلوہ دیدار دکھا سکتا تھا۔ کہ ایک ہی تجلی سے سب
گردنیں جھک جاتیں۔ اور ایک ہی دفعہ تمام دنیا کی دینی نزاعوں کا تصفیہ ہو جاتا لیکن ایسا کرنے میں
وہ بات جس سے ثواب ملتا ہے۔ اور صادقوں کو مراتب عالیہ اور قرب اور وجاہت عطا کی جاتی ہے
وہ باقی نہ رہتی۔ یعنی ایمان بالغیب جس کی وجہ سے درجات اُخروی ملتے ہیں۔ وہ اپنی صورت میں
محفوظ نہ رہتا۔ سو یہ بڑے بھاری درجہ کی صداقت ہے جو سوال مذکورہ بالا پر غور کرنے سے ہر ایک
اعلیٰ و ادنیٰ کو سمجھ آ سکتی ہے۔ غرض ایمان پر ثواب اور اجر ملنے کا یہی بھید ہے۔ کہ جن چیزوں پر
ایمان لایا جاتا ہے۔ وہ اگرچہ غور اور نظر کرنے سے صحیح اور راست ہیں۔ لیکن اُن کا ثبوت ایسا
کھلا کھلا ثبوت نہیں ہے۔ جیسے اور مشہودات اور محسوسات کا ہوا کرتا ہے بلکہ ایمان بالغیب
کی حد میں ہیں۔ سو صادق آدمی جب خدا اور اس کی سزا و جزا وغیرہ امور غیبیہ پر ایمان لاتا ہے۔ تو

اس ایمان میں بوجہ انواع اقسام کے اوہام اور نفس امارہ کی چار طرفہ کشاکش کے سخت آزمائش میں پڑتا ہے۔ آخر چونکہ وہ صادق ہوتا ہے۔ اس لئے سب راہیں چھوڑ کر اور سب خیالات پر غالب آکر اُسی ربّ رحیم کی راہ اختیار کر لیتا ہے۔ اور اس صدق کی برکت سے کہ وہ اپنے علم سے زیادہ رجوع اور اپنی واقفیت سے زیادہ وفا اور اپنے تجربہ سے زیادہ استحکام اختیار کرتا ہے جناب الٰہی میں قبول کیا جاتا ہے۔ اور پھر اسی صدق و صفا کی برکت سے عرفانی آنکھیں اس کو عنایت ہوتی ہیں۔ اور ربّانی لذت اور محبت اس کو عطا کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس مرتبہ تک جا پہنچتا ہے۔ جہاں تک انسانی کمالات ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ کامل طور پر پیچھے سے ملتا ہے پہلے نہیں۔ یہ تو معرفت صحیحہ تک پہنچنے کے لئے سنت اللہ یا یوں کہو کہ قانون قدرت ہے۔ لیکن اس زمانہ کے خشک فلسفیوں نے اس صداقت پر ایک ذرا اطلاع نہیں پائی[1]۔ اور وہ بالکل اس بات سے بے خبر ہیں کہ کیونکر انسان ایمان کے محکم و اُستوار زینہ سے عرفان کے بلند مینار تک پہنچتا ہے اور

[1] جاننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ اور عالم مجازات اور دیگر امور مبدء اور معاد کے ماننے میں فلسفیوں کا طریقہ انبیاء علیہم السلام کے طریقہ سے بہت مختلف ہے۔ نبیوں کے طریق کا اصل اعظم یہ ہے۔ کہ ایمان کا ثواب تب مترتب اور بارور ہوگا۔ کہ جب غیب کی باتوں کو غیب ہی کی صورت میں قبول کیا جائے۔ اور ظاہری حواس کی کھلی کھلی شہادتیں یا دلائل ہندسیہ کے یقینی اور قطعی ثبوت طلب نہ کئے جائیں۔ کیونکہ تمام و کمال مدار ثواب اور استحقاق قرب و توصل الٰہی کا تقویٰ پر ہے۔ اور تقویٰ کی حقیقت وہی شخص اپنے اندر رکھتا ہے۔ جو افراط آمیز تفتیشوں اور لمبے چوڑے انکاروں اور ہر ہر جزئی کی موشگافی سے اپنے تئیں بچاتا ہے۔ اور صرف دور اندیشی کے طور سے ایک راہ کی سچائی کا دوسری راہوں پر غلبہ اور رجحان دیکھ کر حسن ظن قبول کر لیتا ہے۔ اسی بات کا نام ایمان ہے۔ اور اسی ایمان پر فیوض الٰہی کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور دنیا و آخرت میں سعادتیں حاصل ہوتی ہیں جب کوئی نیک بندہ ایمان پر محکم قدم مارتا ہے۔ اور پھر دعا اور نماز اور فکر اور نظر سے اپنی حالت علمی میں ترقی چاہتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ خود اس کا متولی ہو کر اور آپ اس کا ہاتھ پکڑ کر درجہ ایمان سے درجہ عین الیقین تک اس کو پہنچا دیتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ بعد استقامت و مجاہدات و ریاضات و تزکیہ و تصفیہ نفس ملتا ہے پہلے نہیں اور جو شخص پہلے ہی تمام جزئیات کی بکلّی صفائی کرنا چاہتا ہے۔ اور قبل از صفائی اپنے بد عقائد اور بد اعمال کو کسی حالت میں چھوڑنا نہیں چاہتا۔ وہ اس ثواب اور اس راہ کے پانے سے محروم ہے۔ کیونکہ ایمان اسی حد تک ایمان ہے جب تک وہ امور جن کو مانا گیا ہے۔ کسی قدر پردہ غیب میں ہیں یعنی ایسی حالت پر واقعہ ہیں۔ جو ابھی تک عقلی ثبوت نے ان پر احاطہ تام نہیں کیا۔ اور نہ کسی کشفی طور پر وہ نظر آئی۔ بلکہ ان کا ثبوت صرف غلبہ ظن تک پہنچا ہو

(حاشیہ:) فلسفی لوگ اس بات سے بے خبر ہیں کہ کیونکر انسان ایمان کے زینہ سے عرفان کے مینار تک پہنچتا ہے۔

(حاشیہ:) خدا تعالیٰ اور عالم مجازات وغیرہ کے ماننے میں فلسفیوں اور انبیاء کے طریقہ میں بہت اختلاف ہے۔

اسی بے خبری کی وجہ سے ان میں اپنے قدم اول میں ہی تعجیل اور جلدی بھری ہوئی ہے۔ اور نہایت شتاب کاری سے علم دین کو ایک ادنیٰ سا کام اور ایک ناکارہ سا ہنر سمجھ کر یہ ارادہ کر رہے ہیں۔ کہ مذہب کے تمام اصول و فروع کو اپنی ابتدائی حالت میں ہی بغیر انتظار دوسرے حالات مترقبہ کمالات فطرت کے اس طرح پر دریافت کر لیں۔ جیسے کوئی ہندسہ یا حساب کا مسئلہ دریافت کیا

بقیہ حاشیہ: یہ تو انبیاء کا سچا فلسفہ ہے جس پر قدم مارنے سے کروڑہا بندگانِ خدا آسمانی برکتیں پا چکے ہیں۔ اور جس پر ٹھیک ٹھیک چلنے سے بیشمار خلق اللہ معرفت تامہ کے درجہ تک پہنچ چکی ہیں۔ اور ہمیشہ پہنچتی ہیں، اور جن اعلیٰ درجہ کے تجلیات کو شوخی اور جلدی سے فلسفی لوگوں نے ڈھونڈا اور نہ پایا وہ سب مراتب ایماندار بندوں کو بڑی آسانی سے مل گئے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر اس میں معرفت تامہ کے درجہ تک پہنچ گئے۔ کہ جو کسی فلسفی کے کانوں نے اس کو نہیں سُنا اور نہ اس کی آنکھ نے دیکھا۔ اور نہ کبھی اس کے دل میں گزرا۔ لیکن اس کے مقابلہ پر خشک فلاسفروں کا جھوٹا اور مغشوش فلسفہ جس پر آج کل کے نو تعلیم یافتہ لوگ فریفتہ ہو رہے ہیں۔ اور جس کے بد نتائج کی بے خبری نے بہت سے سادہ لوحوں کو برباد کر دیا ہے۔ یہ ہے کہ جب تک کسی اصل یا فرع کا قطعی طور پر فیصلہ نہ ہو جاتے اور بکلی اس کا انکشاف نہ ہو جائے تب تک اس کو ہرگز ماننا نہیں چاہیئے۔ گو خدا ہو یا کوئی اَور چیز ہو۔ ان میں سے اعلیٰ درجہ کے اور کامل فلاسفر جنھوں نے ان اصولوں کی سخت پابندی اختیار کی تھی۔ انہوں نے اپنا نام محققین رکھا جن کا دوسرا نام دہریہ بھی ہے۔ ان کامل فلاسفروں کا یہ پابندی اپنے اصول قدیمہ کے یہ مذہب رہا ہے۔ کہ چونکہ خدا تعالیٰ کا وجود قطعی طور پر بذریعہ عقل ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہم نے اس کو بچشم خود دیکھا۔ اس لئے ایسے خدا کا ماننا ایک امر مظنون اور مشتبہ کا مان لینا ہے۔ جو اصول متقررہ فلسفہ سے بکلی بعید ہے۔ سو انہوں نے پہلے ہی خدا تعالیٰ کو درمیان سے اُڑایا۔ پھر فرشتوں کا یوں فیصلہ کیا۔ کہ یہ بھی خدا تعالیٰ کی طرح نظر نہیں آتے۔ چلو یہ بھی درمیان سے اُٹھاؤ۔ پھر روحوں کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ رائے ظاہر کی کہ ہم کوئی ثبوت قابل اطمینان اس بات پر نہیں دیکھتے کہ بعد مرنے کے روح باقی رہ جاتی ہے نہ کوئی روح نظر آتی ہے۔ اور نہ واپس آ کر کچھ اپنا قصہ سناتی ہے۔ بلکہ سب روحیں مفارقت بدن کے بعد خدا اور فرشتوں کی طرح بے اثر و بے نشان ہیں۔ سو ان کا بھی وجود ماننا خلاف دلیل و برہان ہے۔ ان سب فیصلوں کے بعد ان کی نظر عمیق نے تکالیف شرعیہ کی مشقت اور حلال و حرام کا فرق اصولِ فلسفہ کا سخت مخالف سمجھا۔ اس لئے انہوں نے صاف صاف اپنی رائے ظاہر کر دی کہ ماں اور بہن اور جورو میں فرق کرنا یا اَور چیزوں میں سے بلا ثبوتِ ضرر طبی بعض چیزوں کو حرام سمجھ لینا یہ سب بناوٹی باتیں ہیں۔ جن پر کوئی فلسفی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح انہوں نے یہ بھی بیان کیا۔ کہ ننگا رہنے میں کوئی شناعت عقلی ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس میں طبی قواعد کی رو سے فوائد ہیں۔ اسی طرح ان فلاسفروں کے اَور بھی مسائل ہیں اور

جاتا ہے۔ اور اگر کوئی دقیقہ دینی اس حد کے انکشاف تک نہ پہنچ سکے۔ تو اس کی نسبت صاف حکم صادر کر دیں کہ یہ سراسر باطل اور پیرایہ صداقت سے خالی ہے۔ مگر جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں یہ ایمانی حکمت کا طریق نہیں ہے۔ بلکہ انسانی ظلمت یا شیطانی رعونت کی ایک تاریکی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہی ہوتا۔ اور مذہب کے تمام اجزا۔ اور جو کچھ اس میں بھرا ہوا ہے پہلے ہی سے اظہر من الشمس اور بدیہی اور بیّن الانکشاف ہوتے یا اشکال ہندسی اور حساب کے اعمال کی طرح قطعی الثبوت

فلاسفر بجز دلائل قطعیہ عقلیہ کے کسی چیز کو نہیں مانتے۔

خلاصہ ان کے مذہب کا یہی ہے۔ کہ وہ بجز دلائل قطعیہ عقلیہ کے کسی چیز کو نہیں مانتے۔ اور ان کی فلسفیانہ نگاہ میں گو کیسی کوئی بد عملی ہو جب تک براہین قطعیہ فلسفیہ سے اس کا بد ہونا ثابت نہ ہوئے یعنی جب تک اس میں کوئی طبی ضرر یا دنیوی بد انتظامی متصور نہ ہو تب تک اس کا ترک کرنا بے جا ہے۔ مگر جو دوسرے درجہ کے فلاسفر ہیں انہوں نے لوگوں کے بعض طعن سے اندیشہ کر کے اپنے فلاسفری اصولوں کو کچھ نرم کر دیا ہے۔ اور قوم کے خوف اور ہم جنسوں کی شرم سے خدا اور عالم جزا اور دوسری کئی باتوں کو ظنی طور پر تسلیم کر بیٹھے ہیں لیکن یہ اعلیٰ درجہ کے فلاسفر ان کو سخت نالائق اور بدفہم اور غبی الطبع اور بزدل اور اپنی سوسائٹی کے بدنام کنندہ خیال کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے فلاسفر ہونے کا دعویٰ تو کیا لیکن اصول فلسفہ پر جیسا کہ حق چلنے کا تھا نہیں چلے۔ اس لئے اول درجہ کے فلاسفر اس بات سے عار رکھتے ہیں۔ کہ ان ناقصوں کو فلاسفر کے باعزت لفظ سے مخاطب یا موسوم کیا جائے۔ کیونکہ انہوں نے کچھ کچھ تو فلسفہ کے طریقہ پر قدم مارا اور کچھ عام لوگوں کی ملامت لعنت سے ڈر کر نبیوں کے عقائد میں بھی دخل فلسفیوں کے منشا کے موافق قطعی اور یقینی دلائل سے ثابت نہیں ہو سکتے ٹانگ اڑا دی۔ اس لئے یہ لوگ ان کی نظر میں نیم حکیم ہیں حقیقی فلاسفر نہیں ہاں ممکن بلکہ قرین قیاس ہے۔ اور امید کی جاتی ہے کہ جیسے جیسے ایک سخت جوش قطعی اور یقینی اور نہایت واشگاف ثبوت عقلی طلب کرنے کا ان کے مستعد اور ہونہار لوگوں کے دلوں میں آتا جائیگا۔ ویسی ویسی وہ کسریں جو باقی رہ گئی ہیں۔ ان کے خیالات سے وہ سب نکل جائینگی اور عقاید اور اعمال میں پوری پوری مطابقت اپنے بڑے بھائیوں سے کر لینگے۔ تب وہ شیطانی اور ظلماتی دو کالے پانی دنیا کے برباد کرنے کے لئے ایک ہی ہو کر بہیں گے۔ اور اگر آئندہ ذریت میں فلسفہ نے ترقی کی۔ تو وہ بجائے اس کے کہ حال کے فلسفیوں کی طرح یہ سوال کریں کہ اگر ملائک یا شیاطین کچھ چیز ہیں تو ہمیں دکھلاؤ یہ اعلیٰ درجہ کے سوالات کرینگے۔ کہ اگر خدا اور اسکی قدرتیں کچھ چیز ہیں تو ہمیں ظاہر بظاہر بلاواسطہ اسباب دکھاؤ اور اگر روحیں بعد مفارقت بدن باقی رہ جاتی ہیں اور ان کا وجود بھی کچھ چیز ہے۔ تو وہ بھی ہمیں دکھلاؤ۔ غرض جیسے جیسے ان نوآموزوں کے فلسفہ میں صیقل ہوتا جائیگا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ سوال ان کے دلوں میں پیدا ہوتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ اول درجہ کے فلاسفروں

دکھائی دیتے تو پھر اس حالت میں ایمان ایمان نہ رہتا - اور جو ایمان لانیوالے پر ثواب اور سعادتیں اور برکتیں مترتب ہوتی ہیں - ان کو انسان ہرگز نہ پاسکتا - کیونکہ ظاہر ہے - کہ بیّن الحقیقت اور ظاہر الوجود باتوں کو مان لینا ایمان نہیں ہے - مثلاً اگر کوئی کہے - کہ مَیں اس بات پر ایمان لایا کہ پانی سرد اور آگ گرم ہے - اور ہر ایک انسان آنکھوں سے دیکھتا اور کانوں سے سنتا اور منہ سے کھاتا اور پاؤں سے چلتا ہے - اور مَیں اس بات پر ایمان لایا - کہ آفتاب اور قمر موجود ہیں - اور زمین پر بہت سے جمادات اور نباتات اور حیوانات پائے جاتے ہیں - تو ایسا ایمان لانا ایک ہنسی کی بات ہے - نہ کہ ایمان اور اسی وجہ سے بدیہی اور کھلی کھلی باتوں کو ماننا عنداللہ وعندالعقلا ثواب پانے کا موجب نہیں ٹھہر سکتا - بلکہ ایمان وہ شے ہے - کہ جن باتوں کو عقل قبول تو کرتی ہے - مگر بوجہ در پردہ غیب ہونے کے جیسا کہ چاہیئے - ان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی ان باتوں میں اپنی فراستِ فطرتی سے کچھ ترجیح یعنی آثارِ صداقت دیکھ کر اور کسی قدر دلائل عقلیہ کا غلبہ اُس طرف پاکر اور پھر خدا کے کلام کو اس پر شاہد ناطق و صادق معلوم کرکے اُن باتوں کو مان لیا جائے یہی ایمان ہے - جو ذریعہ خوشنودی خداوندکریم جل شانہٗ ہو جاتا ہے - اور بعد اس کے جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں - مرتبہ ایقان ہے - اور پھر اس کے بعد مرتبہ عرفان کا ہے - یعنی جبکہ بندہ ایسی باتوں کو مان لیتا ہے - جن کو اس کی عقل امکان یا جواز یا وجوب کی صورت میں قبول تو کرلیتی ہے - مگر انکشاف کُلّی کے طور پر اُن پر احاطہ نہیں کرسکتے - تو خدا تعالیٰ کی نظر میں وہ شخص صادق ٹھہر جاتا ہے - اور حضرتِ خداوندِ کریم عزاسمہ بہ برکت اُس ایمان کے عرفان کا مرتبہ اس کو عطا کر دیتا ہے - یعنی اپنی طرف سے علم و معرفت و سکینت اس پر نازل کرتا ہے اور کشفی اور الہامی نوروں سے وہ بقیہ ظلمت بھی اُٹھا دیتا ہے - جس کے اُٹھانے سے عقل دودآمیز عاجز رہ گئی تھی - اسی جہت سے خدا تعالیٰ نے جیسے انسان کی فطرت میں مبادی اُمور کے کسی قدر سمجھنے کیلئے ایک عقلی قوت رکھی ہے - اسی طرح انسان میں کشف اور الہام کے پانے کی بھی ایک قوت مخفی ہے - جب عقلِ انسانی اپنی حدِ مقررہ تک چل کر آگے قدم رکھنے سے رہ جاتی ہے - تو اس جگہ خدا تعالیٰ اپنے صادق اور وفادار بندوں کو کمال عرفان اور یقین تک پہنچانے کی غرض سے الہام اور کشف سے دستگیری فرماتا ہے - اور جو منزلیں بذریعہ عقل طے کرنے سے رہ گئی تھیں - اب وہ بذریعہ کشف اور الہام طے ہو جاتی ہیں - اور سالکین مرتبہ عین الیقین

بقیہ حاشیہ سے ہاتھ جاتا ہیں گے - ابھی تو حال کچا اور خیال بھی کچا ہے - منہ

ظاہر الوجود باتوں کو مان لینا ایمان نہیں ہے -

ایمان - ایقان اور عرفان

کامل انسانوں کو وہ علوم جو عقل انسانی سے بالاتر ہیں بذریعہ کشف و الہام سمجھائے جاتے ہیں

بلکہ حق الیقین تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہی سنت اللہ اور عادت اللہ ہے جس کی رہنمائی کے لئے تمام پاک نبی دنیا میں آتے ہیں۔ اور جس پر چلنے کے بغیر کوئی شخص سچی اور کامل معرفت تک نہیں پہنچا۔ مگر کم بخت خشک فلسفی کو کچھ ایسی جلدی ہوتی ہے۔ کہ وہ یہی چاہتا ہے۔ کہ جو کچھ کھلنا ہے۔ وہ عقلی مرتبہ پر ہی کھل جائے۔ اور نہیں جانتا کہ عقل انسانی اپنی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔ اور نہ طاقت سے آگے قدم رکھ سکتی ہے۔ اور نہ اس بات کی طرف فکر دوڑاتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو اس کے کمالاتِ مطلوبہ تک پہنچانے کے لئے صرف جوہر عقل ہی عطا نہیں کیا۔ بلکہ کشف اور الہام پانے کی قوت بھی اس کی فطرت میں رکھی ہے۔ سو جو کچھ خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے وسائل خداشناسی انسان کی سرشت کو عطا کئے ہیں۔ ان وسائل میں سے صرف ایک ابتدائی اور ادنیٰ درجہ کے وسیلہ کو استعمال میں لانا اور باقی وسائل خداشناسی سے بکلی بے خبر رہنا بڑی بھاری بدنصیبی ہے۔ اور ان قوتوں کو ہمیشہ بیکار رکھ کر ضائع کر دینا اور اُن سے فائدہ نہ اُٹھانا پرلے درجہ کی بے سمجھی ہے۔ سو ایسا شخص سچا فلسفی ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کہ جو کشف اور الہام پانے کی قوت کو معطّل اور بیکار چھوڑتا ہے۔ بلکہ اس سے انکار کرتا ہے۔ حالانکہ ہزاروں مقدسوں کی شہادت سے کشف اور الہام کا پایا جانا بپایۂ ثبوت پہنچ چکا ہے۔ اور تمام سچے عارف اسی طریق سے معرفت کاملہ تک پہنچے ہیں۔ آریہ مت والے جن کا دھرم دلی روشنی سے علاقہ نہیں رکھتا۔ وہ کشف اور ایسے الہام سے تو قطعاً منکر ہیں۔ جو امور غیبیہ اور خوارق اعجازیہ پر مشتمل ہو۔ بقول اُن کے وید پیشگوئیوں سے بکلی خالی اور قدرتی نشانوں سے بکلی تہیدست ہے۔ مگر باایں ہمہ پھر بھی الہامی کتاب وید ہی کو مانتے ہیں۔ غرض جیسا کہ خدا تعالیٰ کا کلام اس کی صفاتِ کمالیہ کا آئینہ ہونا چاہئے۔ یہ انوار الٰہی وید میں ثابت نہیں کر سکتے۔ بلکہ اپنے ہی منہ سے اقرار کرتے ہیں۔ کہ ان کا وید اخبارِ غیب اور اسرارِ قدرت سے بکلی عاری اور عاجز ہے۔ لیکن ان سب خرابیوں کے ساتھ اس بات پر بھی اصرار کرتے ہیں۔ کہ الہام الٰہی وید ہی پر ختم ہے۔ وہ ہمیشہ کے کشف اور الہام سے منکر ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ صرف چار آدمیوں کو جن پر وید اترا یہ قوت الہامی بوجہ ان کے نیک اعمال کے قدرت نے عطا کی تھی۔ مگر بعد اُن کے کسی کو نہیں ملی۔ گویا وہ چار آدمی ایک انوکھی پیدائش کے تھے۔ جن سے باقی جمیع بنی آدم کو ان کی فطرت یا عمل کے رو سے کچھ مناسبت نہیں۔ سو یہ قوم روحانی اندھا ہونے پر راضی ہے۔ ہاں آج کل عقل عقل تو پکارتے ہیں۔ اور قانونِ قدرت بھی کسی کے منہ سے سُن لیا ہے۔ تب ہی تو لالہ مرلیدھر صاحب نے اعتراض کیا ہے۔ کہ شق القمر قانونِ قدرت کے برخلاف ہے۔ مگر ہمیں

وید پیشگوئیوں سے خالی ہے۔

قانونِ قدرت غیر محدود ہے

لالہ صاحب موصوف کے اس تقلیدی اعتراض پر نظر کرکے بڑا ہی افسوس آتا ہے۔ کاش انہوں نے کہیں سے یہ بھی سنا ہوتا کہ خدائے تعالیٰ کی خدائی اور الوہیت اسکی قدرت غیر محدودہ اور اسرار نامعدودہ سے وابستہ ہے جس کو قانون کے طور پر کسی حد کے اندر گھیر لینا انسان کا کام نہیں ہے۔ خداشناسی کے لئے یہ بڑا بھاری بنیادی مسئلہ ہے۔ کہ خدائے ذوالجلال کی قدرتیں اور حکمتیں بے انتہا ہیں۔ اس مسئلہ کی حقیقت سمجھنے اور اس پر عمیق غور کرنے سے سب اُلجھاؤ اور پیچ خیالات کا رفع ہو جاتا ہے۔ اور سیدھا راہ حق شناسی اور حق پرستی کا نظر آنے لگتا ہے۔ ہم اس جگہ اس بات سے انکار نہیں کرتے۔ کہ خدا تعالیٰ ہمیشہ اپنی ازلی ابدی صفات کے موافق کام کرتا ہے۔ اور اگر ہم دوسرے لفظوں میں انہیں ازلی ابدی صفات پر چلنے کا نام قانون الٰہی رکھیں تو بے جا نہیں۔ مگر ہمارا کلام اور بحث اس میں ہے۔ کہ وہ آثارِ صفات ازلی و ابدی یا یوں کہو کہ وہ قانونِ قدیم الٰہی محدود یا معدود کیوں مانا جائے۔ ہاں بیشک یہ تو ہم مانتے ہیں اور مان لینا چاہیئے۔ کہ جو کچھ صفتیں جناب الٰہی کی ذات میں موجود ہیں۔ انہیں صفات غیر محدود کے آثار اپنے اپنے وقتوں میں ظہور میں آتے ہیں۔ نہ کوئی امر اُن کا غیر اور وہ صفات ہر یک مخلوق ارضی و سماوی پر مؤثر ہو رہی ہیں۔ اور انہیں آثار الصفات کا نام سنت اللہ یا قانونِ قدرت ہے۔ مگر چونکہ خدا تعالیٰ معہ اپنی صفات کاملہ کے غیر محدود اور غیر متناہی ہے۔ اس لئے ہماری بڑی نادانی ہوگی۔ اگر ہم یہ دعوے کریں۔ کہ اُس کے آثار الصفات یعنی قوانینِ قدرت باندازہ ہمارے تجربہ یا فہم یا مشاہدہ کے ہیں۔ اس سے بڑھ کر نہیں۔ آج کل کے فلسفی الطبع لوگوں کی یہ بڑی بھاری غلطی ہے۔ کہ اول وہ قانونِ قدرت کو ایسا سمجھ بیٹھے ہیں جس کی من کل الوجوہ حدبست ہو چکی ہے۔ اور پھر بعد اس کے جو امر نیا پیش آئے۔ اُس کو ہرگز نہیں مانتے اور ظاہر ہے کہ اس خیال کی بنا راستی پر نہیں ہے۔ اور اگر یہی سچ ہوتا۔ تو پھر کسی نئی بات کے ماننے کے لئے کوئی سبیل باقی نہ رہتا۔ اور امورِ جدیدہ کا دریافت کرنا غیر ممکن ہو جاتا کیونکہ اس صورت میں ہر یک نیا فعل بصورت نقص قوانین طبعی نظر آئیگا۔ اور اس کے ترک کرنے سے ناحق ایک جدید صداقت کو ترک کرنا پڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ منحوس اصول آج تک ذک کھانے کے ہی دانت رہے ہیں نہ کھانے کے۔ اور امورِ جدیدہ کا قوی ظہور اس قاعدہ کی تار و پود کو ہمیشہ توڑتا رہا ہے۔ جب کسی زمانہ میں کوئی جدید خاصیت متعلق علم طبعی یا ہیئت وغیرہ علوم کے متعلق ظہور پکڑتا رہا ہے۔ تو ایک مرتبہ فلسفہ کے شیش محل پر ایک سخت بھونچال کا موجب ہوا ہے جس سے متکبر فلاسفیوں کا شور شرارہ کچھ عرصہ کے واسطے فرو ہوتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کے

فلسفیوں کے خیالات کی لگام ہمیشہ امور جدید الظہور کے ہاتھ میں رہی ہے

خیالات ہمیشہ پلٹے کھاتے رہے ہیں اور کبھی ایک ہی صورت یا ایک ہی نقشہ پر ہرگز قائم نہیں رہے اگر کوئی صفحاتِ تاریخ زمانہ میں واقعات سوانحِ عمری حکمأ پر غور کرے۔ تو اس کو معلوم ہو جائیگا کہ اُن کے خیالات کی ٹرین کتنی مختلف سڑکوں یا یہ کہ کس قدر متناقض چالوں پر چلی ہے اور کیسے داغ خجالت اور ندامت کے ساتھ ایک رائے کو دوسری رائے سے تبدیل کرتے آئے ہیں۔ اور کیونکر انہوں نے ایک مدت دراز تک کسی بات کا انکار کر کے اور قانونِ قدرت سے اُس کو باہر سمجھ کر آخر نہایت متندمانہ حالت میں اسی بات کو قبول کر لیا ہے سو اس تبدیل آرا کا کیا سبب تھا یہی تو تھا کہ جو کچھ اُنہوں نے سمجھ رکھا تھا۔ وہ ایک غلطی بات تھی جس کے مشاہداتِ جدیدہ نے تکذیب کی۔ سو جن شکلوں اور حالتوں میں وہ مشاہداتِ جدیدہ جلوہ گر ہوئے۔ انہیں کے موافق ان کی رائوں کی پٹڑی بدلتی اور اُلٹتی پلٹتی رہی اور جدھر تجاربِ جدیدہ کا رُخ پلٹتا رہا۔ ادھر ہی ان کے خیالات کی ہوائیں پلٹا کھاتی رہیں۔ غرض فلسفیوں کے خیالات کی لگام ہمیشہ امور جدید الظہور کے ہاتھ میں رہی ہے۔ اور اب بھی بہت کچھ اُن کی نظروں سے چھپا ہوا ہے۔ جس کی نسبت امید کی جاتی ہے۔ کہ وہ آئندہ ٹھوکریں کھا کھا کر اور طرح طرح کی رُسوائیاں اُٹھا اُٹھا کر کسی نہ کسی وقت قبول کرینگے۔ کیونکہ قوانینِ قدرت انسانی عقل کے دفتر میں ابھی تک ایسے منضبط نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ جن پر نظر کر کے نئی تحقیقاتوں سے نو امیدی ہو۔ کیا کوئی عقلمند خیال کر سکتا ہے۔ کہ انسان دنیا کے مکتب خانہ میں باوجود اپنی اس قدر عمر قلیل کے تحصیل اسرار ازلی ابدی سے بکلّی فراغت پا چکا ہے۔ اور اب اس کا تجربہ عجائباتِ الٰہیہ پر ایسا محیط ہو گیا ہے۔ کہ جو کچھ اس کے تجربہ سے باہر ہو وہ فی الحقیقت خدا تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہے۔ مَیں جانتا ہوں کہ ایسا خیال بجز ایک بے شرم اور ابلہ آدمی کے کوئی دانشمند نہیں کر سکتا۔ فلاسفروں میں سے جو واقعی نیک دانا اور سچے روحانی آدمی گزرے ہیں۔ انہوں نے خود تسلیم کر لیا۔ کہ ہمارے خیالات جو محدود اور منقبض ہیں۔ خدا اور اس کے بے انتہا بھیدوں اور حکمتوں کی شناخت کا ذریعہ نہیں ہو سکتے۔ بارہا فلاسفروں نے اپنی رائوں میں ندامتیں اُٹھائیں۔ اور صدہا خواص قاعدہ طبعی کے برخلاف اور قوانین طبعیہ کے نقیض ہو کر پھر مشاہدہ کی رو سے ثابت ہو گئے۔ تو آخر وہ ماننے ہی پڑے۔ اور علوم طبعی یا ہیئت کی ہاں کچھ پیش نہ گئی۔ ہاں بعض سوانح عجیبہ جو تاریخی طور پر ثابت کی جاتی ہیں جیسے یہی معجزہ شق القمر جو لالہ مرلیدھر صاحب کی نظر میں پرمیشر کے ازلی ابدی قانونِ فطرت کے برخلاف ہے۔ ایسے سوانح پر یقین لانا یا نہ لانا اپنے علم وسیع یا محدود پر موقوف ہے۔ یہ حجّت ہرگز نہیں ہو سکتی کہ یہ واقعہ عادم

طبعی یا ہیئت کے برخلاف ہے۔ کیونکہ قدرت قدیمہ کاملہ کے موافق یا مخالف ہونا بعد احاطۂ قدرت کے معلوم ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ علوم ناقصہ ہیئت و طبعی جو ہمارے دفتروں میں منضبط ہیں۔ وہ اس تعریف کے ہرگز لائق نہیں۔ جو انہوں نے کوئی دقیقہ اور کوئی امر تہ میں چھپا ہوا نہیں چھوڑا اور نہ ایسا بھروسہ ان پر کرنا عقلمندی ہے۔ خواص جدید الظہور کا ایک عجیب کرشمہ ہے۔ جو ہمیشہ قیاسی علوم کی بربادی اور بے عزتی کرتا رہا ہے۔ اور کریگا۔ اور جس طرح ہمارے زمانہ نے ایسے علوم جدیدہ پائے جن سے پہلے لوگ بیخبری میں گزر گئے۔ یا باطل کو حق کہتے سو گئے۔ ایسا ہی ممکن بلکہ قرین قیاس ہے۔ کہ آنے والی ذریت اس زمانہ کی غلطیاں نکالے۔ اور وہ باتیں اُن پر ظاہر ہوں۔ جو اس زمانہ پر ظاہر نہیں ہوئیں۔ آسمان تو آسمان ہے۔ زمین کے خواص جاننے سے ابھی کب فراغت ہو چکی ہے

تو کارے زمین را نکو ساختی　　　کہ با آسمان نیز پرداختی

غرض علوم جدیدہ کا سلسلہ منقطع ہوتا نظر نہیں آتا۔ شق القمر کے ایک تاریخی واقعہ سے کیوں اتنا نفرت یا تعجب کرو گذشتہ دنوں میں تو جس کو کچھ تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے۔ ایک یوروپین فلاسفر کو سورج کے ٹوٹنے کی ہی فکر پڑ گئی تھی۔ پھر شاید نشگاف ہو کر مل گیا۔ فلاسفروں کو ابھی بہت کچھ سمجھنا اور معلوم کرنا باقی ہے۔ کے آمدی و کے پیر شدی۔ ابھی تو نام خدا ہے غنچہ۔ صبا تو چھو بھی نہیں گئی ہے۔ یہ نہایت محقق صداقت ہے۔ کہ ہر یک چیز اپنے اندر ایک ایسی خاصیت رکھتی ہے۔ جس سے وہ خدا تعالےٰ کی غیر متناہی قدرتوں سے اثر پذیر ہوتی رہی۔ سو اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ خواص اشیا ختم نہیں ہو سکتے۔ گو ہم ان پر اطلاع پائیں یا نہ پائیں۔ اگر ایک دانہ خشخاش کے خواص تحقیق کرنے کے لئے تمام فلاسفر اولین و آخرین قیامت تک اپنی دماغی قوتیں خرچ کریں۔ تو کوئی عقلمند ہرگز باور نہیں کر سکتا کہ وہ ان خواص پر احاطہ تام کر لیں۔ سو یہ خیال کہ اجرام علوی یا اجسام سفلی کے خواص جس قدر بذریعہ علم ہیئت یا طبعی دریافت ہو چکے ہیں۔ اسی قدر پر ختم ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی بے سمجھی کی بات نہیں۔

اب خلاصہ اس تمام مقدمہ کا یہ ہے۔ کہ قانون قدرت کوئی ایسی شے نہیں ہے۔ کہ ایک حقیقت ثابت شدہ کے آگے ٹھہر سکے۔ کیونکہ قانون قدرت خدا تعالیٰ کے ان افعال سے مراد ہے۔ جو قدرتی طور پر ظہور میں آئے۔ یا آئندہ آئینگے۔ لیکن چونکہ ابھی خدا تعالیٰ اپنی قدرتوں کے دکھلانے سے تھک نہیں گیا ہے۔ اور نہ یہ کہ اب قدرت نمائی سے بے زور ہو گیا ہے۔ یا کسی طرف کو کھسک گیا ہے۔ یا کسی خارجی قاسر سے مجبور کیا گیا ہے۔ اور مجبوراً آئندہ کے عجائب کاموں سے دستکش ہو گیا ہے۔ اور ہمارے لئے وہی چند صدیوں کی کارگزاری دیا اُس سے کچھ زیادہ مجھ لو! چھوڑ

قانون قدرت ایسی شے نہیں ہے کہ ایک حقیقت ثابت شدہ کے آگے ٹھہر سکے

گیا ہے۔ اس لئے ساری عقلمندی اور حکمت اور فلسفیت اور ادب اور تعلیم اسی میں ہے۔ کہ ہم چند موجودہ مشہودہ قدرتوں کو جن میں ابھی صدہا طور کا احتمال باقی ہے مجموعہ قوانین قدرت خیال نہ کر بیٹھیں اور اس پر نادان لوگوں کی طرح ضد نہ کریں۔ کہ ہمارے مشاہدات سے خداتعالیٰ کا فعل ہرگز تجاوز نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ صرف احمقانہ دعویٰ ہے۔ جو ہرگز ثابت نہیں کیا گیا۔ اور نہ ثابت کیا جاسکتا ہے۔ ہم نے مانا کہ مذہب نیچر کا نقیض نہیں ہے۔ مگر یہ آپ کیونکر ہم سے تسلیم کراتے ہیں۔ کہ سب خواص نیچریہ پر انسان محیط ہوچکا ہے۔ کیا اس پر کوئی دلیل بھی ہے۔ یا نرا تحکم ہی سے منہ بند کرنا چاہتے ہیں۔ یہ صاف ظاہر ہے۔ کہ اگر تجارب ومشاہدات جو آج تک قلمبند ہوچکے ہیں۔ صحیح اور کامل ہوتے۔ تو علوم جدیدہ کو قدم رکھنے کی جگہ نہ رہتی۔ حالانکہ آپ لوگ بھی کہا کرتے ہیں۔ کہ علوم جدیدہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا ہے۔ میں سوچ میں ہوں۔ کہ کیونکر ایسی چیزیں کامل اور قطعی طور پر مقیاس الصداقت یا میزان الحق ٹھہرسکتی ہیں جن کے اپنے ہی پورے طور کے انکشاف میں ابھی بہت سی منازل باقی ہیں۔ اور اس پیچ در پیچ معمّانے یہاں تک حکما کو حیران اور سرگردان کر رکھا ہے۔ کہ بعض اُن میں سے حقایق اشیا کے منکر ہی ہوگئے (منکرین حقائق کا وہی گروہ ہے جس کو سوفسطائی کہتے ہیں) اور بعض ان میں سے یہ بھی کہہ گئے ہیں۔ کہ اگرچہ خواص اشیاء ثابت ہیں تاہم دائمی طور پر ان کا ثبوت نہیں پایا جاتا۔ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ مگر ممکن ہے۔ کہ کسی ارضی یا سماوی تاثیر سے کوئی چشمہ پانی کا اس خاصیت سے باہر آجائے۔ آگ لکڑی کو جلا دیتی ہے مگر ممکن ہے کہ ایک آگ بعض موجبات اندرونی یا بیرونی سے اس خاصیت کو ظاہر نہ کرسکے۔ کیونکہ ایسی عجائب باتیں ہمیشہ ظہور میں آتی رہتی ہیں۔ حکما کا یہ بھی قول ہے۔ کہ بعض تاثیرات ارضی یا سماوی ہزاروں بلکہ لاکھوں برسوں کے بعد ظہور میں آتی ہیں جو ناواقف اور بے خبر لوگوں کو بطور خوارق عادت معلوم دیتی ہیں۔ اور کبھی کبھی کسی کسی زمانہ میں ایسا کچھ ہوتا رہتا ہے۔ کہ کچھ عجائبات آسمان ۴۷
میں یا زمین میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جو بڑے بڑے فیلسوفوں کو حیرت میں ڈالتے ہیں۔ اور پھر فلسفی لوگ اُن کے قطعی ثبوت اور مشاہدہ سے خیرہ اور متندم ہوکر کچھ نہ کچھ تکلفات کرکے طبعی یا ہیئت میں اُن کو گھسیڑ دیتے ہیں۔ تا اُن کے قانون قدرت میں کچھ فرق نہ آجائے۔ ایسا ہی یہ لوگ ادھر کے ادھر لگا کر اور بہی باتوں کو کسی علمی قاعدہ میں جبراً دھسا کر گزارہ کرلیتے ہیں۔ جب تک پردار مچھلی نہیں دیکھی گئی تھی۔ تب تک ادنیٰ فلسفی اس کا قائل نہ تھا۔ اور جب تک متواتر دُم کے کٹنے سے دُم کٹے کتّے پیدا نہ ہونے لگے۔ تب تک اس خاصیت کا کوئی فلاسفر اقراری نہ ہوا۔ اور جب تک بعض زمین دل

میں کسی سخت زلزلہ کی وجہ سے کوئی ایسی آگ نہ نکلے کہ وہ پتھروں کو پگھلا دیتی تھی۔ مگر لکڑی کو جلا نہیں سکتی تھی۔ تب تک فلسفی لوگ ایسی خاصیت کا آگ میں ہونا خلاف قانون قدرت سمجھتے رہے۔ جب تک اسپی ریڈو کا آلہ نہیں نکلا تھا کس فلسفی کو معلوم تھا۔ کہ عمل ٹرینس فیوزن آف بلڈ (یعنی ایک انسان کا خون دوسرے انسان میں داخل کرنا) قانون فطرت میں داخل ہے۔ بھلا اس فلاسفر کا نام لینا چاہیے۔ جو ایلکٹرک مشین یعنی بجلی کی کل نکلنے سے پہلے اس بجلی لگانے کے عمل کا قائل تھا۔

فلسفی را چشم حق بین سخت نابینا بود گرچہ بیکن باشد و یا بو علی سینا بود

یہ ثابت ہو چکا ہے۔ اور ہمیشہ مشاہدہ میں آتا ہے۔ کہ جو لوگ خواہ نخواہ قانون قدرت کے پابند کہلاتے ہیں۔ وہ اپنی رائے میں بہت کچے ہوتے ہیں۔ اگر دس بیس معتبر اور پختہ عقلمند اور ان کے ہم رتبہ آدمی کوئی عجیب بات ہنسی کے طور پر بھی بیان کر دیں۔ مثلاً یہ کہہ دیں۔ کہ ہم ایک پر دار آدمی کو بچشم خود دیکھ آئے ہیں۔ یا ایک پتھر میں سے شہد مترشح ہوتا ہم نے دیکھا کیا بلکہ کھایا ہے۔ یا آسمان سے ہم نے پھول برستے دیکھے۔ اور پھولوں میں سے سونا نکلا۔ یا شاید کوئی واقعہ سچ مچ ہی پیش آوے۔ جیسے آج کل کے بعض اخباروں میں شائع کیا گیا ہے۔ کہ یورپ کے ایک ملک میں ایک پتھر تیس من وزنی برسا جس میں ہڈیاں بھی ملی ہوئی ہیں۔ شائد ان کی ہڈیاں ہیں جو چاند کے کرہ میں رہنے والے ہیں۔ تو فی الفور فلاسفر صاحب کے دل میں ایک دھڑکا سا شروع ہو جائیگا۔ تو یہ دھڑکا اور اضطراب اس کمبخت کا اس کے نقصان عقل اور فہم پر صریح شہادت دیتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر سرمایہ اس کا ظن ہے۔ کیونکہ کسی قطعی ثبوت میں انسان کبھی تردد نہیں کر سکتا۔ مثلاً اگر کسی زندہ آدمی کو دس بیس آدمی مل کر یہ کہیں کہ تو زندہ نہیں بلکہ مرا ہوا ہے تو اس قدر کیا وہ دس ہزار آدمی کی شہادت سے بھی اپنی زندگی سے شک میں نہیں پڑیگا بلکہ بشمار اشخاص کا مجمع بھی اپنے حلفی گواہوں سے اس کو اضطراب میں نہیں ڈالے گا۔ کیونکہ اس کو اپنی زندگی پر پورا پورا یقین ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے۔ کہ فلسفہ میں جو واقعی دانا ہیں۔ وہ تجارب فلسفیہ پر بہت ہی کم یقین رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان کے معلومات وسیع ہیں۔ اور اُن کو اپنے فلسفہ کی اندرونی حقیقت معلوم ہے +

علامہ شارح قانون جو طبیب حاذق اور بڑا بھاری فلسفی ہے ایک جگہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے جو یونانیوں میں یہ قصے بہت مشہور ہیں۔ جو بعض عورتوں کو جو اپنے وقت میں عفیفہ اور صالحہ

قانون قدرت کے پابند اپنی رائے میں بہت کچے ہوتے ہیں

چند عورتوں کا بغیر مرد / قانون قدرت کے / خلاف حاملہ ہو جانا

تھیں بغیر صحبت مرد کے حمل ہو کر اولاد ہوئی ہے۔ پھر علامۂ موصوف بطور رائے کے لکھتا ہے۔ کہ یہ سب قصّے افترا پر محمول نہیں ہو سکتے کیونکہ بغیر کسی اصل صحیح کے مختلف افراد اور مہذب قوموں میں ایسے دعاوی ہرگز فروغ نہیں پا سکتے ہیں۔ اور نہ عورتوں کو جرأت ہو سکتی ہے۔ کہ وہ زانیہ ہونے کی حالت میں اپنے حمل کی ایسی وجہ پیش کریں جس سے اُور بھی ہنسی کرائیں۔ اور ہمیں اِس بات سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ کہ خواہ نخواہ اُنہی تمام عورتوں پر زنا کا الزام لگائیں جو مختلف ملکوں اور قوموں اور زمانوں میں مستور الحال گزر چکی ہیں۔ کیونکہ طبی قواعد کی رو سے ایسا ہونا ممکن ہے۔ وجہ یہ کہ بعض عورتیں جو بہت ہی نادر الوجود ہیں۔ بباعث غلبۂ رجولیت اس لائق ہوتی ہیں کہ ان کی منی دونوں طور قوت فاعلی اور انفعالی رکھتی ہو اور کسی سخت تحریک خیال شہوت سے جنبش میں آکر خود بخود حمل ٹھہرنے کا موجب ہو جائے۔ مَیں کہتا ہوں کہ ایسے قصّے ہندوؤں میں بھی مشہور ہیں۔ سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان کی انہیں قصّوں پر بنیاد پائی جاتی ہے +

بعض عورتوں میں قوت فاعلی و انفعالی موجود ہوتی ہے

غرض یہ خیال ہندوؤں میں بھی پُرانا چلا آتا ہے۔ یہاں تک کہ رگوید میں لکھا ہے۔ کہ ایک نیک بخت رشی کی لڑکی کو فقط اندر دیوتا کی ہی توجہ سے حمل ہو گیا تھا۔ اور ایسا ہی شمس و قمر سے بھی شرفا آریہ کی پاکدامن لڑکیوں کو حمل ہوتا رہا ہے۔ اب ان قصّوں اور کہانیوں کو جو بکثرت مختلف قوموں میں پائی جاتی ہیں۔ یک مرتبہ مردود اور باطل سمجھ کر پایۂ اعتبار سے ساقط کر دینا حکیمانہ طریق نہیں ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ اگر ان قصّوں کو ان کے زوائد سے الگ کر کے دیکھا جائے۔ تو اُن کے پیچھے وہی ایک دقیق خاصہ علم طبعی کا چھپا ہوا نظر آتا ہے جس کی طرف علامہ نے اشارہ کیا ہے۔ اور اس بات پر ضد نہیں کرنی چاہیئے۔ کہ اگر یہ بات کچھ حقیقت رکھتی ہے۔ تو پھر عام طور پر کیوں وقوع میں نہیں آتی۔ کیونکہ اول تو یہ سوانح ایسے نادر الوقوع نہیں ہیں جیسے آج کل کے نئے فلسفی ان کو خیال کر رہے ہیں بلکہ مختلف قوموں میں اس کے آثار سلسلہ وار چلے آئے ہیں۔ اگرچہ عبرانیوں میں تو صرف حضرت مسیح اس طرز کی پیدائش میں بیان کئے گئے ہیں لیکن یونانیوں اور آریوں کی کتابوں میں اس کی نظیریں بہت پائی جاتی ہیں۔ اور حال کے زمانہ اور اس کے قریب قریب بھی بعض ممالک کی عورتیں حمل دار ہو کر ایسا کچھ بیان کرتی رہی ہیں۔ اب ان سب قصّوں کی نسبت گو کسی منکر کی کیسی ہی رائے ہو مگر صرف ان کے نادر الوقوع ہونے کی وجہ سے وہ سب کی سب رد نہیں کی جا سکتی۔ اور ان کے ابطال پر کوئی دلیل فلسفی قائم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اکثر یونانی فلسفی (آسمانوں کے ماننے والے)، اور انہیں میں سے افلاطون اور ارسطو بھی اس بات پر متفق ہیں۔ کہ حادث

چیزوں کی مبادی آسمانوں کی حرکتیں اور اُن کے مختلف دورے ہیں۔ اسی جہت سے علوی اور سفلی چیزوں کے حکم اور حال مختلف ہوتے ہیں۔ اور اسی بنا پر ان کے مذہب کی رو سے ممکن ہے۔ کہ ایک دَوْر میں ایسی عجائب چیزیں یا عجائب شکلوں کے جانور پیدا ہوں۔ کہ نہ تو دَوْرِ سابق میں اور نہ دَوْرِ لاحق میں ان کی نظیر پائی جائے۔ غرض نادر الظہور اشیاء کا سلسلہ اس وضع عالم کو لازمی پڑا ہوا ہے۔ اور علامہ موصوف نے اس مقام میں ایک تقریر بہت ہی عمدہ لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ اگرچہ سب انسان ایک نوع میں ہونے کی وجہ سے باہم مناسب الطبع واقعہ ہیں۔ مگر پھر بھی ان میں سے بعض کو نادر طور پر کبھی کبھی کسی کسی زمانہ میں خاص خاص طاقتیں یا کسی اعلیٰ درجہ کی قوتیں عطا ہوتی ہیں۔ جو عام طور پر دوسروں میں نہیں پائی جاتیں۔ جیسے مشاہدہ سے ثابت ہوا ہے۔ کہ بعض نے حال کے زمانہ میں تین سو برس سے زیادہ عمر پائی ہے۔ جو بطور خارق عادت ہے۔ اور بعض کی قوتِ حافظہ یا قوتِ نظر ایسے کمال درجہ کو پہنچی ہے۔ جو اس کی نظیر نہیں پائی گئی اور اس قسم کے لوگ بہت نادر الوجود ہوتے ہیں۔ جو صدہا یا ہزاروں برسوں کے بعد کوئی فرد ان میں سے ظہور میں آتا ہے۔ اور چونکہ عوام الناس کی نظر اکثر امور کثیر الوقوع اور متواتر الظہور پر ہوا کرتی ہے۔ اور یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ عام لوگوں کی نگاہ میں جو باتیں کثیر الوقوع اور متواتر الظہور ہوں۔ وہ بطور قاعدہ یا قانونِ قدرت کے مانی جاتی ہیں۔ اور انہیں کی سچائی پر انہیں اعتماد ہوتا ہے۔ اس لئے دوسرے امور جو نادر الوقوع ہوتے ہیں۔ وہ بمقابل امور کثیر الوقوع کی نہایت مضمحل اور مشتبہ بلکہ باطل کے رنگ میں دکھائی دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے عوام کیا بلکہ خواص کو بھی اُن کے وجود میں شکوک اور شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ سو بڑی غلطی جو حکماء کو پیش آتی ہے اور بڑی بھاری ٹھوکر جو اُن کو آگے قدم رکھنے سے روکتی ہے۔ یہ ہے کہ وہ امور کثیر الوقوع کے لحاظ سے نادر الوقوع کی تحقیق کے درپے نہیں ہوتے اور جو کچھ اُن کے آثار چلے آتے ہیں۔ اُن کو صرف قصے اور کہانیاں خیال کر کے اپنے سر سے ٹال دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ قدیم سے عادت اللہ ہے۔ جو امور کثیر الوقوع کے ساتھ نادر الوقوع عجائبات بھی کبھی کبھی ظہور میں آتے رہتے ہیں۔ اس کی نظیریں بہت ہیں۔ جن کا لکھنا موجب تطویل ہے اور حکیم بقراط نے اپنی ایک طبی کتاب میں چند چشم دید بیماروں کا بھی حال لکھا ہے۔ جو قواعد طبی اور تجربہ اطباء کے رو سے وہ ہرگز قابل علاج نہیں تھے۔ مگر اُن بیماروں نے عجیب طور پر شفا پائی۔ جس کی نسبت اُن کا خیال ہے۔ کہ یہ شفا بعض نادر تاثیرات ارضی یا سماوی سے ہے۔ اس جگہ ہم اس قدر ذکر لکھنا چاہتے ہیں۔ کہ یہ بات صرف نوع انسان

کثیر الوقوع او[ر] نادر الوقوع خوا[ص] کا سلسلہ صرف نوع انسان میں محدو[د] نہیں بلکہ دیگر انواع میں بھی یہ سلسلہ پایا جاتا ہے

میں محدود نہیں کہ کثیر الوقوع اور نادر الوقوع خواص کا اُس میں سلسلہ چلا آتا ہے۔ بلکہ اگر غور کر کے دیکھیں تو یہ دوہرا سلسلہ ہر ایک نوع میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً نباتات میں سے آک کے درخت کو دیکھو کہ کیسا تلخ اور زہرناک ہوتا ہے۔ مگر کبھی مدتوں اور برسوں کے بعد ایک قسم کی نبات اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ جو نہایت شیریں اور لذیذ ہوتی ہے۔ اب جس شخص نے اس نبات کو کبھی نہ دیکھا ہو اور معمولی قدیمی تلخی کو دیکھتا آیا ہو بے شک وہ اس نبات کو ایک امر طبعی کی نقیض سمجھیگا ایسا ہی بعض دوسری نوع کی چیزوں میں بھی دُور و دراز عرصہ کے بعد کوئی نہ کوئی خاصہ نادر ظہور میں آجاتا ہے۔ کچھ تھوڑا عرصہ گزرا ہے۔ کہ مظفر گڑھ میں ایک ایسا بکرا پیدا ہوا کہ جو بکریوں کی طرح دودھ دیتا تھا۔ جب اس کا شہر میں بہت چرچا پھیلا۔ تو میکالف صاحب ڈپٹی کمشنر مظفر گڑھ کو بھی اطلاع ہوئی۔ تو انہوں نے یہ ایک عجیب امر قانون قدرت کے برخلاف سمجھ کر وہ بکرا اپنے روبرو منگوایا۔ چنانچہ وہ بکرا جب اُن کے روبرو دوہا گیا۔ تو شائد قریب ڈیڑھ سیر دودھ کے اُس نے دیا۔ اور پھر وہ بکرا بحکم صاحب ڈپٹی کمشنر عجائب خانہ لاہور میں بھیجا گیا۔ تب ایک شاعر نے اس پر ایک شعر بھی بنایا اور وہ یہ ہے ؎

مظفر گڑھ جہاں پر ہے میکالف صاحب عالی یہاں تک فضل باری ہے کہ بکرا دودھ دیتا ہے

اس کے بعد تین معتبر اور ثقہ اور معزز آدمیوں نے میرے پاس بیان کیا کہ ہم نے بچشم خود چند مردوں کو عورتوں کی طرح دودھ دیتے دیکھا ہے۔ بلکہ ایک نے اُن میں سے کہا کہ امیر علی نام ایک سید کا لڑکا ہمارے گاؤں میں اپنے باپ کے دودھ سے ہی پرورش پایا تھا۔ کیونکہ اس کی ماں مر گئی تھی۔ ایسا ہی بعض لوگوں کا تجربہ ہے۔ کہ کبھی ریشم کے کیڑے کی مادہ بے نر کے انڈے دے دیتی ہیں۔ اور اُن میں سے بچے نکلتے ہیں۔ بعض نے یہ بھی دیکھا کہ چُوہا مٹی خشک سے پیدا ہوا۔ جس کا آدھا دھڑ تو مٹی تھی۔ اور آدھا چُوہا بن گیا۔ حکیم فاضل قرشی یا شائد علامہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک بیمار ہم نے دیکھا جس کا کان ماؤف ہو کر بہرہ ہو گیا تھا۔ پھر کان کے نیچے ایک ناسور سا پیدا ہو گیا۔ جو آخر وہ سوراخ سے ہو گئے۔ اس سوراخ کی راہ سے وہ برابر سُن لیتا تھا۔ گویا خدا نے اس کے لئے دوسرا کان عطا کیا۔ ان دونوں طبیبوں میں سے ایک نے اور غالباً قرشی نے خود اپنی اڈی میں سوراخ ہو کر اور پھر اس راہ سے مدت تک براز یعنی پاخانہ آتے رہنا تحریر کیا ہے۔ جالینوس سے سوال کیا گیا۔ کہ کیا انسان آنکھوں کی راہ سے سُن سکتا تھا؟ اُس نے جواب دیا کہ ہنوز تجربہ شہادت نہیں دیتا۔ لیکن ممکن ہے۔ کہ کوئی ایسی مشارکت کانوں ا[ور] ... مشاہدات

کی مخفی ہو۔ جو کسی ہاتھ کے عمل سے یا کسی سماوی موجب کے ظہور پذیر ہو کر اس خاصیت کے ظہور کا موجب ہو جائے۔ کیونکہ ابھی علم استدراکِ خواص مختتم نہیں۔ ڈاکٹر برنی آر نے اپنے سفرنامہ کشمیر میں پیر پنجال کی چڑھائی کی تقریب بیان پر بطور ایک عجیب حکایت کے لکھا ہے۔ جو ترجمہ کتاب مذکور کے صفحہ ۸۰ میں درج ہے۔ کہ ایک جگہ پتھروں کے ہلانے جلانے سے ہم کو ایک بڑا سیاہ بچھو نظر پڑا جس کو ایک نوجوان مغل نے جو میری جان پہچان والوں میں سے تھا۔ اُٹھا کر اپنی مٹھی میں دبا لیا۔ اور پھر میرے نوکر کے اور میرے ہاتھ میں دے دیا۔ مگر اس نے ہم میں سے کسی کو بھی نہ کاٹا۔ اُس نوجوان سوار نے اس کا باعث یہ بیان کیا۔ کہ میں نے اُس پر قرآن کی ایک آیت پڑھ کر پھونک دی ہے۔ اور اسی عمل سے اکثر بچھوؤں کو پکڑ لیتا ہوں۔ اور صاحب کتاب فتوحات و فصوص جو ایک بڑا بھارا نامی فاضل اور علومِ فلسفہ و تصوف میں بڑا ماہر ہے۔ وہ اپنی کتاب فتوحات میں لکھتا ہے۔ کہ ہمارے مکان پر ایک فلسفی اور کسی دوسرے کی خاصیتِ احراق آگ میں کچھ بحث ہو کر اُس دوسرے شخص نے یہ عجیب بات دکھلائی۔ کہ فلسفی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کوئلوں کی آگ میں جو ہمارے سامنے مجمر میں پڑی ہوئی تھی ڈال دیا۔ اور کچھ عرصہ اپنا اور فلسفی کا ہاتھ آگ پر رہنے دیا۔ مگر آگ نے اُن دونوں ہاتھوں میں سے کسی پر ایک ذرا بھی اثر نہ کیا۔ اور راقم اس رسالہ نے ایک درویش کو دیکھا۔ کہ وہ سخت گرمی کے موسم میں یہ آیت قرآنی پڑھ کر وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ زنبور کو پکڑ لیتا تھا۔ اور اُس کی نیش زنی سے بکلی محفوظ رہتا تھا۔ اور خود اس راقم کے تجربہ میں بعض تاثیراتِ عجیبہ آیت قرآنی کی آچکی ہیں جن سے عجائباتِ قدرت حضرت باری جلشانہٗ معلوم ہوتے ہیں۔ غرض یہ عجائب خانہ دنیا کا بے شمار عجائبات سے بھرا ہوا ہے۔ جو دانا اور شریف حکیم گزرے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے چند معدود معلومات پر ہرگز ناز نہیں کیا۔ اور وہ اس بات کو بہت بے شرمی اور گستاخی سمجھتے رہے ہیں۔ کہ اپنے محدود تجربہ کا نام خدا تعالیٰ کا قانونِ قدرت رکھیں۔ مگر اُن کے مقلد بباعث اپنی خامی اور ناتمامی کے سخت درجہ پر قانونِ قدرت کے قائل بلکہ غلام پائے جاتے ہیں۔ سو یہ اسی مثل کا مصداق ہے کہ در پدر شیرینی بسیار است لیکن پسر گرمی دار است۔ بالخصوص اس زمانہ کے نو آموز لڑکوں میں قانونِ قدرت کا خیال واجبی حد سے بڑھ گیا ہے۔ اکثر نامقید اور آوارہ طبع اور ملحدانہ طبیعت کے آدمی اُن کم فہم لڑکوں کو بگاڑتے جاتے ہیں۔ جن کی نادانی اور سادہ لوحی رحم کے لائق ہے یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ اگر خواص قدرتیہ کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ تو اس کا یہ لازمی نتیجہ ہونا چاہئے۔ کہ

دانا اور شریف حکیم اپنے محدود تجربہ کا نام قانون قدرت نہیں رکھتے۔

آئندہ خواص جدید ظہور میں نہ آویں - اور اگر ابھی خاتمہ نہیں ہوا - اور نئے انکشافات اور تازہ معلومات کے کھلنے کی امید ہے - تو پھر کیوں ایک نئی بات کو سُنتے ہی بکری کی طرح انکار میں گردن ہلا دیں - خدا نے ان کو یہ سمجھ نہیں دی - کہ عجائبات الٰہی کا میدان جو رنگا رنگ اور بے انتہا چشموں اور کوؤں اور آبشاروں سے آب پاشی پاوہ نفس ناطقہ انسان کے لئے پڑا ہے - وہ کیونکر تجارب محدودہ کے ظرف تنگ میں سما سکتا ہے - اور اگر ایسا فرض بھی کر لیا جائے - کہ خدا تعالیٰ کی قدرتیں اسی حد تک ختم اور خرچ ہو چکی ہیں - جو ہمیں معلوم ہے - تو پھر اس سے کیونکر خدا تعالیٰ کا اپنی ذات اور اپنی قدرتوں اور اپنی حکمتوں میں بے انتہا ہونا قائم رہ سکتا ہے اس کی غیر محدود حکمتوں اور قدرتوں کو سمجھنے کے لئے یہی ایک تو راہ ہے - کہ ایک ذرہ کے موافق بھی اگر کوئی چیز ہو تو اُس پر اگر تمام انسانی عقلیں قیامت تک غور کریں - تو اُس کے عجائبات کی تہ تک نہیں پہنچ سکتیں - کیا جس نے یہ پُر بہار آسمان جو مہر و ماہ اور ستاروں کے چراغوں سے سج رہا ہے - اور یہ رشک گلزار زمین جو رنگا رنگ مخلوقات سے آباد ہو رہی ہے - بغیر ایک ذرہ مشقت اٹھانے کے صرف اپنے ارادہ سے پیدا کر دیا - اُس کی قدرتوں کا کوئی انتہا پا سکتا ہے اور یہ بات نہایت ظاہر و بدیہی ہے - کہ جب تک عدم و خواص جدیدۃ الظہور کی اس عالم بے ثبات کے ساتھ دم لگی ہوئی ہے - تب تک کوئی دانا اپنے معلومات محدودہ کو قانون قدرت کے نام سے موسوم نہیں کر سکتا - اور خود ہمیں اپنی اس غیر مستقل اور اوباشانہ عادت سے شرمندہ ہونا چاہئے کہ اول ہم کسی بات کے عدم امکان پر ایسا سخت اصرار کریں - کہ گویا خدا تعالیٰ کو اس کی خدائی کے کاموں سے ہی جواب دے دیں - اور پھر اسی بات کا وقوع اور ظہور اور ثبوت دیکھ کر اسی منہ سے یہ کہنا شروع کر دیں - کہ ہاں یہ قانون قدرت میں ہی داخل ہے - ایسے لوگ جن میں فطرتی طور پر مادہ حیا کا کم پایا جاتا ہے - وہ اگر یہ سیرت اختیار رکھیں - تو ہمیں کچھ مضائقہ نہیں لیکن اگر ایک باعزت اور باتہذیب اور بامرتبت جنٹلمین یہ طریقہ متزلزلہ اختیار کرے - جو اسے بیسیوں مرتبہ سخت انکاروں کے بعد اقرار کرنا پڑے تو البتہ یہ افسوس کا مقام ہے بعض کہتے ہیں - کہ اگر ہم اپنے مجربات و مشاہدات کا اعتبار نہ کریں - تو پھر سب علوم ضائع ہو جائیں گے - مگر میں اس کے جواب میں بجز اس دعا کے کہ اے خدا قادر مطلق انکو حقیقت شناسی کی سمجھ بخش - اور کیا کہہ سکتا ہوں - کیا خواص جدیدہ کے پیدا ہونے سے پہلے علوم ضائع ہو جایا کرتے ہیں مثلاً آگ اپنی ہیت محرق ہے - جس کی اس خاصیت کو بارہا ہم آزما چکے ہیں - بلکہ یہ خاصیت ہمارے مجربات و مشاہدات

متواترہ میں سے ہے۔ مگر بایں ہمہ یہ بھی ممکن ہے۔ کہ کوئی ایسی دوا یا روغن پیدا ہو کہ جب وہ کسی عضو یا کسی اَور چیز پر لگایا جائے۔ تو آگ اپنی خاصیت احراق اس پر ظاہر نہ کر سکے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود آگ میں باذنہ تعالیٰ کسی اندرونی یا بیرونی حوادث سے یہ صورت پیدا ہو جائے۔ ایسا ہی یہ بھی ممکنات میں سے ہے۔ کہ کوئی اس قسم کی آگ زمین سے یا آسمان سے پیدا ہو جو اپنے خواص میں اس آگ سے اختلاف رکھتی ہو جیسی نار حجاز جس کی نکلنے کی خبر چھ سو باون برس پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ جو صحیح بخاری اور مسلم میں پانسو برس پہلے ظہور سے مندرج اور شائع ہو چکی تھی۔ غرض صدہا ایسی صورتیں تاثیرات ارضی یا سماوی اور موجبات اندرونی یا بیرونی سے ظہور میں آ سکتی ہیں۔ کہ جو ایک چیز کی خاصیت موجودہ مجربہ میں خلل انداز ہو سکیں۔ اور علوم جدیدہ کا دروازہ جو نہایت وسیع اور غیر متناہی طور پر کھلا ہوا ہے۔ وہ اسی بنا پر تو ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم بے سمجھے سوچے میری بات کو اپنی رائے کی بنیاد قرار دو۔ بلکہ میں کہتا ہوں۔ کہ تم خوب جانچو اور پرکھو اور کھوٹے کھرے میں تمیز کرو۔ اور جو کچھ زمانہ تمہیں دکھلا رہا ہے۔ اُسے اچھی طرح آنکھیں کھول کر دیکھو پھر اگر یہی رائے غالب اور فائق نظر آئے (تو اے ہمارے ملک کے نوجوانوں) اُسے قبول کرو ؎

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند ۔۔۔ جوانانِ سعادت مند پندِ پیرِ دانا را

فلسفیوں سے بڑھ کر اور کسی قوم کی دلی حالت خراب ہوگی

میری رائے میں فلسفیوں سے بڑھ کر اور کسی قوم کی دلی حالت خراب نہ ہوگی۔ خدا میں اور بندہ میں وہ چیز جو بہت جلد جدائی ڈالتی ہے۔ وہ شوخی اور خود بینی اور متکبری ہے۔ سو وہ اس قوم کے اصول کو ایسی لازم پڑی ہوئی ہے۔ کہ گویا انہیں کے حصہ میں آگئی ہے۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی قدرتوں پر حاکمانہ قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور جس کے منہ سے اس کے برخلاف کچھ سنتے ہیں۔ اس کو نہایت تحقیر اور تذلیل کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور افسوس کا مقام یہ ہے کہ نوخیزوں کے عام خیالات اسی طرف بڑھتے جاتے ہیں۔ یہ کسی قوی دلیل کا اثر نہیں۔ بلکہ ہمارے ملک کے لوگوں میں بھیڑ چال چلنے کا بہت سا مادہ موجود ہے جس سے تعلیمیافتہ جماعت بھی مستثنیٰ نہیں۔ سو اس فطرت اور عادت کے جو لوگ ہیں۔ وہ ایک بڑی ڈاڑھی والے کو گڑھے میں پڑا ہوا دیکھ کر فی الفور اس میں کود پڑتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر ان کے ہاتھ میں اور کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ کہ یہ فلاں عقلمند کا قول ہے۔ غرض زہرناک ہوا کے چلنے سے کمزور لوگ بہت جلد ہلاک ہوتے ہیں لیکن ایک روشن دل آدمی جس کی فطرت میں خدا تعالیٰ نے وسعتِ علمی کی استعداد

رکھی ہوئی ہے۔ وہ ایسے خیالات کو کہ خدائتعالیٰ کے اسرار پر احاطہ کرنا کسی انسان کا کام ہے۔ بغائت درجہ عمل و ایمان سے دور سمجھتا ہے۔ واقعی جتنا انسان عجائبات غیر متناہیہ حضرت باری جل شانہ' پر اطلاع پاتا ہے۔ اتنا ہی غرور اور گھمنڈ اس کا ٹوٹ جاتا ہے۔ اور نئے طالب علموں کی شوخیاں اور بے راہیاں اس کے دل و دماغ سے جاتی رہتی ہیں۔ اور مدت دراز تک ٹھوکریں کھانے کی وجہ سے ابتدائی حالت کے تہ و بالا ہوئے ہوئے خیالات کچھ کچھ رو براہ ہوتے جاتے ہیں۔ جیسے ایک بڑے فلاسفر کا قول ہے۔ کہ مَیں نے علم اور تجربے میں ترقیات کیں۔ یہاں تک کہ آخری علم اور تجربہ یہ تھا۔ کہ مجھ میں کچھ علم اور تجربہ نہیں۔ سچ ہے دریائے غیر متناہی علم و قدرت باری جل شانہ' کے آگے ذرہ ناچیز انسان کیا حقیقت ہے کہ دم مارے اور اس کا علم اور تجربہ کیا شئے ہے۔ تا اس پر ناز کرے۔ سبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا کیا عمدہ اور صاف اور پاک اور خدائتعالیٰ کی عظمت اور بزرگی کے موافق یہ عقیدہ ہے کہ جو کچھ اُس سے ہونا ثابت ہے وہ قبول کیا جائے۔ ٥٦
اور جو کچھ آئندہ ثابت ہو۔ اُس کے قبول کرنے کے لئے آمادہ رہیں۔ اور بجز امور منافی صفات کمالیہ حضرت باری عزاسمہٗ سب کاموں پر اس کو قادر سمجھا جائے۔ اور امکانی طور پر سب ممکنات قدرت پر ایمان لایا جائے۔ یہی طریق اہل حق ہے جس سے خدائتعالیٰ کی عظمت و کبریائی قبول کی جاتی ہے اور ایمانی صورت بھی محفوظ رہتی ہے جس پر ثواب پانے کا تمام مدار ہے۔ نہ یہ کہ چند محدود باتیں اُس غیر محدود کے گلے کا ہار بنائی جائیں۔ اور یہ خیال کیا جائے۔ کہ گویا اُس نے اپنے ازلی ابدی زمانہ میں ہمیشہ اسی قدر قدرتوں میں اپنی جمیع طاقتوں کو محدود کر رکھا ہے۔ یا اسی حد پر کسی قاسر سے مجبور ہو رہا ہے۔ اگر خدائتعالیٰ ایسا ہی محدود القدرت ہوتا تو اس کے بندوں کے لئے بڑے ماتم اور مصیبت کی جگہ تھی۔ وہ عظیم الشان قدرتوں والا اپنی ذات و صفات میں لایدرک و لا انتہا ہے کون جانتا ہے۔ کہ اس نے پہلے کیا کیا کام کیا۔ اور آئندہ کیا کیا کرے گا۔ تعالی اللّٰہ علواً کبیرا۔

ایک حکیم کا قول ہے۔ کہ اس سے بڑھ کر کوئی بھی گمراہی نہیں کہ انسان اپنی عقل کے پیمانہ سے باری عزاسمہٗ کے ملک کو ناپنا چاہے۔ یہ بیانات بہت صاف ہیں۔ جن کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں لیکن بڑے مشکل کی یہ بات ہے۔ کہ دُنیا پرست آدمی جس کی نظر دُنیا کی مدح و ذم پر لگی ہوئی ہے۔ وہ جب ایک رائے اپنی قائم کرکے مشہور کر دیتا ہے۔ تو پھر اُس رائے کا چھوڑنا خواہ کیسی ہی وجوہات بینہ مخالف رائے نکل آویں، اس پر بہت مشکل ہو جاتا ہے اور پھر جب ایسے غلط خیالات میں چند نامی عقلاء مُبتلا ہو جائیں۔ تو ادنےٰ استعداد کے آدمی اُن خیالات

کی تقلید کرنا اور بے سوچے سمجھے اس پر قدم مارنا اپنی عقلمندی ثابت کرنے کے لئے ایک ذریعہ سمجھ لیتے ہیں فلسفی تقلید ہمیشہ اسی طرح پھیلتی رہی ہے ۔ کم استعداد لوگ جو بچوں کی سی کمزوری رکھتے ہیں ۔ وہ بڑے بابا کا منہ دیکھ کر وہی باتیں کہنے لگتے ہیں ۔ جو اُس بزرگ کے منہ سے نکلیں گو وہ واقعی ہوں یا غیر واقعی اور صحیح ہوں یا غیر صحیح ۔ ان کو اپنی سمجھ تو ہوتی ہی نہیں ۔ ناچار وہ کسی نامی صیاد کے دام میں پھنس جاتے ہیں ۔ واقعی جتنا انسان تقلید سے نفرت کر کے بھاگتا ہے ۔ اتنا ہی تقلید میں بار بار پڑتا ہے ٭

اس اعتراض کا جواب کہ اگر سب امور قوانین ازلیہ ابدیہ میں داخل ہیں ۔ تو پھر معجزات کیا شے ہیں ۔

اس جگہ اس بات کا جواب دینا بھی مناسب ہے ۔ کہ اگر سب امور قوانین ازلیہ و ابدیہ میں داخل ہیں یعنی پہلے ہی سے بندھے ہوئے چلے آتے ہیں ۔ تو پھر معجزات کیا شئے ہیں سو جاننا چاہیئے ۔ کہ بیشک یہ تو سچ ہے ۔ کہ قوانین ازلیہ و ابدیہ سے یا یوں کہو کہ خدا تعالیٰ کے ازلی ارادہ اور اس کے قضاو قدر سے کوئی چیز باہر نہیں ۔ گو ہم اس پر اطلاع پاویں یا نہ پاویں جف القلم بما ھو کائن ۔ مگر اُسی عادت الٰہیہ نے جو دوسرے لفظوں میں قانونِ قدرت سے موسوم ہو سکتی ہے بعض چیزوں کے ظہور کو بعض کے ساتھ مشروط کر رکھا ہے پس جو امور ازلی ابدی ارادہ نے مقدسوں کی دعاؤں اور ان کی برکاتِ انفاس اور ان کی توجہ اور ان کی عقد ہمت اور اُن کے اقبال ایام سے وابستہ کر رکھے ہیں ۔ اور ان کے تضرعات اور ابتہالات پر مترتب کی جاتی ہیں ۔ وہ امور جب انہیں شرائط اور انہیں وسائل سے ظہور میں آتے ہیں ۔ تب ان امور کو اُس خاص حالت میں معجزہ یا کرامت یا نشان یا خارقِ عادت کے نام سے موسوم کرتے ہیں ۔ اور اس جگہ خارقِ عادت کے لفظ سے اس شبہ میں نہیں پڑنا چاہیئے ۔ کہ وہ کونسا امر ہے ۔ جو عادت الٰہیہ سے باہر ہے کیونکہ اس محل میں خارقِ عادت کے قول سے ایک مفہوم اضافی مراد ہے یعنی یوں تو عاداتِ ازلیہ ابدیہ خدائے کریم جل شانہٗ سے کوئی چیز باہر نہیں ۔ مگر اس کی عادات جو بنی آدم سے تعلق رکھتی ہیں ۔ دو طور کی ہیں ۔ ایک عاداتِ عامہ جو روپوش اسباب ہو کر سب پر مؤثر ہوتی ہیں ۔ دوسری عاداتِ خاصہ جو بتوسطِ اسباب اور بلا توسط اسباب خاص اُن لوگوں سے تعلق رکھتی ہیں ۔ جو اس کی محبت اور رضا میں کھوئے جاتے ہیں ۔ یعنی جب انسان بکلّی خدا تعالیٰ کی طرف ۔ انقطاع کر کے اپنی عاداتِ بشریہ کو استرضاءِ حق کے لئے تبدیل کر دیتا ہے ۔ تو خدا تعالیٰ اُس کی اس حالتِ مبدلہ کے موافق اُس کے ساتھ ایک خاص معاملہ کرتا ہے ۔ جو دوسروں سے نہیں کرتا ۔ یہ خاص معاملہ نسبتی طور پر گویا خارقِ عادت ہے جس کی حقیقت انہیں پر کھلتی ہے ۔ جو عنایتِ الٰہی سے اُس طرف

خارقِ عادت سے کیا مراد ہے؟

کھینچے جاتے ہیں۔ جب انسان اپنی بشری عادتوں کو جو اُس میں اور اُس کے رب میں حائل ہیں۔ شوق توصل الٰہی میں توڑتا ہے۔ تو خدائے تعالیٰ بھی اپنی عام عادتوں کو اُس کے لئے توڑ دیتا ہے۔ یہ توڑنا بھی عاداتِ ازلیہ میں سے ہے۔ کوئی امرِ مستحدث نہیں ہے۔ جو مورد اعتراض ہو سکے گویا قدیم قانون حضرت احدیت جل شانہٗ اسی طور پر چلا آتا ہے۔ کہ جیسے جیسے انسان کا بھروسہ خدا تعالیٰ پر بڑھتا ہے۔ ایسا ہی اس طرف سے الوہیت کی قدرتوں کے چمکار اور اس کی کرنیں زیادہ سے زیادہ اس پر پڑتی ہیں۔ اور جیسے جیسے اس طرف سے ایک پاک اور کامل تعلق ہوتا جاتا ہے۔ ایسا ہی اس طرف سے بھی کامل اور طیب برکتیں ظاہر و باطن پر اُترتی ہیں۔ اور جیسی جیسی محبت الٰہی کی موجیں عاشق صادق کے دل سے اُٹھتی ہیں۔ ایسا ہی اس طرف سے بھی ایک نہایت صاف اور شفاف دریا محبت کا زور شور سے چھوٹتا ہے۔ اور دائرہ کی طرح اُس کو اپنے اندر گھیر لیتا ہے۔ اور اپنے الٰہی زور سے کھینچ کر کہیں کا کہیں پہنچا دیتا ہے۔ اور جیسا یہ امر صاف ہے۔ ویسا ہی ہمارے نیچر کے مطابق بھی ہے۔ ہم تم بھی جیسے جیسے دوستی اور محبت اور اخلاص میں بڑھتے ہیں۔ تو اس دو طرفہ صفائی محبت کی یہی نشانی ہوا کرتی ہے۔ کہ دونوں طرف سے آثار خلوص و اتحاد و یگانگت کے ظاہر ہوں۔ نہ صرف ایک طرف سے سو ہر یک دوست اپنے دوست کے ساتھ عوام الناس کی نسبت معاملہ خارق عادت رکھتا ہے۔ جب انسان اپنی پہلی زندگی کی نسبت ایک ایسی نئی زندگی حاصل کرتا ہے جس کو نسبتی طور پر خارق عادت کہہ سکتے ہیں۔ تو اسی دم سے وہی قدیم خدا اپنی تجلیاتِ نادرہ کے رو سے ایک نیا خدا اُس کے لئے ہو جاتا ہے۔ اور وہ عادتیں اُس کے ساتھ ظہور میں لاتا ہے۔ جو پہلی زندگی کی حالت میں کبھی خیال میں بھی نہیں آئی تھیں۔ خوارق کی کل جس سے عجائبات قدرتیہ حرکت میں آتی ہیں۔ انسان کی تبدیل یافتہ روح ہے۔ اور وہ سچی تبدیلی یہاں تک آثار نمایاں دکھاتی ہے۔ کہ بعض اوقات ایک ایسے طور سے شور محبت دل پر استیلا پکڑتا ہے۔ اور عشق الٰہی کے پُرزور جذبات اور صدق اور یقین کی سخت کششیں ایسے مقام پر انسان کو پہنچا دیتی ہیں۔ کہ اُس عجیب حالت میں اگر وہ آگ میں ڈالا جائے۔ تو آگ اس پر کچھ اثر نہیں کر سکتی۔ اگر وہ شیروں اور بھیڑیوں اور ریچھوں کے آگے پھینک دیا جائے۔ تو وہ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ کیونکہ اُس وقت وہ صدق اور عشق کے کامل اور قوی تجلیات سے بشریت کے خواص کو پھاڑ کر کچھ اَور ہو جاتا ہے اور جس طرح لوہے کے ظاہر و باطن پر آگ مستولی ہو کر اس کو اپنے رنگ میں لے آتی ہے۔

خوارق کی کل انسان کی تبدیل یافتہ روح ہے

اسی طرح یہ بھی آتش محبتِ الٰہی کے ایک سخت استیلا سے کچھ کچھ اس طاقتِ عظمیٰ کے خواص ظاہر کرنے لگتا ہے۔ جو اس پر محیط ہو گئی ہے۔ سو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ کہ عبودیت پر ربوبیت کا کامل اثر پڑنے سے اس سے ایسے خوارق ظاہر ہوں۔ بلکہ تعجب تو یہ ہے۔ کہ ایسے اثر کے بعد بھی عبودیت کی معمولی حالت میں کچھ فرق پیدا نہ ہو۔ کیونکہ اگر لوہا آگ میں تپانے سے کسی قدر خاصہ آگ کا ظاہر کرنے لگے۔ تو یہ امر سراسر مطابق قانونِ قدرت ہے۔ لیکن اگر سخت تپانے کے بعد بھی اُسی پہلی حالت پر رہے۔ اور کوئی خاصیت جدید اس میں پیدا نہ ہو۔ تو یہ عند العقل صریح باطل ہے۔ سو فلاسفی تجارب بھی اُن خوارق کے ضروری ہونے پر شہادت دے رہے ہیں۔ یہ افسانہ نہیں۔ اس پر عارفانہ روح لے کر غور کرو۔ کیا بدنصیب وہ شخص ہے جو اس کو افسانہ سمجھے اور غور نہ کرے۔ اِس حالتِ خارقہ کو عارف کا دل جو مبدّل ہے۔ خوب شناخت کرتا ہے۔ دُنیا اس حالت سے غافل ہے۔ اور انکار کرتی ہے۔ پر وہ جو اس مرتبہ تک پہنچا ہے وہ اس یقینی صداقت کے تصور سے مسرور ہیں ہے۔ یہ تجلّیاتِ الٰہیہ کا ایک دقیق بھید ہے۔ اور اعلیٰ درجہ کا رازِ معرفت ہے۔ اور انسانی روح کے تعلقات جو درپردہ اپنے رب کریم سے نہایت نازک اور لا یدرک طور پر واقعہ ہیں۔ وہ اسی نقطہ پر آکر کھلتے ہیں۔ اور اسی نقطہ پر ایک طرفۃ العین کے لئے بندہ کے ہاتھ خدا کے ہاتھ اور اُسکی آنکھیں خدا کی آنکھیں اسکی زبان خدا کی زبان کہلاتی ہے۔ اور ربوبیت کی چادر ذرّہ عبودیت پر پڑ کر اُس کو اپنے انوار میں متواری اور اپنی پُر زور موجوں کے نیچے گم کر دیتی ہے۔ فلسفیوں کی پُرغرور روحیں اس انتہائی مرتبہ کے دریافت کرنے سے بے نصیب گئیں۔ اور خدائے عزّوجل نے دل کے غریب اور سادہ لوگوں کو یہ حالتیں دکھا دیں۔ اور ان پر وارد کر دیں۔ وذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء اب خلاصہ کلام یہ کہ خدا تعالیٰ کی ذات میں بہت سی عجائب رحمتیں اور بہت سی نادر وفاداریاں ہیں مگر کھلے کھُلے طور پر انہیں پر ظاہر ہوتی ہیں۔ کہ جو لوگ اُسی کے ہو جاتے ہیں۔ اور اُسی کے ہو رہتے ہیں۔ اور اس ایک کے پانے کے لئے بہتوں کی جدائی اختیار کرتے ہیں۔ خاک میں گرتے ہیں۔ تا وہ پکڑ لے نام و ننگ سب کھو دیتے ہیں تا وہ راضی ہو جائے۔ ربنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وادخلنا فی عبادک المخلصین آمین

جنس نام و ننگ و عزّت راز داماں ریختیم
یار آمیزد مگر با ما بہ خاک آمیختیم
دل بدادیم از کف و جان در رہے انداختیم
از پئے وصلِ نگارے حیلہ ہا انگیختیم

اب ہم وہ مباحثہ مذہبی جو مابین ہمارے اور لالہ مرلیدھر صاحب ڈرائنگ ماسٹر کے بالمواجہ وقوع میں آیا - ذیل میں درج کرتے ہیں - وہ یہ ہے :-

لالہ مرلیدھر صاحب کا اعتراض معجزہ شق القمر پر

اعتراض از طرف لالہ مرلیدھر صاحب ڈرائنگ ماسٹر

مَیں نے اس وقت چھ سوال پوچھنے ہیں جن میں سے پہلا یہ ہے کہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے - کہ نبی معجزے دکھلاتے رہے ہیں - چنانچہ حضرت محمد صاحب نے چاند کے دو ٹکڑے کرکے دونوں آستینوں سے نکال دیا - سو یہ امر قانونِ قدرت کے برخلاف ہے - کہ ایک شئے ہزاروں میل لمبی چوڑی یا ہزاروں میل قطر والی چھ انچ یا ایک فٹ کے سوراخ سے نکل جاوے - اور چاند جو ماہواری گردش زمین کے گرد کرتا ہے - وہ اپنی گردش کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر ہو جاوے جس سے انتظامِ عالم میں ہی فرق آجائے - اور پھر علاوہ اس کے سوائے دو چار شخصوں کے کوئی نہ دیکھے کیونکہ کسی ملک میں مثلاً ہندوستان - چین - برہما وغیرہ کی تاریخوں میں اس کا کچھ ذکر نہیں پایا جاتا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے - کہ یہ باتیں بالکل بناوٹی ہیں - اگر اصلی ہیں - تو ان کا کیا ثبوت ہے ؟ مرلیدھر

حضرت اقدس کا جواب -

جواب از مؤلفِ رسالہ ہذا -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماسٹر صاحب نے جو معجزہ شق القمر پر اعتراض کیا ہے - کہ شق قمر ہونا خلافِ عقل ہے - اور دوسرے یہ کہ آستین میں سے چاند کا دو ٹکڑے ہو کر نکل جانا صریح عقل کے برخلاف ہے اسکے جواب میں واضح ہو کہ یہ اعتراض کہ کیونکر چاند دو ٹکڑے ہو کر آستین میں سے نکل گیا تھا - یہ سراسر بے بنیاد اور باطل ہے - کیونکہ ہم لوگوں کا ہرگز یہ اعتقاد نہیں ہے - کہ چاند دو ٹکڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آستین میں سے نکلا تھا - اور نہ یہ ذکر قرآن شریف میں یا حدیث صحیح میں ہے اور اگر کسی جگہ قرآن یا حدیث میں ایسا ذکر آیا ہے - تو وہ پیش کرنا چاہیئے - یہ ایسی ہی بات ہے کہ جیسے کوئی آریہ صاحبوں پر یہ اعتراض کرے - کہ آپ کے یہاں لکھا ہے - کہ مہادیو جی کی لٹوں سے گنگا نکلی ہے - پس جس اعتراض کی ہمارے قرآن یا حدیث میں کچھ بھی اصلیت نہیں - اُس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے - تو بس یہی کہ ماسٹر صاحب کو اصول اور کتب معتبرہ اسلام سے کچھ بھی واقفیت نہیں - بھلا اگر یہ اعتراض ماسٹر صاحب کا کسی اصل صحیح پر مبنی ہے - تو لازم ہے کہ

چاند دو ٹکڑے ہو کر آنحضرت صلعم کی آستین سے نہیں نکلا

ماسٹر صاحب اسی جلسہ میں وہ آیت قرآن شریف پیش کریں جس میں ایسا مضمون درج ہے۔ یا اگر آیت قرآن نہ ہو تو کوئی حدیث صحیح ہی پیش کریں جس میں ایسا کچھ بیان کیا گیا ہو اور اگر بیان نہ کر سکیں۔ تو ماسٹر صاحب کو ایسا اعتراض کرنے سے نادم ہونا چاہئے۔ کیونکہ منصب بحث ایسے شخص کے لئے زیبا ہے۔ جو فریق ثانی کے مذہب سے کچھ واقفیت رکھتا ہو۔ باقی رہا یہ سوال کہ شق القمر ماسٹر صاحب کے زعم میں خلاف عقل ہے جس سے انتظام ملکی میں خلل پڑتا ہے۔ یہ ماسٹر صاحب کا خیال سراسر قلت تدبر سے ناشی ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ جل شانہ جو کام صرف قدرت نمائی کے طور پر کرتا ہے۔ وہ کام سراسر قدرت کاملہ کی ہی وجہ سے ہوتا ہے۔ نہ قدرت ناقصہ کی وجہ سے یعنی جس ذات قادر مطلق کو یہ اختیار اور قدرت حاصل ہے کہ چاند کو دو ٹکڑے کر سکے۔ اس کو یہ بھی تو قدرت حاصل ہے۔ کہ ایسے پُر حکمت طور سے یہ فعل ظہور میں لاوے کہ اُس کے انتظام میں بھی کوئی خلل عائد نہ ہو۔ اسی وجہ سے تو وہ سرب شکتیمان اور قادر مطلق کہلاتا ہے۔ اور اگر وہ قادر مطلق نہ ہوتا۔ تو اس کا دنیا میں کوئی کام نہ چل سکتا ہاں یہ شناعت عقلی آریوں کے اکثر عقاید میں جابجا پائی جاتی ہے جس سے ایک طرف تو اُن کے اعتقادات سراسر خلاف عقل معلوم ہوتے ہیں۔ اور دوسری طرف خلاف قدرت و عظمت الٰہی بھی۔ جیسے روحوں اور اجزاء صغار عالم کا غیر مخلوق اور قدیم اور اناوی ہونا اصول آریہ سماج کا ہے۔ اور یہ اصول صریح خلاف عقل ہے۔ اگر ایسا ہو تو پرمیشر کی طرح ہر ایک چیز واجب الوجود ٹھہر جاتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے وجود پر کوئی دلیل قائم نہیں رہتی۔ بلکہ کاروبار دین کا سب کا سب ابتر اور خلل پذیر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر ہم سب کے سب خدا تعالیٰ کی طرح غیر مخلوق اور اناوی ہیں۔ تو پھر خدا تعالیٰ کا ہم پر کونسا حق ہے۔ اور کیوں وہ ہم سے اپنی عبادت اور پرستش اور شکر گزاری چاہتا ہے۔ اور کیوں گناہ کرنے سے ہم کو سزا دینے کو تیار ہوتا ہے۔ اور جس حالت میں ہماری روحانی بینائی اور روحانی تمام قوتیں خود بخود قدیم سے ہیں۔ تو پھر ہم کو نانی قوتوں کے پیدا ہونے کے لئے کیوں پرمیشر کی حاجت ٹھہری۔ غرض خلاف عقل بات اگر تلاش کرنی ہو۔ تو اس سے بڑھ کر کوئی اور بات نہیں۔ جو خدا تعالیٰ کو اوّل اپنا خدا کہہ کر پھر اُس کو خدائی کے کاموں سے الگ رکھا جاوے۔ لیکن جو کام خدا تعالیٰ کا صرف قدرت سے متعلق ہے۔ اس پر وہ شخص اعتراض کر سکتا ہے۔ کہ اول خدا تعالیٰ کی تمام قدرتوں پر اُس نے احاطہ کر لیا ہو۔ اور اس جگہ یہ بھی واضح رہے۔ کہ مسئلہ شق القمر ایک تاریخی واقعہ ہے۔ جو قرآن شریف میں درج ہے۔ اور

ظاہر ہے۔ کہ قرآن شریف ایک ایسی کتاب ہے۔ جو آیت آیت اس کی بر وقت نزول ہزاروں مسلمانوں اور منکروں کو سنائی جاتی تھی۔ اور اسی کی تبلیغ ہوتی تھی۔ اور صدہا اس کے حافظ تھے۔ مسلمان لوگ نماز اور خارج نماز میں اس کو پڑھتے تھے۔ پس جس حالت میں صریح قرآن شریف میں وارد ہوا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور جب کافروں نے یہ نشان دیکھا۔ تو کہا کہ جادو ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اقتربت الساعۃ وانشق القمر وان یروا اٰیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر تو اس صورت میں اُس وقت کے منکرین پر لازم تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر جاتے اور کہتے کہ آپ نے کب اور کس وقت چاند کو دو ٹکڑے کیا۔ اور کب اس کو ہم نے دیکھا۔ لیکن جس حالت میں بعد مشہور اور شائع ہونے اس آیت کے سب مخالفین چُپ رہے۔ اور کسی نے دم بھی نہ مارا۔ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ انھوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ضرور دیکھا تھا۔ تب ہی تو ان کو چون و چرا کرنے کی گنجائش نہ رہی۔ غرض یہ بات بہت صاف اور ایک راست طبع محقق کے لئے بہت فائدہ مند ہے۔ کہ قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی جھوٹا معجزہ بحوالہ اپنے مخالفوں کے لکھ نہیں سکتے تھے۔ اور اگر کچھ جھوٹ لکھتے۔ تو اُن کے مخالف ہمعصر اور ہم شہر اس زمانہ کے اُسے کب پیش جانے دیتے۔ علاوہ اس کے سوچنا چاہئے کہ وہ مسلمان لوگ جن کو یہ آیت سنائی گئی۔ اور سنائی جاتی تھی وہ بھی تو ہزاروں آدمی تھے۔ اور ہر یک شخص اپنے دل سے یہ محکم گواہی پاتا ہے۔ کہ اگر کسی پیر یا مرشد یا پیغمبر سے کوئی امر محض دروغ اور افترا ظہور میں آوے۔ تو سارا اعتقاد ٹوٹ جاتا ہے۔ اور ایسا شخص ہر ایک شخص کی نظر میں بُرا معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس صورت میں صاف ظاہر ہے۔ کہ اگر یہ معجزہ ظہور میں نہیں آیا تھا۔ اور افترا محض تھا۔ تو چاہئے تھا۔ کہ ہزارہا مسلمان جو آنحضرت پر ایمان لائے تھے۔ ایسے کذب صریح کو دیکھ کر یک لخت سارے کے سارے مرتد ہو جاتے لیکن ظاہر ہے کہ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ظہور میں نہیں آئی۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ معجزہ شق القمر ضرور وقوع میں آیا تھا۔ ہر یک منصف اپنے دل میں سوچ کر دیکھ لے۔ کہ کیا تاریخی طور پر یہ ثبوت کافی نہیں ہے کہ معجزہ شق القمر اسی زمانہ میں بحوالہ شہادت مخالفین قرآن شریف میں لکھا گیا۔ اور شائع کیا گیا اور پھر سب مخالف اس مضمون کو سُن کر چپ رہے۔ کسی نے تحریر یا تقریر سے اس کا رد نہ کیا۔ اور ہزاروں مسلمان اُس زمانہ کی رویت کی گواہی دیتے رہے۔ اور یہ بات ہم مکرر لکھنا چاہتے ہیں۔ کہ قدرت اللہ پر اعتراض کرنا خود ایک وجہ سے انکار خدا تعالیٰ ہے۔ کیونکہ اگر خدا تعالیٰ

کی قدرت مطلقہ کو نہ مانا جائے۔ اور حسب اصول تناسخ آریہ صاحبان یہ اعتقاد رکھا جائے۔ کہ جب
تک زید نہ مرے۔ بکر ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں تمام خدائی اس کی باطل ہو جاتی ہے
بلکہ اعتقاد صحیح اور حق یہی ہے۔ کہ پرمیشر کو سرب شکتی مان اور قادر مطلق تسلیم کیا جائے۔ اور اپنے
ناقص ذہن اور ناتمام تجربہ کو قدرت کے بے انتہا اسرار کا محک امتحان نہ بنایا جائے۔ ورنہ ہمہ دانی
کے دعویٰ پر اس قدر اعتراض وارد ہونگے۔ اور ایسی خجالتیں اٹھانی پڑینگی۔ کہ جن کا کچھ ٹھکانا نہیں
انسان کا قاعدہ ہے کہ جو بات اپنی عقل سے بلند تر دیکھتا ہے۔ اُس کو خلاف عقل سمجھ لیتا ہے۔ عقل سے بالاتر
حالانکہ بلند تر از عقل ہونا شئے دیگر ہے۔ اور خلاف عقل ہونا شئے دیگر۔ بھلا میں ماسٹر صاحب سے اور خلاف عقل میں
پوچھتا ہوں۔ کہ خدائے تعالیٰ اس بات پر قادر تھا یا نہیں۔ کہ جس قدر اب جرم قمری مشہود و محسوس فرق ہے۔
ہے۔ اس سے آدھے سے بھی کام لے سکتا۔ اور اگر قادر نہیں۔ تو اس پر عقلی دلیل جو عند العقل
تسلیم ہو سکے۔ کونسی ہے اور کس کتاب میں لکھی ہے۔ تو جس حالت میں معجزہ شق القمر میں یہ بات
ماخوذ ہے۔ کہ ایک ٹکڑا اپنی حالت معہودہ پر رہا۔ اور ایک اس سے الگ ہو گیا۔ وہ بھی ایک
یا آدھ منٹ تک یا اس سے بھی کم۔ تو اس میں کونسا استبعاد عقلی ہے۔ اور بفرض محال اگر
استبعاد عقلی بھی ہو۔ تو ہم کہتے ہیں۔ کہ عقل ناقص انسان کی ہر ایک کام ربانی تک کب پہنچ سکتی
ہے۔ بھلا آپ ہی بتلا دیں کہ یہ مسئلہ جو آپ کے اصول کے رو سے ستیارتھ پرکاش میں پنڈت
دیانند صاحب نے لکھا ہے۔ کہ روح انسانی اوس کی طرح کسی گھاس پات وغیرہ پر گرتی ہے
پھر اس کو کوئی عورت کھا لیتی ہے۔ اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ کس قدر عقل کے برخلاف
اور تمام اطبّا اور فلاسفہ کی تحقیق کے مخالف[1] ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ بچہ صرف عورت ہی کی منی
سے پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ عورت اور مرد دونوں کی منی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کے اخلاق پنڈت دیانند کا فلسفہ روح خلاف عقل ہے
روحانی بھی صرف ماں سے مشابہت نہیں رکھتے۔ بلکہ ماں اور باپ دونوں سے مشابہت

ل ماسٹر مرلیدھر صاحب ڈرائنگ ماسٹر نے چودھویں مارچ ١٨٨٦ء کے جلسۂ بحث میں جس میں راقم رسالہ ہذا کا حق تھا۔ کہ
پہلے اپنا اعتراض پیش کرتے وقت کو ناحق ضائع کرنے کے لئے گیارہ مارچ ١٨٨٦ء کے بحث کے متعلق ایک فضول
جھگڑا شروع کر دیا اور چند سطریں مندرجہ ذیل لکھ کر اور ان پر اپنے دستخط کر کے جلسہ عام میں ایک بڑے جوش سے
کھڑے ہو کر سنائیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔
آج پہلے اس کے کہ میں کوئی نیا سوال پیش کروں۔ مرزا صاحب کی پہلے روز کی تقریر میں سے وہ حصہ
جو انہوں نے فرمایا ہے۔ کہ ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے۔ کہ روحیں اوس وغیرہ پر پھیلتی ہیں۔ اور

رکھتے ہیں۔ تو پھر یہ اعتقاد کس قدر نامعقول اور خلافِ عقل ہے۔ کہ گویا ایک عورت کی غذا میں ہی وہ روح مخلوط ہو کر کھائی جاتی ہے۔ اور مرد اُس سے محروم رہ جاتا ہے۔ پھر سوچنا چاہیئے کہ کیا روح کوئی جسم کی قسم ہے۔ کہ جسم سے مخلوط ہو جاتی ہے۔ دیکھو کس قدر یہ اصول بعید از عقل ہے۔ ماسوا اس کے زمین کے نیچے سے ہزاروں جانور زندہ نکلتے ہیں۔ اور بہت سی چیزوں

بقیہ حاشیہ:

عورتیں کھاتی ہیں۔ تو آدمی پیدا ہوتے ہیں پیش کرتا ہوں۔ یہ ستیارتھ پرکاش میں کسی جگہ نہیں اگر ہے۔ تو ستیارتھ پرکاش میں دیتا ہوں۔ اس میں سے نکال کر دکھلا دیں۔ تاکہ سچ اور جھوٹ کی نرتی لوگ کر لیں۔ ۱۴۔ مارچ ۱۸۸۶ء - مرلیدھر ڈرائنگ ماسٹر

اس کے جواب میں اول تو مَیں نے یہ کہا کہ پہلے روز کی تقریر اسی روز کے ساتھ ختم ہوئی۔ آپ پر لازم تھا۔ کہ اسی روز جھگڑا شروع کرتے۔ اب کسی طرح اس جلسۂ بحث میں تحریک کے لائق نہیں۔ بلکہ از قبیل مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید ہے۔ اگر آپ کو چار روز کی بات اب جا کر سوجھی ہے۔ تو آپ بر وقت شائع کرنے اپنے مضمون کے بطور نوٹ لکھ دیں۔ کہ یہ حوالہ غلط ہے۔ پھر دیکھا جائیگا۔ اور مَیں اب بھی کتاب نکال کر دکھلا دیتا لیکن مجھے پتہ یاد نہیں۔ اور نہ مَیں ناگری پڑھ سکتا ہوں۔ یہ سب عذرات سن کر ماسٹر صاحب نے سراسر مکابرہ کی راہ سے اسی پر ضد کرنا شروع کیا۔ کہ جب تک اس کا تصفیہ نہ ہوئے دوسری گفتگو نہیں کر سکتے۔ اس پر مولوی الٰہی بخش صاحب وکیل نے بھی انہیں بہت سمجھایا۔ کہ اس موقع پر گزشتہ قصوں کو لے بیٹھنا بے جا ہے۔ آج کے دن آج ہی کی بحث ہونی چاہیئے۔ بھلا اتنی بڑی کتاب جس کا پتہ و مقام خاص یاد نہیں۔ اگر کسی سے پڑھائی بھی جائے تو کیا دو چار روز سے کم میں ختم ہو سکتی ہے۔ اس کے جواب میں لالہ صاحب نے تُند ہو کر ان کو فرمایا۔ کہ کیا آپ عدالتوں میں ایسی ہی وکالتیں کیا کرتے ہیں۔ یہ رعائت کی بات ہے۔ غرض جب دیکھا گیا۔ کہ خدا نے ماسٹر صاحب کی کچھ ایسی ہی سمجھ رکھی ہے۔ کہ وہ بہر حال اپنے اُلٹے کو سیدھا اور دوسرے کے سیدھے کو اُلٹا خیال کرتے ہیں۔ تو قصّہ کوتاہ کرنے کی غرض سے ان سے کہا گیا۔ کہ جب ہم یہ بحث شائع کریں گے۔ تو اس مقام پر ستیارتھ پرکاش کا حوالہ بھی ضرور لکھ دیں گے۔ چنانچہ ماسٹر صاحب نے جب تک یہ اقرار تحریری نہ لکھا لیا۔ تب تک صبر نہ آیا۔ سو آج وہ روز ہے۔ جو ہم اس وعدہ کو پورا کریں۔ اور دیکھیں کہ ماسٹر صاحب کس قدر انسانی عزت کو کام میں لا کر شرمندہ اور منفعل ہوتے ہیں ؛

لیکن اول اس بات کا کھول دینا ازبس ضروری ہے۔ کہ جس حالت میں ستیارتھ پرکاش میں وہ مضمون جس کا حوالہ دیا گیا تھا صاف درج تھا۔ تو پھر کیوں ماسٹر صاحب نے اس کے اندراج سے صاف انکار کیا۔ اور اسکے مطالبہ میں اسقدر بیجا ضد کی۔ کہ بہت سے وقت کو کھویا جس سے ہمارا حق بالمقابل اعتراض کرنے کا بہت

میں سینکڑوں برسوں کے بعد کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ ان چیزوں میں کہاں سے اور کس راہ سے روح آجاتی ہے۔ غرض اگر آپ یہ دعویٰ نہ کرتے۔ کہ جو امر بظاہر برتر از عقل معلوم ہو۔ وہ خدا تعالیٰ کی قدرت سے بعید ہے۔ تو ہمیں کچھ ضرور نہ تھا۔ کہ آپ پر اعتراض کرتے۔ لیکن اب تو ماسٹر صاحب آپ پر فرض ہو گیا۔ کہ اوّل اپنے گھر کی باتوں کو (جو صریح خلافِ عقل معلوم ہوتی

ہیں) سنا شائع ہوا۔ اس کا سبب تین میں سے ایک ہے۔ یا تو یہ کہ ابھی ماسٹر صاحب کو اپنے مذہب کی کتابوں کی کچھ خبر ہی نہیں صرف دیکھا دیکھی بحث کرنے کا شوق ہو گیا ہے۔ یا دوسرا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ خبر تو تھی لیکن خیانت کی راہ سے دوسروں کے بہکانے اور دھوکا دینے کے لئے ایک امر حق کو چھپانا چاہا ہے۔ یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس قسم کے جھوٹے اور لغو مسائل کا حتی الوسع لوگوں کے روبرو ظاہر نہ کرنا پنڈت دیانند کی طرف سے بطور وصیت فہمائش ہے۔ جس پر ان کے پیرو عمل کر رہے ہیں۔ اور یہ آخری سبب قرین قیاس ہے اور یہی وجہ تھی۔ کہ ماسٹر صاحب نے اپنا تمام جوش اسی میں خرچ کیا۔ کہ ایسا نالائق مضمون اور ایسا باطل خیال ستیارتھ پرکاش میں ہرگز نہیں ہے۔ اور نہ پنڈت دیانند صاحب کی شان کے لائق ہے۔ کہ ایسی احمقانہ باتیں ان کی قلم سے نکلیں۔ مگر شکر ہے کہ آخر چہرہ رہ گیا۔ اور اس جگہ ماسٹر صاحب کو بھی معلوم رہے۔ کہ پنڈت صاحب کی یہ نئی غلطی نہیں۔ بلکہ ان کی اکثر تحریریں ایسی ہی ہیں۔ کہ جن کو غلطستان کہنا چاہئے۔ ان کی فطرت ہی کچھ ایسی واقعہ تھی۔ کہ باریک باتوں تک ان کی عقل نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اور خالص اور مغشوش دلائل میں فرق نہیں کر سکتے تھے۔ ہاں بعض اوقات پیچھے سے وقت گزرنے کے بعد سمجھ بھی جاتے تھے۔ کہ ہم سے غلطی ہوئی۔ مگر وہ سمجھنا کچھ اپنی لیاقت سے نہیں بلکہ لوگوں کے اعتراضات بارش کی طرح چاروں طرف سے برس کر متنبہ کرتے تھے۔ اور اسی نقصان فہم کی وجہ سے پنڈت دیانند کا اپنی تمام زندگی میں یہ طریق رہا ہے۔ کہ اول ایک بات کا دعویٰ کرنا۔ کہ یہ مسئلہ وید کا ہے۔ اور ہمارے ویدوں میں یونہی لکھا ہے۔ اور پھر اس کو کسی رسالہ وغیرہ میں چھپوا دینا اور پھر جس وقت دانشمند لوگ اس پر اعتراض کر کے اس کا باطل ہونا کھول دیں۔ اور لاجواب کر دیں۔ تو پھر اس مسئلہ سے گریز کر جانا اور یہ عذر پیش کر دینا کہ جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ ہمارا قصور نہیں ہے۔ بلکہ سہو کاتب ہے۔ چنانچہ پہلے انہوں نے اپنی ستیارتھ پرکاش میں جو وید بھاش کے مشتہر کرنے سے پہلے لکھی گئی ہے صفحہ ۴۲ میں لکھا تھا۔ کہ پتھروں میں سے جو کوئی جیتا ہو اس کا ترپن نہ کرے۔ اور جتنے مر گئے ہوں اُن کا تو ضرور کرے اور اس پر چند فوائد اور دلائل بھی بیان کئے تھے۔ لیکن پھر مدت کے بعد انہوں نے اشتہار دیا۔ کہ یہ سہو کاتب ہے۔ گویا کاتب نے اپنی طرف سے ایک صفحہ معہ دلائل و فوائد لکھ مارا۔ اور پنڈت صاحب سوتے رہے۔ انہیں کچھ خبر نہیں۔ پھر شاید عرصہ باراں سال کا یا کم و بیش ہوا ہو گا۔ کہ پنڈت صاحب نے ایک اشتہار اپنا دستخطی کان پور میں

پنڈت دیانند کا ہمیشہ یہ دستور رہا کہ اول ایک دعویٰ کرنا جب اس پر اعتراض ہو تو انکار کر دینا۔ اس کی چند ایک مثالیں

ہیں، عقل کی روسے ثابت کرلیں۔ پھر کسی دوسرے پر اعتراض کریں۔ بھلا جس حالت میں آپ کے نزدیک روح بھی ایک باریک جسم ہے۔ جو اوس یعنی شبنم کی طرح ہو کر آسمان سے گرتی ہے تو آپ پر یہ سوال بھی وارد ہوگا۔ کہ انڈے میں جب بچہ مرجاتا ہے۔ تو وہ کس راہ سے نکل جاتی ہے۔ اور پھر جب اس لاش یا میت میں اندر ہی اندر کیڑے پڑجاتے ہیں۔ تو وہ کس راہ سے آتے ہیں۔ پانی کے کیڑے اور ہوا کے کیڑے اور پھلوں کے کیڑے کس اوس سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہر یک منصف سمجھ سکتا ہے۔ کہ یہ بات کہنا کہ یہ 'مرخلافِ عقل، ہے۔ اس شخص کے

بقیہ حاشیہ

مشتہر کیا تھا۔ کہ اکیس شاستر ایشر کرت یعنی خدا کا کلام ہے۔ پھر رفتہ رفتہ جیسے شاستروں کی خوبیاں پنڈت صاحب پر کھلتی گئیں۔ ان کو انسان کا کلام سمجھتے گئے۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصہ میں چار۔ وید ایشر کرت رہ گئے اور باقی سب انسانی کتابیں ٹھہرائی گئیں۔ پھر اس کے بعد ویدوں کا حصہ جس کو برہمن کہتے ہیں۔ ان کی نظر میں صحیح ثابت نہیں ہوا۔ تو آخر اس کو بھی ایشر کرت سے باہر کر دیا۔ اور صرف اس کے دوسرے حصہ سنگتا دمنتر بھاگ، کو الہامی سمجھا گیا۔ کاش پنڈت صاحب ایک دو سال اور بھی جیتے۔ تا ان نو خیال آریوں کو چاروں ویدوں سے بھی آزاد کر جاتے۔ اتھرون وید کا قصہ تو جلد پاک ہو جاتا۔ کیونکہ اس کی نسبت تو پہلے ہی بعض ہندوؤں کا خیال ہے۔ کہ وہ برہمن پستک ہے۔ اور تین ویدوں میں اس کا کہیں ذکر نہیں خیر یہ جھگڑا ہمارے اس وقت کے بحث سے متعلق نہیں۔ صرف یہ ظاہر کرنا تھا۔ کہ پنڈت دیانند قائم الرائے آدمی نہیں تھا اور فطرت سے ان کو ایک موٹی عقل ملی تھی جس کی وجہ سے وہ دوسروں کی باتوں کو تو کیا سمجھتے اپنی رائے کے آخری نتائج سے بھی اکثر بے خبر رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ ان کے خیالات ایک ہی مرکز پر قائم نہیں رہ سکتے تھے۔ اوائل میں ان کی یہ رائے تھی۔ کہ تناسخ باطل ہے۔ چنانچہ ان کی یہ رائے ایک مرتبہ وکیل ہند امرتسر میں بھی چھپی تھی۔ پھر اسی اخبار میں لکھا تھا۔ کہ اب پنڈت صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اب میں نے عقیدہ تناسخ کو اختیار کر لیا ہے۔ گو پہلے نہیں تھا۔ پھر چاند اپور کے مباحثہ پر جو ان کی طرف سے ایک رسالہ نکلا تھا۔ اس میں انہوں نے مکتی جاودانی کا صاف اقرار کیا تھا۔ چنانچہ اب تک ... الموجود ہے۔ اور جب سوال کیا گیا۔ کہ اگر مکتی جاودانی ہے تو پھر روح کسی نہ کسی دن مکتی پاکر ختم ہو جائیں گے۔ کیونکہ پرمیشر میں تو یہ قدرت ہی نہیں۔ کہ کوئی روح پیدا کر سکے۔ اس کے جواب میں انہوں نے اپنے چیلوں کو یہ پٹی پڑھائی کہ روح بے انت ہیں۔ کبھی ختم نہیں ہونگے۔ پھر جب ہم نے اخبار وکیل ہند میں مشتہر کیا۔ کہ کیا پرمیشر بھی جانتا ہے یا نہیں کہ اس قدر روح ہیں۔ تو یہ جواب ملا۔ کہ روحوں کی تعداد کی پرمیشر کو بھی خبر نہیں۔ اس کی بے خبری سے ہی یہ سارا انتظام دنیا کا چلا جاتا ہے۔ پھر جب لوگوں نے اس اعتقاد پر

لئے حق پہنچتا ہے۔ کہ جس نے اوّل اپنے گھر کی صفائی کر لی ہو۔ لیکن درحقیقت عقاید اسلام میں تو ایک بات بھی خلافِ عقل پائی نہیں جاتی۔ ہاں بعض امور دقیقہ برتر از عقولِ ناقصہ ہیں جو کمال معرفت کی حالت میں منکشف ہو جاتے ہیں۔ مگر آپ کے مذہب میں تو ہزاروں باتیں خلافِ عقل اور خلاف شانِ الوہیت پائی جاتی ہیں۔ تو پھر آپ دوسروں پر کیونکر اعتراض کر سکتے ہیں۔ پس اسی قدر کافی ہے *

لطیفہ حاشیہ: بہت ہنسی ٹھٹھا شروع کیا تھا۔ پنڈت صاحب تنگ اور لاچار آکر دوسری طرف اُلٹے اور فرمایا۔ کہ ہاں روح تو بے انت نہیں ہیں۔ مگر یہ بات سچ ہے۔ کہ کسی کو اوتار ہو یا رشی ہو۔ کوئی ہو ہمیشہ کی نجات نہیں ملیگی اور کیسا ہی کوئی اعلیٰ درجہ کا نیک اور عاشق الٰہی ہو جاوے۔ مگر تب بھی جونوں کی دائمی بلا سے اس کو مخلصی نہیں ہوگی۔ پرمیشر تو رحیم ہی تھا۔ مگر وہ بے چارہ کیا کرے۔ ہمیشہ کی نجات دینا اس کی قدرت سے باہر ہے۔ کیونکہ وہ کسی روح کو پیدا نہیں کر سکتا۔ اس کی ساری بدنامیوں کی جڑھ یہی ہے۔ غرض پنڈت صاحب کی کارروائیوں میں اس قسم کی خیانتیں بہت تھیں۔ کہ ایک بات کو اپنے منہ سے نکالنا یا چھپوا دینا اور جب اُس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے۔ تو فی الفور منکر ہو جانا اور پھر طبع شدہ کتاب کی ترمیم کر کے دوسری کتاب چھپوانا۔ اب ہم اصل مقصود کی طرف رجوع کر کے ستیارتھ پرکاش کا وہ مقام لکھتے ہیں جس کے لکھنے کا ماسٹر مرلیدھر صاحب کو وعدہ دیا گیا تھا۔ اور وہ یہ ہے :۔

ستیارتھ پرکاش ۱۸۷۵ء آٹھواں سمولاس صفحہ ۲۶۳

سوال۔ جنم اور موت وغیرہ کس طرح سے ہوتے ہیں؟ — سوال جنم اور موت کس طرح ہوتے ہیں اور پنڈت دیانند صاحب کی طرف سے جواب

جواب۔ لنگ شریر یعنی جسم دقیق (روح) اور ستھول شریر جسم کثیف باہم مل کر جب ظاہر ہوتے ہیں۔ تب اس کا نام جنم یعنی پیدائش ہوتا ہے۔ اور دونوں کی علیحدگی سے غائب ہو جانے کو موت کہتے ہیں *

سو اس طرح سے ہوتا ہے۔ کہ روح اپنے اعمال کے نتائج سے گردش کرتی اور اپنے افعال کی تاثیر سے گھومتے ہوئے پانی یا کسی اناج یا ہوا میں ملتی ہے۔ پھر جب وہ پانی یا کسی بوٹے وغیرہ کے ساتھ مل جاتی ہے۔ تو جیسے جس کے افعال کا اثر یعنی جتنا جس کو سکھ یا دکھ ہونا ضروری ہے۔ خدا کے حکم کے موافق ویسی جگہ اور ویسے ہی جسم میں مل کے شکم مادر میں داخل ہو جاتی ہے۔ پھر جب حیوان یا انسان میں وہ غذا کے ساتھ اندر چلی جاتی ہے۔ اس کے جسم کے حصّہ کی کشش سے اس کا جسم بنتا ہے۔ اسی طریقہ سے جو پرمیشر نے مقرر کر رکھا ہے۔ روح نکلنے کے

ماسٹر مرلیدھر کا جواب الجواب

ماسٹر صاحب کا جواب الجواب معہ اُسکی ردّ کے

قولہٗ مرزا صاحب میرے سے حدیث یا آیت مانگتے ہیں۔ اور ساتھ ہی قرآن کی آیت تحریر فرما کر اقرار کرتے ہیں۔ کہ قمر کے دو ٹکڑے حضرت سے ہوگئے۔

اقول صاحب من میں نے چاند کے دو ٹکڑے ہونے پر تو آپ سے کسی آیت یا حدیث کی سند

نقل حاشیہ:

بعد آفتاب کی کرنوں کے ساتھ اوپر کو کھینچی جاتی ہے۔ اور پھر چاند کے نور کے ساتھ (اوس کی طرح) زمین پر کسی بوٹی وغیرہ پر گرتی ہے۔ پھر بموجب طریقہ مذکورہ بالا جسم اختیار کرتی ہے۔

یہ پنڈت صاحب کی عبارت ہے جو ہم نے ستیارتھ پرکاش سے نکال کر اس جگہ لکھی ہے۔ اب ہم ماسٹر صاحب سے پوچھتے ہیں۔ کہ کیوں صاحب ابھی سچ اور جھوٹ کی تمیز ہوئی یا نہیں۔ اس وقت ذرا آپ فرمائیں تو سہی کہ آپ کے دل کا کیا حال ہے۔ کیا وہ آپ کا قول سچ نکلا۔ کہ مضمون مذکورہ بالا ستیارتھ پرکاش میں کسی جگہ نہیں۔ افسوس اُس روز ناحق آپ نے ہمارے اوقات کو ضائع کیا۔ اور اپنی علمی حیثیت کا پردہ پھاڑا اور آج آپ ہی جھوٹے نکلے۔ ہر کہ با اضداد فال آویخت آبروئے خود ریخت۔

روح کے متعلق پنڈت دیانند کی غلطی۔

اب آپ سوچ لیں۔ کہ آپ کے پنڈت صاحب وید دان نے کیسا ایک ناقص خیال خلافِ عقل و خلاف تجارب طبعی و طبابت ظاہر کیا ہے۔ تمام عقلا جانتے ہیں۔ کہ روح کا تعلق صرف بچہ کی والدہ سے نہیں ہوتا۔ بلکہ والد اور والدہ دونوں سے ہوتا ہے۔ اور روحانی اخلاق کا افاضہ بچہ کے وجود پر والدین کی طرف سے ہوتا ہے نہ ان میں سے ایک کی طرف سے۔ ہاں اگر پنڈت صاحب یہ کہتے کہ روح دو ٹکڑے ہو کر کسی بوٹی وغیرہ پر گرتی ہے جس کو مرد اور عورت دونوں کھا لیتے ہیں۔ اور دونوں نطفوں میں روح کا عرق مخلوط ہو جاتا ہے۔ تب بھی کچھ بات تھی۔ مگر اس جگہ یہ شبہ پیدا ہوگا۔ کہ کیا روح آدھی آدھی ہو کر گرتی ہے۔ اور اگر ایسا ہی ہے۔ تو پھر دو ٹکڑے ہونے کے بعد اس کا پیوند کیونکر ہو جاتا ہے۔ غرض پنڈت صاحب اپنے اس باطل اعتقاد سے عجب حیص بیص میں اپنے پیس ماندگوں کو پھنسا گئے ہیں۔ اور وید کے فلسفہ کا عجیب ایک نمونہ دکھا گئے۔

اور ہم اس جگہ یہ بھی بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کہ پنڈت دیانند صاحب کا یہ اعتقاد کہ روح جسم ہے۔ یہ بھی سراسر غلط اور فاسد ہے۔ روح ہرگز جسم نہیں ہے جسم قسمت کو قبول کرتا ہے۔ اور روح قابل انقسام نہیں۔ اور اگر یہ کہو کہ وہ جزو لایتجزّی ہے یعنی پرمانو (پرکرتی) ہے۔ تو اس سے لازم آتا ہے۔ کہ کئی روحوں کو باہم جوڑ کر ایک بڑا جسم تیار ہو جائے جس کو دیکھ سکیں۔ اور تول سکیں۔ کیونکہ جزو لایتجزی جس کو آریہ لوگ پرکرتی یا پرمانو کہتے ہیں۔ یہی خاصیت رکھتی ہے۔ جیسے پنڈت صاحب آپ ہی قائل ہیں۔ کہ اجسام کثیف پرمانوں کے باہم ملنے سے تیار ہوتے

نہیں مانگی۔ بلکہ ایک ادنیٰ استعداد کا اردو خوان بھی میرے جواب کو پڑھ کر سمجھ سکتا ہے۔ کہ میں نے تو آپ سے یہ ثبوت مانگا تھا۔ کہ قرآن شریف یا حدیث میں کہاں لکھا ہے۔ کہ چاند دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آستینوں میں سے اس کو نکال دیا سو آپ نے اس کا کچھ ثبوت نہ دیا۔

قولہٗ میرا سوال تھا۔ کہ جو بات خلافِ قانون قدرت ہے۔ (یعنی شق القمر) وہ کس طرح ہو سکتی۔

اقول بیشک اس قدر حصّہ آپ کے سوال کا تو بہت صحیح اور درست ہے۔ کہ خلافِ قانون

بقیہ حاشیہ

ہیں۔ مگر کیا پنڈت صاحب کا کوئی شاگرد ایسا جسم ہم کو دکھا سکتا ہے۔ جو دو چار ہزار یا دو چار لاکھ یا کسی اور اندازہ پر روحوں کے باہم ملنے سے طیار ہو گیا ہو اور دیکھنے اور ٹٹولنے میں آسکتا ہو سو یہ دیانند صاحب کا پوچ خیال ہے کہ روح بھی پرمانو ہی ہے۔

ماسوا اس کے ہم یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ جزء لایتجزی دلائل عقلیہ اور ہندسیہ سے باطل ہے۔ اور اس کے ابطال پر ایک آسان دلیل یہ ہے۔ کہ اگر جزء لایتجزی یعنی پرمانو دو پرکرتی، کو دو چیزوں کے درمیان رکھا جائے۔ تو ضرور ہے۔ کہ وہ دونوں چیزیں اطراف مخالفہ سے اس کو مس کریں گے۔ اور یہ امر تقسیم کو ثابت کرنے والا ہے۔

دوسرے یہ کہ نقطہ بھی جزء لایتجزی ہے۔ اور بموجب اصول موضوعہ علم ہندسہ کے ہم کو اختیار ہے۔ کہ ایک نقطہ سے دوسرے نقطہ تک خط مستقیم کھینچ لیں۔ مثلاً ہم مختار ہیں۔ کہ نقاط ا اور ب میں ا ———— ب ایک ایسا خط مستقیم کھینچ لیں۔ جس کا کل مجموعہ گیارہ نقطے ہوں۔ پھر بعد اس کے ہم یہ بھی اختیار رکھتے ہیں۔ کہ بموجب شکل دہم مقالہ اولیٰ تحریر اقلیدس اس خط محدود کی تنصیف کریں۔ سو ظاہر ہے۔ کہ اس خط کے دو ٹکڑے برابر کرنے سے درمیانی نقطہ جو پرمانو ہے منقسم ہو جائے گا۔ اور یہی مطلب تھا۔ ماسوا اس کے جو شخص علم نفس میں سے کچھ پڑھا ہوگا۔ اور دلائل عدم تجسم روح اس نے دیکھے ہوں گے۔ اس پر صاف کھل جائیگا۔ کہ پنڈت دیانند نے اس اپنے اعتقاد میں ایسی ڈبل غلطی کھائی ہے۔ جس سے ثابت ہو گیا ہے۔ کہ وہ بالکل علم روح سے بیگانہ اور ناآشنا ہے۔ کیا روح میں جسمانی لوازم و خواص بھی پائے جاتے ہیں؟ کیا وہ اپنے تعلق بالبدن میں تعلق جسمانی سے مشابہ ہے۔ کیا وہ اپنے دخول اور خروج میں اجسام کی طرز اور طریق پر ہے۔ پس جب حالت میں نہ جسم کو روح سے کچھ مشابہت ہے اور نہ روح کو جسم سے کچھ مماثلت تو کس قدر بے سمجھی ہے۔ کہ روح کو جسم تسلیم کیا جائے۔ اور پھر غذا کی طرح عورتوں اور دیگر مادہ حیوانات کو کھلایا جائے۔ ہم حیران ہیں کہ یہ کس قسم کی باتیں وید میں درج ہیں۔ اور کیوں لوگوں نے ان فاش غلطیوں کو قبول کر لیا ہے۔

افسوس! افسوس!! افسوس!!! منہٗ

قدرت ازلی وابدی کوئی بات ظہور میں نہیں آتی۔ لیکن ساتھ اس کے یہ دعوے آپ کا کہ اس قانون ازلی وابدی پر انسانی عقل نے احاطہ تام کر لیا ہے۔ اور پھر اُس خیال باطل کی رو سے شق القمر پر اعتراض کرنا یہ بالکل غلط اور سراسر سمجھ کا پھیر ہے۔ عقلمندی یہ ہے کہ قانونِ قدرت جو ہنوز انسانی دفتروں میں غیر مکمل ہے۔ اس کو ہمیشہ عجائبات جدید الظہور کا تابع رکھنا چاہئے نہ یہ کہ جو عجائبات خواص عالم نئے نئے کھلتے جائیں۔ ان کو باوجود ثبوت کے اس وجہ سے ردّ کر دیا کہ جو کچھ آج تک ہمیں معلوم ہے۔ یہ اُس سے زائد امر ہے۔ اس سے زیادہ تر کونسی فضول گوئی اور بے سمجھی ہوگی۔ کہ اپنے چند روزہ اور محدود اور مشتبہ تجربہ کو خدا تعالیٰ کا مکمل قانونِ قدرت خیال کر بیٹھیں۔ اور پھر جو آئندہ اسرار کھلتے جائیں۔ ان کو اس بنا پر خلافِ قانونِ قدرت سمجھ لیں کہ وہ ہمارے معلومات سابقہ سے زیادہ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ نے اس رسالہ کے مقدمہ مذکورۂ بالا کو پڑھ کر سمجھ لیا ہوگا۔ کہ قانونِ قدرت کیا چیز ہے۔ اور کس حالت میں کسی امر کو کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ خلافِ قانونِ قدرت ہے۔ اور اگر آپ نے اب تک اس مقدمہ کو غور کر کے نہیں دیکھا۔ تو میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں۔ کہ آپ غور سے اُس مفید مقام کو پڑھیں۔ کیونکہ اُن علمی نکات کے جاننے بغیر آپ قانونِ قدرت کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے +

قولہ شق القمر سے انتظامِ عالم میں فتور واقعہ ہو جاتا ہے +

شق القمر سے انتظام عالم میں کوئی فتور نہیں آ سکتا۔

اقول اگر کسی کی خود اپنی ہی عقل میں فتور نہ ہو تو سمجھ سکتا ہے۔ کہ کسی چیز کے ایک نئے خاصہ کا ظہور میں آنا اس کے پہلے خاصہ کے ابطال کے لئے ایک لازمی امر نہیں ہے۔ سو اسی قاعدہ کی رو سے دانشمند لوگ جو خدا تعالیٰ کی عظیم الشان قدرتوں سے ہمیشہ ہیبت زدہ رہتے ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں۔ کہ حکیمِ مطلق جس کی حکمتوں کا انتہا نہیں۔ اس کی طرف سے قمر و شمس میں ایسی خاصیت مخفی ہونا ممکن ہے۔ کہ باوجود انشقاق کے اُن کے فعل میں فرق نہ آوے اسی کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اقتربت الساعۃ وانشق القمر نزدیک آ گئی وہ گھڑی اور پھٹ گیا چاند۔ اس آیت کا یہ مطلب ہے۔ کہ روزِ ازل سے حکیم مطلق نے ایک خاصہ مخفی چاند میں رکھا ہوا تھا۔ کہ ایک ساعت مقررہ پر اس کا انشقاق ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نجوم اور شمس اور قمر کے خواص کا ظہور ساعات مقررہ سے وابستہ ہے۔ اور ساعات کو حدوثِ عجائباتِ سماوی و ارضی میں بہت کچھ دخل ہے۔ اور حقیقت میں قوانین قدرتیہ کا شیرازہ انہیں ساعات سے باندھا گیا ہے۔ سو کیا عمدہ اور پُر حکمت اور فلسفیانہ اشارہ ہے۔ کہ جو اللہ تعالیٰ نے آیت مندرجۂ بالا

ہیں فرمایا کہ چاند کے پھٹنے کی جو ساعت مقرر اور مقدر تھی - وہ نزدیک آگئی اور چاند پھٹ گیا - جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس آیت کے آگے بھی فرماتا ہے - وکذبوا واتبعوا اھواءھم وکل امر مستقر - یعنی کفار نے تو چاند پھٹنے کو سحر پر حمل کیا - اور تکذیب کی مگر یہ سحر نہیں ہے - بلکہ خدا تعالیٰ کے ان امور یعنی قوانین قدرتیہ میں سے ہے - جو اپنے اپنے وقتوں میں قرار پکڑنے والے ہیں - اور عقلمند انسان اس نشان قدرت سے کیوں تعجب کرے - کیا اللہ تعالیٰ کے کارخانہ قدرت میں یہی ایک بات بالاتر از عقل ہے - جو حکیموں اور فلسفیوں کی سمجھ میں نہیں آتی اور باقی تمام اسرار قدرت انہوں نے سمجھ لئے ہیں - اور کیا یہ ایک ہی عقدۂ لاینحل ہے - اور باقی سب عقدوں کے حل کرنے سے فراغت ہو چکی ہے - اور کیا اللہ تعالیٰ کے عجائب کاموں میں سے یہی ایک عجیب کام ہے - اور کوئی نہیں - بلکہ اگر غور سے دیکھو تو اس قسم کے ہزارہا عجائب کام اللہ تعالےٰ کے دنیا میں پائے جاتے ہیں - زمین پر سخت سخت زلازل آتے رہتے ہیں - اور بسا اوقات کئی میل زمین تہ و بالا ہو گئی ہے - مگر پھر بھی انتظام عالم میں فتور واقع نہیں ہوا - حالانکہ جیسے چاند کو اس انتظام میں دخل ہے ویسا ہی زمین کو - غرض یہ ملحدانہ شکوک انہیں لوگوں کے دلوں میں اٹھتے ہیں - کہ جو خدا تعالیٰ کو اپنے جیسا ایک ضعیف اور کمزور اور محدود الطاقت خیال کر لیتے ہیں - اگر خدا تعالیٰ پر اس قسم کے اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں - تو پھر کسی طور سے عقل تسلی نہیں پکڑ سکتی - کہ یہ بڑے بڑے اجرام علوی و سفلی کیونکر اور کن ہتھیاروں سے اس نے بنا ڈالے +

قولہ - ممالک غیر اور اقوام غیر کی تاریخ میں ایسی بڑی بات کا ذکر (یعنی شق القمر کا ذکر) ضرور چاہئے اسی اعتراض کا جواب (ممالک غیر کی تاریخ میں شق القمر کا ذکر ہونا چاہئے)

اقول میں کہتا ہوں - کہ آپ اپنے اسی قول سے ملزم ٹھہر سکتے ہیں - کیونکہ جس حالت میں چاند کے دو ٹکڑے کرنے کا دعوےٰ زور شور سے ہو چکا تھا - یہاں تک کہ خاص قرآن شریف میں مخالفوں کو الزام دیا گیا - کہ انہوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا - اور اعراض کر کے کہا کہ یہ پکا جادو ہے - اور پھر یہ دعویٰ نہ صرف عرب میں بلکہ اسی زمانہ میں تمام ممالک روم شام و مصر و فارس وغیرہ دور دراز ممالک میں پھیل گیا تھا - تو اس صورت میں یہ بات کچھ تعجب کا محل نہ تھی - کہ مختلف قومیں جو مخالف اسلام تھیں - وہ دم بخود اور خاموش رہتیں - اور بوجہ عناد و بغض و حسد شق القمر کی گواہی دینے سے زبان بند رکھتیں - کیونکہ منکر اور مخالف کا دل اپنے کفر اور مخالفت کی حالت میں کب چاہتا ہے - کہ وہ مخالف مذہب کی تائید میں کتابیں لکھے - یا اس کے معجزات

کی گواہی دیوے۔ ابھی تازہ واقعہ ہے۔ کہ لالہ شرمپت و ملاوامل آریہ ساکنان قادیان وچند دیگر
آپ کے آریہ بھائیوں نے قریب ۷ کے الہامی پیش گوئیاں اس عاجز کی بچشم خود پوری ہوتی
دیکھیں۔ جن میں پنڈت دیانند کی وفات کی خبر بھی تھی۔ چنانچہ اب تک چند تحریری اقرار بعضوں
کے ہمارے پاس موجود پڑے ہیں۔ لیکن آخر قوم کے طعن ملامت سے اور نیز ان کی اس دھمکی
سے کہ ان باتوں کی شہادت سے اسلام کو تائید پہنچے گی۔ اور وہ امر ثابت ہوگا۔ کہ جس میں پھر وید
کی بھی خیر نہیں۔ ڈر کر منہ بند کر لیا۔ اور نا راستی سے پیار کر کے راستی کی شہادت سے کنارہ کش
ہوگئے۔ سو مخالف ہونے کی حالت میں اگر کوئی ادائے شہادت سے خاموش رہے۔ تو کچھ تعجب
کی بات نہیں۔ بلکہ تعجب کی بات تو یہ ہے۔ کہ اگر مخالف کی طرف سے ایک دعوے کا جھوٹا ہونا
کھل جائے۔ تو پھر جھوٹ کی اشاعت کے لئے قلم نہ اٹھاویں۔ اور دروغ گو کو اس کے گھر تک
نہ پہنچاویں۔ سو میں پوچھتا ہوں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے عام اور علانیہ طور پر یہ ۷۵
دعویٰ مشہور کر دیا تھا۔ کہ میرے ہاتھ سے معجزہ شق القمر وقوع میں آگیا ہے۔ اور کفار نے اس کو
بچشم خود دیکھ بھی لیا ہے۔ مگر اس کو جادو قرار دیا۔ اپنے اس دعوے میں سچے نہیں تھے۔ تو پھر
کیوں مخالفین آنحضرت جو اسی زمانہ میں تھے۔ جن کو یہ خبریں گویا نقارہ کی آواز سے پہنچ چکی
تھیں۔ چپ رہے۔ اور کیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مواخذہ نہ کیا۔ کہ آپ نے کب چاند
کو دو ٹکڑے کر کے دکھایا۔ اور کب ہم نے اسکو جادو کہا۔ اور اس کے قبول کرنے سے منہ پھیرا
اور کیوں اپنے مرتے دم تک خاموشی اختیار کی۔ اور منہ بند رکھا۔ یہاں تک کہ اس عالم سے گزر گئے۔
کیا ان کی یہ خاموشی جو ان کی مخالفانہ حالت اور جوش مقابلہ کے بالکل برخلاف تھی۔ اس بات کا
یقین نہیں دلاتی۔ کہ کوئی ایسی سخت روک تھی جس کی وجہ سے کچھ بول نہیں سکتے تھے۔ مگر بجز ظہور
سچائی کے اور کونسی روک تھی۔ یہ معجزہ مکہ میں ظہور میں آیا تھا اور مسلمان ابھی بہت کمزور اور غریب
اور عاجز تھے۔ پھر تعجب یہ کہ ان کے بیٹوں یا پوتوں نے بھی انکار میں کچھ زبان کشائی نہ کی حالانکہ
ان پر واجب اور لازم تھا۔ کہ اتنا بڑا دعوے اگر افترا محض تھا۔ اور صدہا کوسوں میں مشہور ہوگیا
تھا۔ اس کی ردّ میں کتابیں لکھتے اور دنیا میں شائع اور مشہور کرتے۔ اور جبکہ ان لاکھوں آدمیوں ۷۶
عیسائیوں عربوں یہودیوں مجوسیوں وغیرہ میں سے ردّ لکھنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ اور جو لوگ
مسلمان تھے وہ علانیہ ہزاروں آدمیوں کے روبرو بچشم دید گواہی دیتے رہے۔ جن کی شہادتیں
آج تک اس زمانہ کی کتابوں میں مندرج پائی جاتی ہیں۔ تو یہ صریح دلیل اس بات پر ہے۔ کہ

مخالفین ضرور شق القمر مشاہدہ کر چکے تھے۔ اور ردّ لکھنے کے لئے کوئی بھی گنجائش باقی نہیں رہی تھی اور
یہی بات تھی جس نے اُن کو منکرانہ شور و غوغا سے چُپ رکھا تھا۔ سو جبکہ اسی زمانہ میں کروڑہا
مخلوقات میں شق القمر کا معجزہ شیوع پا گیا۔ مگر اُن لوگوں نے خجلت زدہ ہو کر اُس کے مقابلہ پر دم
بھی نہ مارا۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اس زمانہ کے مخالفین اسلام کا چپ رہنا شق القمر
کے ثبوت کی دلیل ہے نہ کہ اُس کے ابطال کی۔ کیونکہ اس بات کا جواب مخالفین اسلام کے
پاس کوئی نہیں۔ کہ جس دعویٰ کا ردّ انہیں ضرور لکھنا چاہیئے تھا۔ انہوں نے کیوں نہیں لکھا۔
۷۷ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی معمولی درویش یا گوشہ نشین نہیں تھے تا یہ عذر پیش کیا جائے۔ کہ ایک
فقیر صلح مشرب جس نے دوسرے مذاہب پر کچھ حملہ نہیں کیا چشم پوشی کے لائق تھا بلکہ آن نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عام مخالفین کا جہنمی ہونا بیان کرتے تھے۔ اس صورت میں مطلق طور پر
جوش پیدا ہونے کے موجبات موجود تھے۔ ماسوا اس کے یہ بھی کچھ ضروری معلوم نہیں ہوتا۔ کہ
واقعہ شق القمر پر جو چند سیکنڈ سے کچھ زیادہ نہیں تھا۔ ہر ایک ولایت کے لوگ اطلاع پا جائیں۔ کیونکہ
مختلف ملکوں میں دن رات کا قدرتی تفاوت اور کسی جگہ مطلع ناصاف اور پُرغبار رہنا اور کسی جگہ
ابر ہونا اور ایسا ہی کئی اور ایک موجبات عدم رویت ہو جاتے ہیں۔ اور نیز بالطبع انسان کی
طبیعت اور عادت اس کے برعکس واقع ہوئی ہے۔ کہ ہر وقت آسمان کی طرف نظر لگائے رکھے
۷۸ بالخصوص رات کے وقت جو سونے اور آرام کرنے کا اور بعض موسموں میں اندر بیٹھنے کا وقت
ہے ایسا التزام بہت بعید ہے +

شق القمر کے واقعہ پر ہندوؤں کی معتبر کتابوں میں بھی شہادت پائی جاتی ہے۔

پھر ان سب باتوں کے بعد ہم یہ بھی لکھتے ہیں۔ کہ شق القمر کے واقعہ پر ہندوؤں کی معتبر کتابوں
میں بھی شہادت پائی جاتی ہے۔ مہابھارت کے دھرم پرب میں بیاس جی صاحب لکھتے ہیں کہ
ان کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑے ہو کر پھر مل گیا تھا۔ اور وہ اس شق قمر کو اپنے بے ثبوت خیال سے
بسوامتر کا معجزہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن پنڈت دیانند صاحب کی شہادت اور یورپ کے محققوں
کے بیان سے پایا جاتا ہے۔ کہ مہابھارت وغیرہ پُران کچھ قدیم اور پُرانے نہیں ہیں۔ بلکہ بعض
پُرانوں کی تالیف کو تو صرف آٹھ سو یا نو سو برس ہوا ہے۔ اب قرین قیاس ہے۔ کہ مہابھارت
۷۹ یا اس کا واقعہ بعد مشاہدہ واقعہ شق القمر جو معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھا لکھا گیا اور بسوامتر کا
نام صرف بے جا طور کی تعریف پر جیسا کہ قدیم سے ہندوؤں کے اپنے بزرگوں کی نسبت عادت
ہے۔ درج کیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس واقعہ کی شہرت ہندوؤں میں مؤلف تاریخ فرشتہ

کے وقت میں بھی بہت کچھ پھیلی ہوئی تھی۔ کیونکہ اُس نے اپنی کتاب کے مقالہ یازدہم میں ہندوؤں سے یہ شہرت یافتہ نقل لے کر بیان کی ہے۔ کہ شہر دھار کہ جو متصل دریائے چنبل صوبہ مالوہ میں واقع ہے۔ اب اس کو شاید دھارانگری کہتے ہیں۔ وہاں کا راجہ اپنے محل کی چھت پر بیٹھا تھا ایک بارگی اُس نے دیکھا کہ چاند دو ٹکڑے ہوگیا اور پھر مل گیا۔ اور بعد تفتیش اس راجہ پر کھل گیا کہ یہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ تب وہ مسلمان ہوگیا۔ اس ملک کے لوگ اس کے اسلام کی وجہ بھی بیان کرتے تھے۔ اور اُس گرد و نواح کے ہندوؤں میں یہ ایک واقعہ مشہورہ تھا جس بنا پر ایک محقق مؤلف نے اپنی کتاب میں لکھا۔ بہرحال جب آریہ ورت کے راجوں تک یہ خبر شہرت پا چکی ہے۔ اور آریہ صاحبوں کے مہابھارتھ میں درج بھی ہوگئے۔ اور پنڈت دیانند صاحب پرانوں کے زمانہ کو داخل زمانہ نبوی سمجھتے ہیں۔ اور قانون قدرت کی حقیقت بھی کھل چکی تو اگر اب بھی لالہ مرلیدھر صاحب کو شق القمر میں کچھ تامل باقی ہو۔ تو اُن کی سمجھ پر ہمیں بڑے بڑے افسوس رہیں گے۔

قولہ قرآن میں لکھا جانا تاریخی ثبوت نہیں ورنہ دنیا میں جس قدر جُدے جُدے مذاہب والے اپنے اپنے دیوتاؤں وغیرہ کی نسبت عجائبات بیان کرتے ہیں۔ وہ سب سچے ہو جائینگے۔

اس اعتراض کا جواب کہ قرآن میں لکھا جانا کوئی تاریخی ثبوت نہیں

اقول اے ماسٹر صاحب افسوس کہ تعصب کے جوش نے آپ کی کہاں تک نوبت پہنچادی۔ کہ آپ کی نظر میں قرآنی واقعات عام لوگوں کے مزخرافات کے برابر ہوگئے۔ ایسی باتیں جن کو لوگ بے ٹھکانہ اور بے بنیاد اپنے دیوتاؤں وغیرہ کی نسبت سینکڑوں یا ہزاروں برسوں کے بعد بنا دیتے ہیں۔ جو نہ ان دیوتاؤں کے زمانہ میں تحریر ہوکر شائع ہوتے ہیں۔ اور نہ معتبر اور معتبر دیکھنے والوں تک اُن کا سلسلہ متواتر اور معتبر طور پر پہنچتا ہے۔ بلکہ سراسر وہ مخلوق پرستوں کے مفتریات ہوتے ہیں۔ جن کے ساتھ کوئی روشن دلیل نہیں ہوتی۔ ایسی بے اصل اور بے ثبوت مفتریات کو قرآنی واقعات سے آپ تشبیہ دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ قرآن میں لکھا جانا تاریخی ثبوت نہیں تو پھر آپ ہی فرمائیں۔ کہ جس حالت میں ایسی کتاب کی تحریر تاریخی ثبوت نہیں ہوسکتی۔ جو اپنے زمانہ کا ایک شہرت یافتہ واقعہ مخالفوں کی گواہی کے حوالہ سے بتلاتی ہے۔ اور کتاب بھی ایک ایسے شخص کی کتاب ہے۔ جو تمام دنیا میں عزت اور مرتبت کے ساتھ مشہور ہے۔ تو پھر تاریخی ثبوت کسے کہتے ہیں؟ کیا تاریخوں کے تمام مجموعہ میں اس سے عمدہ تر کوئی ثبوت مل سکتا ہے۔ کہ کوئی واقعہ ہم ایسی کتاب میں لکھا ہوا پاویں جو اسی زمانہ کا واقعہ ہو جس زمانہ کی وہ کتاب ہے۔

اور اُسی مصنف نے اس کو لکھا ہو جس نے اُس کو دیکھا بھی ہو۔ اور وُہ مؤلف کتاب بھی اپنی شہرت اور عزت میں سرآمد روزگار ہو۔ اور پھر باوجود ان سب باتوں کے مصنف نے مخالفوں کو بطریق گواہ واقعہ قرار دیا ہو۔ اور پھر وہ کتاب بھی ایسی محفوظ چلی آتی ہو۔ کہ اسی زمانہ میں اکثر حصہ دُنیا میں شہرت پا گئی ہو۔ اور ہزارہا حافظ اس کے ابتدا سے ہوتے آئے ہوں یہاں تک کہ لاکھوں حافظوں تک نوبت پہنچ گئی ہو۔ اور اسی زمانہ کے اس کے قلمی نسخے اور بعض تفسیریں بھی موجود ہوں اور بے شمار بندگان خدا ابتدا سے اس کو اپنی پنجگانہ نمازوں میں پڑھتے اور تلاوت کرتے اور نیز پڑھاتے چلے آئے ہوں۔ اگر کوئی تاریخی کتاب ان سب صفتوں کی جامع دنیا بھر میں بجز قرآن شریف کے آپ کی نظر میں گزری ہے۔ تو آپ اس کو پیش کریں۔ اور اگر پیش نہ کر سکیں۔ تو آپ کی سزا وہی درد خجالت اور انفعال کافی ہے۔ جو لاجواب رہنے کی حالت میں آپکے شامل حال ہوگی۔ آپ کو خبر نہیں کہ دنیا میں جس قدر بڑے بڑے مخالف باعلم عیسائی یہودی مجوسی وغیرہ ہیں۔ وہ قرآنی شہادتوں سے یعنی اُن واقعات سے جو قرآن شریف نے اپنے زمانہ کے متعلق لکھے ہیں۔ انکار نہیں کر سکتے۔ ہاں تعصّب کی راہ سے بعض آیات کے معنی اور طور پر کر لیتے ہیں۔ مثلاً شق القمر میں وہ آپ کی طرح یہ نہیں کہتے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ امر خلاف واقعہ قرآن شریف میں لکھ دیا ہے۔ چنانچہ اس بات کی تو آپ بھی شہادت دے سکتے ہیں۔ کہ آپ نے تمام عمر میں کوئی ایسی کتاب کسی فاضل انگریز یا یہودی کی نہیں دیکھی ہوگی جس میں انہوں نے آپ کی طرح یہ رائے ظاہر کی ہو۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جھوٹا دعویٰ شق القمر کا قرآن میں لکھ دیا ہے کیونکہ جو فاضل قسیس اور باخبر انگریز ہیں۔ وہ لوگ بباعث اپنے علم اور وسیع واقفیت کے خوب جانتے ہیں۔ کہ جس طور اور التزام سے قرآن شریف نے اشاعت پائی ہے۔ اور جس تشدد سے مخالفوں اور موافقوں کی نگرانی اس کی آیت آیت پر رہی ہے۔ اور جس سرعت اور جلدی سے اس کے ہر ایک مضمون کی تبلیغ لاکھوں آدمیوں کو ہوتی رہی ہے۔ اور جس قلیل عرصہ میں جو بعد زمانہ نبوی تیس برس سے بھی کم تھا۔ وہ دنیا کے اکثر حصوں میں شہرت پا گیا ہے۔ وہ ایسا طور اور طریق چاروں طرف سے محفوظ ہے۔ کہ اس میں یہ گنجائش ہی نہیں۔ کہ کوئی جھوٹا معجزہ یا کوئی جھوٹی پیش گوئی افترا کر کے قرآن شریف میں درج ہو سکتی جس کے افترا پر عیسائیوں یہودیوں عربیوں۔ مجوسیوں میں سے کسی کو بھی اطلاع نہ ہوتی۔ اسی وجہ سے اگرچہ آج تک صدہا فاضل انگریزوں نے بوجہ شدت

عناد بہت کچھ مخالفانہ حملے اپنی کتابوں اور تفسیروں میں قرآن شریف پر کرنے چاہے ہیں۔ جنمیں وہ باطل پر ہونے کیوجہ سے کامیاب نہیں ہو سکے۔ مگر یہ رائے جو آپنے بیان کی۔ آج تک اُنمیں سے کسی نے بھی نہیں کی۔ سو آپ کا ایسی کتاب کو مؤرخانہ وقعت سے باہر سمجھنا اور جوہر صافی اور خس و خاشاک برابر خیال کر لینا اور صاف صاف فرق دیکھکر اپنی آنکھوں پر پردہ ڈال لینا صرف نظر کا گھاٹا ہے دلیل ہ

اس اعتراض کا جواب کہ خلاف قانون قدرت امور پر یقین کر لینے سے دغابازوں کو بہکانا موقع ملتا ہے

قولہ اگر خلاف قانونِ قدرت پراس وجہ سے یقین کیا جائے کہ پرمیشر سرب شکتی مان ہی تو پھر دنیا میں ہم کسی بات کو بھی جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔ اور فریبی اور دغاباز لوگ روز بروز بہکا سکتے ہیں ہ

اقول۔ اے صاحب میں نے آپکو کب اور کسوقت کہا ہے۔ کہ بے ثبوت اور تحقیق ہر ایک بات کو مان لیا کرو۔ میں تو آپ کو کھلا کھلا ثبوت دے رہا ہوں اور خود میرا یہی اصول ہے کہ بے تحقیق کسی تاریخی واقعہ کو نہیں ماننا چاہیئے لیکن میں ساتھ اسکے آپ کو یہ بھی کہتا ہوں۔ کہ اگر حقیقی دانائی سے کچھ بہرہ حاصل کرنیکا شوق ہے تو چند ناکارہ اور محدود تجارب کا نام قانونِ قدرت مت رکھو۔ اور کنوئیں کے مینڈک کی طرح دنیا میں اسی قدر پانی مت سمجھو۔ جو آپ کی نظر کے سامنے ہی ایک تو آپ کے مذہب میں پہلے ہی سے یہ خرابی ہے۔ کہ آپ لوگ اپنے تئیں واجب الوجود اور قدیم ہونے میں پرمیشور کے بھائی بند خیال کر رہے ہیں۔ پھر اگر یہ دوسرا اعتقاد فاسد بھی اسکے ساتھ ملگیا۔ کہ پرمیشور کی طاقتیں اور قدرتیں بھی آپ کے معلومات سے زیادہ نہیں تو اس صورت میں آپ صرف بھائی بند نہ رہے۔ بلکہ پرمیشور کے بزرگ بھی ٹھہر گئے۔ کیونکہ بزرگوں اور باپوں کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی نسبت یہ دعوے کریں۔ کہ ان کے معلومات ہمارے معلومات سے زیادہ نہیں۔

قولہ باقی سوالات جو مرزا صاحب نے اس غرض سے کئے ہیں۔ کہ پہلے انسان اپنے گھر کو سوچ لے۔ اگر اپنے میں نقص ہو۔ تو دوسرے سے سوال نہ کرے۔ تمام جہان کے نزدیک یہ مسئلہ غلط ہے ہ

الزامی جواب دینے کیوجہ

اقول ماسٹر صاحب آپ تمام جہان کو کیوں ناحق بدنام کرتے ہیں اپنے خیالات عجیبہ سے غرض رکھیں۔ اس بات کو کون نہیں جانتا کہ بحث مباحثہ اظہارِ حق کی غرض سے ہونا چاہیئے یعنی اس نیت سے کہ اگر حق ظاہر ہو تو اُسے قبول کر لیں۔ مگر وہ شخص جو ایک بات کو اپنے لئے تو جائز

الزامی جواب دینے کی وجہ

رکھتا ہے۔ لیکن اگر فریق مخالف کے کسی امر مسلّم ہو اُس کے ہزار جزو میں سے ایک جزو بھی پائی جائے اور کیسی ہی خوبی سے پائی جائے۔ تب بھی اس کو قبول نہیں کرتا ایسے شخص کی نیت ہرگز بخیر نہیں ہوتی۔ اور جو وقت اُس کے ساتھ بحث میں خرچ ہو۔ وہ ناحق ضائع جاتا ہے۔ پس کیا یہ بری بات ہے کہ ایسے شخص کو سمجھایا جائے کہ بھائی جبکہ تو خود آپ ہی ایسی باتوں کو مانتا ہے۔ کہ نہ صرف بالاتر از عقل بلکہ خلاف عقل بھی ہیں۔ تو جو امور عقل محدود انسانی سے بالاتر ہیں۔ اور اُنکا ثبوت بھی بخوبی دیا جاتا ہے۔ اُن کے ماننے میں تجھے کیوں تامل ہے۔ بلکہ تمام تر دینداری و پرہیزگاری تو اس میں ہے کہ اگر انسان ایک بات کو اپنی رائے میں صحیح سمجھتا ہے۔ تو اسی نوع کی بات میں اپنے مخالف کیساتھ منکرانہ جھگڑا نہ لے بیٹھے۔ کیونکہ یہ اوباشانہ طریق ہے جس میں فریقین کی تضیع اوقات ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ ایسا جھگڑا کس قدر بُرا اور خلاف طریق انصاف ہوگا۔ کہ ایسی بات سے انکار کیا جائے کہ جو اپنے مسلّمات سے صدہا درجہ صفا اور پاک اور قدرت الٰہی میں داخل اور تاریخی طور پر ثبوت بھی اپنے ساتھ رکھتی ہو۔ بیشک ایسا ناحق جھگڑا کرنے والا اپنا اور اپنے مخالف کا وقت عزیز کھونا چاہتا ہے جس کو الزامی جواب سے متنبہ کرنا اپنے حفظ اوقات کے لئے فرض طریق مناظرہ ہے۔ اور نیز چونکہ دنیا میں مختلف طبیعتوں کے آدمی ہیں۔ بعض لوگ جو نادر الوجود ہیں۔ وہ تحقیقی بات سُن کر اپنی ضد چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اکثر عوام جو تحقیقی جواب سمجھنے کا مادہ ہی نہیں رکھتے۔ یا بعض انہیں سے کچھ مادہ تو رکھتے ہیں۔ مگر چاند پر خاک ڈالنا چاہتے ہیں۔ اس لئے ان کا منہ الزامی جوابوں سے بند ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الزامی طور پر چند مسلّمات آپ کے آپ کو سنائے گئے۔ ورنہ اصل مدار جواب کا تو تحقیق پر ہی ہے۔ بالآخر یہ بھی واضح رہے کہ ہرچند ہمارے ہاں بھی بہت سی بے بنیاد کہانیاں بطور معجزات گذشتہ دیوتاؤں کے لکھی ہیں۔ مثلاً رگوید اشٹک ۱ منڈل میں لکھا ہے۔ کہ اسونوں (دیوتاؤں) نے کسی نامعلوم زمانہ میں ایک لڑکی کو لوہے کی ٹانگیں دیدی تھیں۔ اور بانجھ کو دودھیلی کر دیا تھا۔ اور ایک اندھے کو سوجاکھا بنا دیا تھا۔ اور ایک شخص جسکا سر کٹ گیا تھا۔ بجائے اس سر کے گھوڑے کا سر اُس پر لگا دیا تھا۔ اور سیاوارشی کو جس کے تین ٹکڑے ہو گئے تھے۔ از سر نو زندہ کر دیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ مگر ہم نے الزامی جوابوں میں ان کہانیوں کو پیش نہیں کیا۔ کیونکہ گو ان بے اصل قصوں کو جنکا حوالہ کسی ایسے بے نشان زمانہ پر دیا گیا ہے۔ جو وید کے وجود سے پہلے گزر چکا ہے۔ تمام پُرانوں والے تو مانتے ہیں۔ مگر حال کے چند آریہ سماج والے ان مقامات وید

ہیں بڑی جانکنی سے بے سروپا اور پرتکلف تاویلیں کرتے ہیں ؛

تمت

آریوں کا اصول تناسخ قانون قدرت کے اصول کے منافی ہے

اے حضرات آریہ صاحبان اگر تمام جہان قانون قدرت کا قائل ہو جائے۔ پھر بھی آپ لوگوں کو قائل ہونیکی کوئی سبیل نہیں۔ کیونکہ قانون قدرت کے ماننے سے سب تانا بانا آپ کے مذہب کا ٹوٹ جاتا ہے۔ آپ لوگ تو تصرفات قدرتیہ جناب الٰہی کے قائل ہی نہیں۔ اور نہ قائل ہو سکتے ہیں۔ اور قانون قدرت کو ماننا تو آپ کا مذہب ہی نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔ وجہ یہ کہ آپ کا مسئلہ تناسخ تب قائم رہ سکتا ہے۔ کہ جب خدا تعالیٰ کو اس کے مختارانہ کاموں اور ارادی قدرتوں سے اور اختیاری تصرفات سے اور ذاتی طاقتوں اور ذاتی قوتوں سے ازل سے ابد تک معطل اور بیکار اور عاجز اور لاچار سمجھا جائے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ آپ لوگوں کا اواگون خدا تعالیٰ کے قانون قدرت کا ضد پڑا ہوا ہے۔ اور ضد بھی ایسی ضد کہ ایک کے ماننے سے دوسرا قائم نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اگر خدا تعالیٰ کے قادرانہ تصرفات کو تسلیم کیا جائے اور یہ مان لیا جائے۔ کہ اس نے تمام اجرام علوی اور اجسام سفلی کو اپنی قدرت ربوبیت سے پیدا کر کے اجزائے عالم کو باہم انضباط بخشتا ہے۔ اور محض اپنی قدرت کاملہ سے اور خاص اپنے ہی ارادے اور مشیت سے تمام چیزوں مادی و غیر مادی کو ایک پُر حکمت سلسلہ انتظام میں خود اپنی حکیمانہ مصلحت سے منسلک کیا ہے۔ تو یہی مان لینا جسکا نام دوسرے لفظوں میں قانون قدرت ہے۔ آپ کے اصول تناسخ کی بیخکنی کرتا ہے۔ وجہ یہ کہ آپ کا مسئلہ تناسخ اس بنا پر کھڑا کیا ہے۔ کہ یہ ترتیب عالم جو بالفعل موجود ہے۔ پرمیشر کے ارادہ اور قدرت سے نہیں۔ اور نہ اس کی حکمت اور مصلحت سے بلکہ گنہگاروں کے گناہ نے یہ مختلف صورتوں کی چیزیں پیدا کر دی ہیں جسمیں پرمیشور کا ذرا دخل نہیں۔ مثلاً گائے جو دودھ دیتی ہے۔ یا گھوڑا جو سواری کے کام آتا ہے۔ یا گدھا جو بوجھ اٹھاتا ہے۔ یا زمین جس پر ہم آباد ہیں یا چاند اور سورج جو دو چمکتے ہوئے چراغ اپنی مختلف قوتوں اور خاصیتوں سے انواع اقسام کے فواید دنیا کو پہنچاتے ہیں[1] یا گیہوں اور چنے اور چانول وغیرہ ماکولات جنکو ہم کھاتے ہیں۔

[1] شاید کسی ناواقف آریہ کو اس جگہ دھوکہ لگے۔ کہ آریہ سماج والے اس بات کے قائل نہیں ہیں۔ کہ سورج بطور تناسخ

یہ سب بقول آپ کے حقیقت میں انسانی روحیں ہیں۔ جو کبھی جنم گذشتہ کی شامت سے بطور تناسخ
یہ صورتیں اختیار کرتی ہیں۔ اور یہ سارا مجمع مختلف چیزوں کا جو زمین و آسمان میں نظر آتا ہے یہ

چاند یا سورج یا زمین وغیرہ سے بھی تعلق پکڑ لیتی ہے۔ بلکہ وہ ان چیزوں کو جڑ یا بیجان سمجھتے ہیں تو اس کے جواب
میں ماننا چاہیے کہ اول تو آریوں کا ایسا خیال کرنا کہ سورج و چاند و زمین و اگنی و وایو وغیرہ یہ سب روح چیزیں
میں جنمیں جان نہیں ہے۔ سراسر غلط اور وید کی تعلیم سے بھی منافی ہے۔ کیونکہ وید کے صدہا منتروں سے ثابت
ہے کہ سورج چاند اور اگنی وغیرہ ارکان اور اجرام عالم کیلئے ایک ایک روح ہے۔ ان روحوں کے یونانی و مجوسی بھی قائل
ہیں۔ ایسا ہی دنیا کے تمام تناسخیہ فرقے ان ارواح کو مانتے ہیں۔ بلکہ ان کا بیان ہے کہ جب انسانی
روح سورج و چاند ستاروں وغیرہ سے تعلق پکڑتی ہے۔ تو پھر وہ دیوتا بنکر قابل پرستش ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے تو قدیم
سے ہندو لوگ سورج و آگ وغیرہ کی پرستش کرتے آئے ہیں۔ اور اب بھی ان میں سے بہت سا گروہ اس پرستش
پر قائم ہے۔ یونانی بھی ان چیزوں کی پرستش کرتے رہے ہیں۔ اور انکا نام وہ ارباب الانواع رکھتے ہیں۔ گبر ون
کا آتش پرستی کرنا تو سب سے بڑھ کر ہے ؎ اگر صد سال گبر آتش فروزد ؎ چو یکدم اندراں افتد بسوزد
ماسوائے اس کے یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ ہر ایک جسم میں جتنے ذرات ہیں اسی قدر روحوں کا اس سے تعلق ہے
اگر ایک قطرہ پانی کا خوردبین سے دیکھا جاوے۔ تو ہزاروں کیڑے اسمیں نظر آتے ہیں۔ ویسا ہی پھلوں میں
اور بوٹیوں میں اور ہوا میں بھی کیڑے مشہود و محسوس ہیں۔ بہرحال ہر یک جسم دار چیز کیڑوں سے بھری ہوئی ہے مگر
کبھی وہ کیڑے مخفی ہوتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ بالقوہ پائے جاتے ہیں۔ اور کبھی مکمن قوت سے حیز فعل میں آ جاتے
ہیں۔ مثلاً جوار اناج کو دیکھو۔ تو بظاہر ایسا معلوم ہوگا کہ اسمیں کوئی کیڑا نہیں۔ اور خود بخود اس کے اندر ہی سے ہی کچھ
تغیر پیدا ہو کر اس قدر کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ کہ گویا وہ سب جسم کیڑے ہی کیڑے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ
ارواح کو اجسام سے ایک لازمی اور دائمی تعلق پڑا ہوا ہے۔ اب جو شخص تناسخ یعنی آواگون کا قائل ہے۔ ضرور اسکو
کہنا پڑے گا۔ کہ اجسام نباتی و معدنی و حیوانی و اجرام علوی کا ایک۔ ایک ذرہ کسی وقت انسان کا روح تھا کیونکہ
جیسا کہ تجربہ ثابت کر رہا ہے۔ ایک ایک ذرہ جسم سے ایک ایک روح تعلق رکھتا ہے۔ اور اجرام علوی میں روحوں کا
شاید ناواقفوں کی نظروں میں تعجب کا محل ہوگا لیکن حال کے فلسفیوں کی تحقیقاتوں نے کھول دیا ہے۔
کہ کرہ شمس و قمر وغیرہ جانداروں کی آبادی سے خالی نہیں۔ چنانچہ پنڈت دیانند اور اس کے پیرو بھی اس بات
کے قائل ہیں۔ سو یہ بات تو ہر ایک کو معلوم ہے۔ کہ جس کرہ میں کوئی جاندار چیز ہو۔ وہ اسی کرہ کے مادہ سے
پیدا ہوتی ہے۔ جیسے کرہ زمین میں جو کچھ ہے۔ وہ زمین سے ہی پیدا ہوا ہے۔ اور پیدا ہوتا ہے پس جبکہ
اجرام علوی میں جانداروں کا ہونا ثابت ہے جسکو آریہ لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ تو اس سے ظاہر ہے کہ وہ تمام جاندار

ویدسے ثابت ہے کہ سورج چاند زمین وغیرہ میں بھی روح ہے۔

آریوں کے اعتقاد کے مطابق دنیا کا ہر ایک آرام بدکاری سے میسر آتا ہے۔

سب حسب اصول آپ لوگوں کے اتفاقی ہے۔ جیسا یہ پرمیشر کے ارادہ اور قدرت کا سر مو دخل نہیں۔ اور نہ اس کو ان چیزوں کے زیادہ یا کم کرنے یا موجود یا معدوم کرنے میں ایک ذرا اختیار ہے۔ اور آپ لوگوں کے خیال میں یہ جما ہوا ہے۔ کہ اگر انسانی روحیں مرتکب گناہوں کی نہ ہوتیں تو یہ چندیں ہزار عالم مخلوقات جو نظر آرہا ہے۔ ان میں سے ایک بھی نہ ہوتا۔ گویا ہر یک آرام دنیا کا بزعم آپ لوگوں کے بدکاریوں سے ہی میسر آتا ہے۔ اور تمام دنیوی نعمتوں کے حاصل ہونے کا اصل موجب بدکاریاں ہی ہیں۔ کوئی شخص گناہ کرکے گائے کے جنم میں آئے۔ تو آپ دودھ پئیں۔ اور پھر کسی بدکاری سے گھوڑی کا جنم لے۔ تو آپ کو سواری میسر ہو۔ اور پھر کسی معصیت سے
گدھی یا خچر یا اونٹ کی جون میں پڑے۔ تو آپ کی باربرداری کا کام چلے۔ پھر اگر کوئی ایسا ٨٧
برا کام کرے جس کی سزا میں اس کو عورت کی جون میں ڈالا جائے۔ تو آپ لوگوں کو جورو نصیب ہو۔ اور اگر کوئی ایک شخص کسی شامت گناہ سے مرے۔ تب ہی روح اسکی بیٹا یا بیٹی بنکر آپ کو صاحب اولاد بنائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بموجب اصول آپ کے تمام سلسلہ خدائی کا گناہوں کے طفیل ہی چل رہا ہے۔ اور اگر گناہ ظہور میں نہ آتے تو پرمیشر تو کچھ چیز ہی نہیں تھا اور اسکی قدرتیں اور حکمتیں سب ہیچ اور بے حقیقت تھیں۔ پس آپ کو تو قانون قدرت کا نام ہی نہیں لینا چاہیئے۔ کیونکہ قانون قدرت کا تو یہ ضروری تقاضا ہے کہ تمام اجزائے عالم بحکم اس واضح قانون کے روز ازل سے باہم انضباط یافتہ ہیں۔ یہ نہیں کہ کسی اتفاقی شامت سے یہ ہزاروں قسم کی مخلوقات پیدا ہو گئی ہے۔ اور اگر وہ بلا اتفاق نہ ہوتا۔ تو پیدا ہونے سے رہجاتے۔ اور پرمیشر گو کیسا ہی اُن چیزوں کے پیدا کرنے کے لئے ارادہ کرتا مگر کچھ بھی نہ ہو
سکتا۔ غرض جب آپکا ایمان اور دھرم آپ کو ایسی ایسی تعلیمیں دے رہا ہے۔ تو پھر اس جگہ ٨٨
پرمیشر کی قدرتوں کا کیا ذکر اور قانون قدرت کے نام لینے کا کونسا محل ہے کیونکہ قدرت یا قانون قدرت تو اسے کہتے ہیں۔ کہ اول اس مالک کی خالقانہ طاقتوں اور قادرانہ تصرفات اور مختارانہ کاموں کو تسلیم کرکے پھر اس سلسلہ ظاہر طاقتوں کو قانون قدرت سے ملقب کیا جائے مگر اس جگہ تو وہ بات

سورج و چاند وغیرہ اجرام سے ہی پیدا ہوئے ہوں گے۔ اور اس پیدائش سے یہ ثابت ہو گیا کہ اجسام سفلی کی طرح اجرام علوی بھی کسی طور پر روحوں کی کائیں ہیں۔ پس اس سے تناسخ والوں کو ماننا پڑا کہ کسی زمانہ میں سورج چاند وغیرہ اجرام انسانی روحیں تھیں۔ اور پھر وہ کسی عمل کے نیک یا بد اثر سے سورج چاند وغیرہ اجرام بن گئے اور یہ اعتقاد جس قدر قانون قدرت اور عقل کا دشمن ہے۔ اس کے بیان کرنیکی بھی حاجت نہیں۔ فتدبر منہ

ہی نہیں رہی۔ اور پرمیشر صرف نام کا پرمیشر رہ گیا ہے۔ جس کو ایک ذرہ کے پیدا کرنے کی بھی طاقت نہیں ہاں روحوں پر کسی مخفی وجہ کے سبب سے اس کو تسلط ہو گیا ہے۔ شاید کسی اگلے جنم میں اُس نے بہت اچھے کرم کئے ہونگے۔ جس سے وہ اس حکمرانی کے لائق ٹھہر گیا۔ غرض جب پرمیشر میں قدرت کا نشان نہیں مختارانہ تصرفات کی طاقت نہیں۔ قادرانہ کاموں کی ہمت نہیں۔ ترتیب دنیا میں اس کو کچھ دخل ہی نہیں۔ تو پھر ظاہر ہے۔ کہ وہ اس لائق بھی نہیں۔ کہ اُس کا کوئی قانونِ قدرت ہو۔ بلکہ وہی مثل صادق آئے گی۔ کہ جامہ ندارم دامن از کجا آرم ہاں اپنے ہی گناہوں کا آپ کو شکر گذار ہونا چاہئے جنہوں نے آپکو گؤں کا دودھ پلایا۔ اور گھوڑوں پر چڑھایا۔ غرض سب آپ کا کام بنایا۔ اور سب کچھ کیا۔ اور کرایا حقیقت میں اس مسئلہ تناسخ نے آپ کو بہت کچھ فائدہ پہنچایا۔ اگر اس سے کچھ نقصان پہنچا۔ تو بس یہی کہ ایک تو پرمیشر ہاتھ سے گیا۔ اور دوسرا حلال حرام کا کچھ ٹھکانا نہ رہا۔ خیر پرمیشر کا تو آپکو کیا افسوس ہوگا۔ گزارہ تو چلا ہی جاتا ہے۔ مگر جو حلال حرام میں گڑ بڑ پڑ گیا۔ یہ خرابی ایک دنیادار غیرتمند کی نظر میں بھی جس کو ایک ذرہ ننگ و ناموس کا پاس ہو۔ قابل برداشت نہیں۔ کیونکہ اگر مسئلہ تناسخ صحیح ہے۔ تو اس کے رو سے ممکن ہے۔ کہ کسی شخص کی والدہ یا دختر یا حقیقی بہن یا دادی یا نانی مرنے کے بعد کسی عورت کی جون میں پڑ کر پھر اُسی شخص کے نکاح میں آ جائے جس کی ماں یا لڑکی ہے۔ اور دنیا جو ایک ظلمت گاہ اور بے تمیزی کی جگہ ہے۔ اسمیں کون آ کر خبر دے سکتا ہے کہ اے بھلے مانس اس سے شادی مت کر۔ یہ تو تیری ماں یا بہن یا دادی یا نانی ہے۔ سو سوچ کر دیکھ لینا چاہئے۔ کہ اس اواگون کے مسئلہ نے صرف آپ کے پرمیشر کی عزت پر ہی ہاتھ نہ ڈالا۔ بلکہ ایسے ایسے فتور بھی اس میں موجود ہیں۔ اور بلاشبہ جو شخص اس مسئلہ تناسخ کو روا اور جائز سمجھتا ہے۔ اس کو اس کے بد نتائج بھی روا اور جائز کہنے پڑینگے۔ مگر ہائے افسوس جو لوگ دنیا کے پرستار ہیں۔ اور قومی تعصبوں کی زنجیر میں گرفتار وہ اپنے بدعقیدوں کو کسی ڈھب چھوڑنا نہیں چاہتے۔ قوم کا رعب اُن کے دلوں پر ایسا غالب ہے کہ جو مخلوق پرستی کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ خدا تعالیٰ کا اُن کے دلوں میں اتنا بھی قدر نہیں۔ جو ایک بوڑھی عورت کو اپنے گھر کی سوئی کا ہوتا ہے ؎

آریہ کے مطابق حال نظم

دنیا کی حرص و آز میں کیا کچھ نہ کرتے ہیں | نقصاں جو ایک پیسہ کا دیکھیں تو مرتے ہیں
زر سے پیار کرتے ہیں اور دل لگاتے ہیں | ہوتے ہیں زر کے ایسے کہ بس مر ہی جاتے ہیں

جب اپنے دلبروں کو نہ جلدی سے پاتے ہیں | کیا کیا نہ اُن کے ہجر میں آنسو بہاتے ہیں
پر اُنکو اُس سجن کی طرف کچھ نظر نہیں | آنکھیں نہیں ہیں کان نہیں دل میں ڈر نہیں
اُن کے طریق و دھرم میں گو لاکھ ہو فساد | کیسا ہی ہو عیاں کہ وہ ہے جھوٹ اعتقاد
پر تب بھی مانتے ہیں اُسیکو بہر سبب | کیا حال کر دیا ہے تعصب نے ہے غضب
دل میں مگر یہی ہے کہ مرنا نہیں کبھی | ترک اس عیال و قوم کو کرنا نہیں کبھی

اے غافلان وفا نکند این سرائے خام
دنیائے دُوں نماند و نماند بکس مدام

تمت المباحثة الاُولیٰ

وللّٰہ الحمد فی الاُولیٰ والاخریٰ

مباحثۂ ثانیہ

منعقدہ ۱۴۔ مارچ ۱۸۸۶ء

اعتراض از طرف مؤلف رسالہ ہذا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آریہ صاحبوں کا اعتقاد ہے کہ پرمیشر نے کوئی روح پیدا نہیں کی۔ بلکہ کل ارواح انادی اور قدیم اور غیر مخلوق ہیں۔ ایسا ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ مکتی یعنی نجات ہمیشہ کے لیے انسان کو نہیں مل سکتی۔ بلکہ ایک مدت مقررہ تک مکتی خانہ میں رکھ کر پھر اس سے باہر نکالا جاتا ہے اب ہمارا اعتراض یہ ہے کہ یہ دونوں اعتقاد ایسے ہیں۔ کہ ایک کے قائم ہونے سے تو خدا تعالیٰ کی توحید بلکہ اس کی خدائی ہی دور ہوتی ہے۔ اور دوسرا اعتقاد ایسا ہے کہ بندہ وفادار پر ناحق کی سختی ہوتی ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اگر تمام ارواح کو اور ایسا ہی اجزاء صغار اجسام کو قدیم اور انادی مانا جائے۔ تو اس میں کئی قباحتیں ہیں۔ منجملہ ان کے ایک تو یہ کہ اس صورت میں خدا تعالیٰ کے وجود پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جس حالت میں بقول آریہ صاحبان ارواح یعنی جیو خود بخود موجود ہیں۔ اور ایسا ہی اجزاء صغار اجسام بھی خود بخود ہیں۔ تو پھر صرف جوڑنے جاڑنے کے لیے ضرورت صانع کی ثابت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ایک دہریہ جو خدا تعالیٰ کا منکر ہے۔ عذر پیش کر سکتا ہے۔ کہ جس حالت میں تم نے کل چیزوں کا وجود خود بخود بغیر ایجاد پرمیشر کے آپ ہی مان لیا ہے۔ تو پھر اس بات پر کیا دلیل ہے کہ ان چیزوں کے باہم جوڑنے جاڑنے کے لیے پرمیشر کی حاجت ہے۔ دوسری یہ قباحت کہ ایسا اعتقاد خود خدا تعالیٰ کو اس کی خدائی سے جواب دے رہا ہے۔ کیونکہ جو لوگ علم النفس اور خواص ارواح سے واقف ہیں۔ وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جس قدر ارواح میں عجائب و غرائب خواص بھرے ہوئے ہیں۔ وہ صرف جوڑنے جاڑنے سے پیدا نہیں ہو سکتے۔ مثلاً روحوں میں ایک قوت کشفی ہے۔ جس سے وہ پوشیدہ باتوں کو بعد مجاہدات دریافت کر سکتے ہیں۔ اور ایک قوت ان

آریوں کے اعتقاد سے کہ روح انادی ہیں خدا تعالیٰ کی توحید بلکہ اس کی خدائی ہی نہیں رہتی ہے

میں عقلی ہے جس سے وہ امورِ عقلیہ کو معلوم کر سکتے ہیں۔ ایسا ہی ایک قوت محبت بھی ان میں پائی
جاتی ہے جس سے وہ خدا تعالیٰ کی طرف جھکتے ہیں۔ اگر ان تمام قوتوں کو خود بخود بغیر ایجاد کسی موجد
کے مان لیا جائے۔ تو پرمیشر کی اس میں بڑی ہتک عزت ہے۔ گویا یہ کہنا پڑیگا۔ کہ جو عمدہ اور اعلیٰ
کام تھا۔ وہ تو خود بخود ہے۔ اور جو ادنیٰ اور ناقص کام تھا۔ وہ پرمیشر کے ہاتھ سے ہوا ہے۔ اور اس
بات کا اقرار کرنا ہوگا کہ جو خود بخود عجائب حکمتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ پرمیشر کے کاموں سے کہیں بڑھ
کر ہیں۔ ایسا کہ پرمیشر بھی ان سے حیران ہے۔ غرض اس اعتقاد سے آریہ صاحبوں کے خدا کی
خدائی پر بڑا صدمہ پہنچے گا۔ یاں تک کہ اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوگا۔ اور اس کے وجود پر کوئی عقلی
دلیل قائم نہ ہو سکے گی۔ اور نیز وہ مبدء کل فیوض کا نہیں ہو سکیگا۔ بلکہ اُس کا صرف ایک ناقص کام ہوگا
اور جو اعلیٰ درجہ کے عجائب کام ہیں۔ اُن کی نسبت یہی کہنا پڑیگا۔ کہ وہ سب خود بخود ہیں۔ لیکن ہر ایک
عقلمند سمجھ سکتا ہے۔ کہ اگر فی الحقیقت ایسا ہی ہے۔ تو اُس سے اگر فرضی طور پر پرمیشر کا وجود
ان بھی لیا جائے۔ تب بھی وہ نہایت ضعیف اور نکما سا وجود ہوگا جس کا عدم وجود مساوی ہوگا
یہاں تک کہ اگر اس کا مرنا بھی فرض کیا جائے۔ تو روحوں کا کچھ بھی حرج نہ ہوگا۔ اور وہ اس لائق
ہرگز نہیں ہوگا۔ کہ کوئی روح اُس کی بندگی کرنے کے لئے مجبور کی جائے۔ کیونکہ ہر ایک روح
اس کو جواب دے سکتی ہے۔ کہ جس حالت میں تم نے مجھے پیدا ہی نہیں کیا۔ اور نہ میری طاقتوں
اور قوتوں اور استعدادوں کو تم نے بنایا۔ تو پھر آپ کس استحقاق سے مجھ سے اپنی پرستش
چاہتے ہیں۔ اور نیز جبکہ پرمیشر روحوں کا خالق ہی نہیں۔ تو ان پر محیط بھی نہیں ہو سکتا۔ اور
جب احاطہ نہ ہو سکا۔ تو پرمیشر اور روحوں میں حجاب ہو گیا۔ اور جب حجاب ہوا۔ تو پرمیشر سرب
گیانی نہ ہو سکا۔ یعنی علم غیب پر قادر نہ ہوا۔ اور جب قادر نہ رہا۔ تو اس کی سب خدائی درہم برہم ہو
گئی۔ تو گویا پرمیشر ہی ہاتھ سے گیا۔ اور یہ بات ظاہر ہے۔ کہ علم کامل کسی شئے کا اُس کے بنانے
پر قادر کر دیتا ہے۔ اس لئے حکماء کا مقولہ ہے۔ کہ جب علم اپنے کمال تک پہنچ جائے۔ تو وہ عین
عمل ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں بالطبع سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آیا پرمیشر کو روحوں کی کیفیت
اور کُنہ کا پورا پورا علم بھی ہے یا نہیں۔ اگر اس کو پورا پورا علم ہے تو پھر کیا وجہ کہ باوجود پورا پورا علم ہونے کے
پھر ایسی ہی روح بنا نہیں سکتا۔ سو اس سوال پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ صرف یہی نہیں
کہ پرمیشر روحوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ بلکہ اُن کی نسبت پورا پورا علم بھی نہیں رکھتا۔ دوسرا
ٹکڑا ہمارے سوال کا حق العباد سے متعلق ہے۔ یعنی یہ کہ آریہ صاحبان کے اعتقاد مذکورہ بالا کی رو سے

علم اپنے کمال تک پہنچ جائے تو عین عمل ہو جاتا ہے۔

یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ پرمیشر اپنے بندوں سے بھی ناحق کا ایک بخل رکھتا ہے کیونکہ یہ بات صاف ظاہر ہے۔ کہ مکتی اور نجات کی اصل حقیقت یہی ہے۔ کہ انسان ماسوائے اللہ کی محبت سے منہ پھیر کر پرمیشر کی محبت میں ایسا محو ہو جائے۔ کہ جس طرح عاشق اپنے محبوب کے دیکھنے سے لذت اُٹھاتا ہے۔ ایسا ہی اپنے محبوب حقیقی کے تصور سے لذت اٹھائے۔ اور محبت بجز معرفت حاصل نہیں ہو سکتی اور قاعدہ کی بات ہے کہ موجب محبت کے دو ہی امر ہیں۔ یا حسن یا احسان پس جب انسان بہ باعث اپنی کامل معرفت کے خدا تعالیٰ کے حسن و احسان پر اطلاع کامل طور پر پاتا ہے۔ تو لامحالہ اس سے کامل محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور کامل محبت سے لذت ملتی ہے پس اسی جہان سے بہشتی زندگی عارف کی شروع ہو جاتی ہے اور وہی معرفت اور محبت عالم آخرت میں سرور دائمی کا موجب ہو جاتی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں نجات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب میں پوچھتا ہوں۔ کہ جب ایک شخص کو پورا پورا سامان نجات کا میسر آگیا اور پرمیشر کی کرپا اور فضل سے مکتی پا گیا تو پھر کیوں پرمیشر اُس کو ناکردہ گناہ مکتی خانہ سے باہر نکالتا ہے۔ کیا وہ اس بات سے چڑتا ہے۔ کہ کوئی عاجز بندہ ہمیشہ کے لئے آرام پا سکے جس حالت میں ابدی بقا کی روحوں میں قوت رکھی گئی ہے۔ تو کیا پرمیشر اپنے بندوں کو ابدی سرور نہیں دے سکتا۔ بعض صاحب اس جگہ پر یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ بندوں کے اعمال محدود ہیں اس لئے جزا بھی اس کی محدود ہی ملتی ہے میں کہتا ہوں کہ یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ عمل اعظم بندہ کا یہی ہے۔ کہ وہ وفاداری سے ایمان لاتا ہے۔ اور بے انتہا وفاداری کی نیت سے تکالیف مالی و جانی اُٹھانے کے لئے ہر وقت مستعد رہتا ہے۔ تو اس صورت میں عمل اُس کا محدود نہ ہوا۔ بلکہ غیر محدود ہوا۔ اگر پرمیشر اُس کو زندہ چھوڑتا۔ تو وہ کبھی بے وفائی نہ کرتا۔ یہ نعوذ باللہ پرمیشر کا قصور ہوا۔ کہ اُس نے اُس کو مہلت نہ دی۔ ماسوا اس کے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے موجب نجات و مکتی کا ایک ایسا امر ہے کہ وہ پرمیشر کی صحبت میں رہ کر کم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ترقی کرنا چاہیئے۔ کیونکہ کوئی عقلمند ہرگز خیال نہیں کر سکتا۔ کہ پرمیشر کی صحبت سے گیان اور محبت میں کچھ فرق آجاتا ہے۔ اور جس طرح ممکن نہیں کہ باوجود چراغ کے ہونے کے اندھیرا ہو جائے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ باوجود علل موجبہ مکتی کے پھر کوئی شخص مکتی خانہ سے باہر نکالا جائے۔ پرمیشر بمنزلہ خریدار کے نہیں ہے۔ تا یہ کہا جائے کہ جس قدر اُس نے کوئی چیز لی۔ اسی قدر اس نے دام بھی دے دئے بلکہ یہ معاملہ محبت و عشق کا ہے۔ اور کوئی منصف مزاج معشوق اپنے وفادار عاشق سے ایسا بد معاملہ

آریوں کے اعتقاد کے مطابق نجات ابدی نہ ملنے سے بندہ وفادار پر ظلم ہوتا ہے

اس اعتراض کا جواب کہ محدود اعمال کی جزا بھی محدود ہونی چاہیئے

ہرگز نہیں کر سکتا۔ کہ اُس کو ناحق خرابی میں ڈالے۔ ہم سوال کرتے ہیں۔ کہ آیا پرمیشر اس بات پر قادر ہے یا نہیں کہ اپنے بندہ کو ہمیشہ کے لئے مُکتی دے دے۔ اگر قادر ہے اور بندہ وفادار بھی اُس کا مستحق ہے۔ اور علل لازمہ موجبہ بھی دائمی مُکتی کو چاہتے ہیں۔ تو پھر کیوں پرمیشر ایسی سختی کرتا ہے۔ کہ اوّل ایک بندہ کو ایک ایسا مُقرب بنا کر کہ وہ اوتار ہو گیا۔ یا اُس پر وید نازل ہو گئے۔ پھر ناحق اس کی عزت بگاڑ دیتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ مختلف جونوں میں ڈال کر اُس کی کیڑوں مکوڑوں تک نوبت پہنچاتا ہے بعض صاحب یہ بھی جواب دیتے ہیں۔ کہ یہ کام پرمیشر نے ایک مصلحت سے اختیار کر رکھا ہے۔ اور وہ مصلحت یہ ہے۔ کہ چونکہ پرمیشر روحوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہے۔ کہ کل ارواح معدود اور محدود ہیں۔ تو اس صورت میں اگر پرمیشر ان سب کو مُکتی دے دے۔ تو پھر ہمیشہ دُنیا پیدا کرنے کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے کیونکہ جو روح مُکتی پا کر مُکتی خانہ میں گیا۔ وہ تو گویا ہاتھ سے گیا۔ اور بباعث نہ ہونے آمدن اور روزمرہ کے خرچ کی آخر سب روح ایک دن ختم ہو جائینگے۔ اور پھر پرمیشر دُنیا پیدا کرنے سے قاصر اور عاجز رہے گا۔ اور یہ امر خلافِ اصول آریہ سماج ہے۔ غرض آریہ صاحبوں کے اصول کے بموجب نہ پرمیشر کی توحید اور عظمت قائم رہتی ہے۔ اور نہ مُکتی یافتہ روح کبھی ناگہانی آفت سے نجات پا سکتے ہیں۔ بلکہ اُس شخص کی طرح جس کو ایک دورہ خاص پر مرگی کی بیماری پڑتی ہے ایسا ہی روحیں بھی ایک قسم کی بیماری میں ہمیشہ مُبتلا رہینگی۔ اور جیسے جیسے مُکتی خانہ سے نکالنے کا وقت نزدیک آتا جائیگا۔ ویسا ہی جزع فزع میں مُبتلا ہوتے جائینگے۔ خداوند کریم جل شانہٗ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ اما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوىٰ فان الجنت هى الماوىٰ یعنی جو شخص اپنے پروردگار سے ڈر کر تزکیہ نفس کرے۔ اور ماسوائے اللہ سے منہ پھیر کر خدائے تعالیٰ کی طرف رجوع لے آئے۔ تو وہ جنّت میں ہے۔ اور جنّت اس کی جگہ ہے۔ یعنی خود ایک روحانی جنّت بباعثِ قوّت ایمانی و حالتِ عرفانی اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ جو اس کے ساتھ رہتی ہے۔ اور وہ اس میں رہتا ہے۔ سو اس جگہ ماسٹر صاحب سے یہ بھی درخواست کرتا ہوں۔ کہ بہ مقابل اس آیت قرآنی کے جو جاودانی اور لازوال مُکتی پر دلیل پیش کر رہی ہے۔ جو کچھ وید میں محدود مُکتی کا فلسفہ بتلایا گیا ہے۔ وہ شرتی بھی اس جگہ پیش کر دیں +

۱۴ مارچ ۱۸۸۶ء

جواب لالہ مرلیدھر معہ جواب الجواب از حضرت مسیح موعود

جواب لالہ مرلیدھر صاحب معہ جواب الجواب از طرف مؤلف رسالہ ہذا

قولہٗ - مرزا صاحب فرماتے ہیں - کہ آریہ سماج والوں کا اعتقاد یہ ہے - کہ پرمیشر نے کوئی روح پیدا نہیں کی - اور کل ارواح انادی اور قدیم اور غیر مخلوق ہیں - ایسا ہی اُن کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ مکتی یعنی نجات ہمیشہ کے لئے کسی انسان کو نہیں مل سکتی - بلکہ ایک مدت مقررہ تک مکتی خانہ میں رکھ کر پھر اُس سے نکالا جاتا ہے - یہ بیان مرزا صاحب کا بہت کچھ فرق آریہ سماج کے اصولوں سے رکھتا ہے - جو آگے ظاہر کیا جائے گا +

اقول جاننے والے خوب جانتے ہیں - کہ اس بیان میں ذرہ فرق نہیں - بلاشبہ آریہ سماج والوں کے یہ دونوں اعتقاد ہیں - جن پر تناسخ یعنی آواگون کی بنیاد ہے - اگر کچھ فرق تھا تو آپ نے ظاہر کیا ہوتا - آپ نے وعدہ تو کیا کہ آگے جا کر اس فرق کو بیان کرینگے - مگر کسی جگہ بیان نہ کیا - کہ یہ فرق ہے بلکہ آگے جا کر تو بقول شخصے کہ دروغ گورا حافظہ نباشد آپ نے صاف اقرار کر دیا - کہ ایسا ہی اعتقاد آریہ سماج والے رکھتے ہیں - اصل بات تو یہ ہے - کہ آپ لوگوں کے دل بھی اس بات پر شہادت دیتے ہیں - کہ یہ وید کے دونوں اصول سخت درجہ کے مخالف عظمت وقدرت و توحید وشان الٰہی ہیں - اسی واسطے کبھی کبھی لوگوں کے شرم سے آپ لوگوں کی طبیعت اخفا کی طرف رجوع کر جاتی ہے - مگر ایسی باتوں کو آپ کیونکر چھپا سکتے ہیں - جو پنڈت دیانند صاحب کے قلم سے مشتہر ہو چکی ہیں - خویش وبیگانہ اس پر اطلاع پا چکے ہیں - ماسٹر صاحب؟ آپ بُرا نہ مانیں - آپ کے وید کی ایسی ایسی تعلیموں نے ناستک مت والوں (دہریوں) کو بہت کچھ مدد دی ہے - اگر غور سے دیکھا جائے - تو آریہ صاحبوں کا وید ایک ایسا خدا بتا رہا ہے جس سے حق جو آدمی ضرور ہے کہ نفرت کرے - وہ اپنے پرمیشر کو اپنی بادشاہی کا خود موجب نہیں سمجھتے - بلکہ ایسا خیال کرتے ہیں - کہ وہ بادشاہت کسی بخت واتفاق سے اس کو ملی ہے - یعنی اُس کی خوش قسمتی سے چند ارواح اور اجسام بنے بنائے اُس کو مل گئے ہیں - اور شاید ابھی ارواح واجسام کا کوئی اَور دفینہ بھی کسی جگہ پوشیدہ ہو جس کی ہنوز پرمیشر کو اطلاع نہیں ہوئی - مگر کیا یہ ایسا اعتقاد ہے - جس کو عظمت وقدرت وشان کبریائی حضرت اللہ جل شانہ کے مطابق کہہ سکتے ہیں خدائے تعالیٰ وہ کامل ذات ہے - جو تمام فیوض کا مبدء اور تمام انوار کا سرچشمہ اور تمام چیزوں کا قیوم اور تمام خوبیوں کا جامع اور تمام کمالات کا مستجمع اور عجز اور نقص اور احتیاج الی الغیر سے پاک ہے

آریہ کے وید کے خدا سے ضرور ہے کہ ایک حق جو آدمی نفرت کرے

لیکن تم سوچ کر دیکھو کہ کیا یہ صحیح نہیں ہے۔ کہ ارواح اور اجسام کی غیر مخلوق اور خود بخود ماننے سے ان تمام صفات کاملہ الٰہیہ میں سے کوئی بات بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ اور ایک ایسا سخت صدمہ اُس کی شان خدائی پر پہنچتا ہے۔ کہ اُس میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا ✣

آریوں کا علم الٰہی تعالیٰ کی نسبت خدا سے برخلاف متبلا ہونا

ایک ادنیٰ درجہ کی عقل بھی سمجھ سکتی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے ایک ہونے کے یہی معنے ہیں۔ کہ درحقیقت وجود اسی کا وجود ہے۔ اور باقی سب چیزیں اُس سے نکلی ہیں۔ اور اسی کے ساتھ قائم اور اُسی کے رشحاتِ فیض سے اپنے کمالات مطلوبہ تک پہنچتی ہیں۔ مگر افسوس کہ آریوں کا علمِ الٰہی اس کے برخلاف بتلا رہا ہے۔ اُن کی کتابیں انہیں واویلوں سے پر ہیں۔ کہ ہم بھی پرمیشر کی طرح قدیم اور غیر مخلوق اور انادی اور اس کی مشابہ اور اپنے اپنے وجود کے آپ خدا ہیں۔ نہیں سوچتے کہ اگر وہ بھی قدیم الذات اور قائم بذاتہ اور واجب الوجود ہیں۔ تو پھر خدا جیسے ہو کر اس کے ماتحت کیوں ہوگئے۔ اور کس نے درمیان میں ہو کر دونوں میں تعلق پیدا کر دیا۔ افسوس کہ ان لوگوں نے عقیدہ باطلہ وید سے ایسی محبت کی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور کمالیت کے لئے ذرہ غیرت باقی نہیں رہی۔ اور اس عقیدہ مذکورہ بالا کے بد تر اثر نے ان کا کچھ باقی نہیں چھوڑا۔ اور اسی بد اعتقاد کا بد اثر جاودانی نجات کا بھی رہزن ہوا ہے اور اسی کی نحوست سے آریہ مت کے دفتر میں ایک ہنگامہ مفاسد برپا ہو رہا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کو صحیح یا غلط طور پر ماننا ایک ایسا امر ہے کہ اُس کا اثر (جیسا کہ ہو) تمام باقی اصُولوں پر پڑتا ہے۔ اگر اس میں صلاحیت ہو تو دوسرے اصول بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور اگر اُس میں فساد ہو تو وہ فساد دوسرے اصولوں میں بھی سرایت کرتا ہے۔ اسی جہت سے اس اصل الاصول کے بگڑنے سے آریوں کے سب عقائد کی ستیاناس ہوئی ہے۔ اور سب خیالات کو اس ایک ہی بگڑے ہوئے خیال نے تہ و بالا کر دیا ہے اور اب جب تک اس کی اصلاح نہ ہو تب تک باقی خراب شدہ خیالات کسی نوع سے درستی پر نہیں آسکتے۔ اب حقیقت میں آریوں کو بڑی مشکل پیش آگئی ہے۔ اب ان دونوں وید اور پرمیشر سے ایک کو ضرور چھوڑنا پڑیگا ✣

یہ بات ایک لڑکا بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر سب ارواح اور اجسام خود بخود پرمیشر کی طرح قدیم اور 9
انادی ہیں۔ اور اپنے اپنے وجود کے آپ ہی خدا ہیں[1]۔ تو پرمیشر اس دعویٰ کا ہرگز مجاز نہیں ہا

[1] خدا بمعنی خود آیندہ ہے اور خدا تعالیٰ جل شانہٗ اسی وجہ سے خدا کہلاتا ہے کہ وہ کسی کے پیدا کرنے کے بغیر خود بخود ہے سو اگر ارواح و اجسام بھی خود بخود ہیں تو وہ سب خدا ہی ہوئے اور بموجب اصول آریہ کے ان کو بھی خدا کہنا جائز بلکہ واجب ہوا ✣ منہ

کریں ان چیزوں کا رب اور پیدا کنندہ ہوں۔ کیونکہ جب کہ ان چیزوں نے پرمیشر کے ہاتھ سے وجود ہی نہیں لیا۔ تو پھر ایسا پرمیشر اُن کا رب اور مالک کیونکر ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی بچہ بنا بنایا آسمان سے گرے یا زمین کے خمیر سے خود پیدا ہو جائے۔ تو کسی عورت کو یہ دعویٰ ہرگز نہیں پہنچتا کہ یہ میرا بچہ ہے۔ بلکہ اس کا بچہ وہی ہوگا۔ جو اس کے پیٹ سے نکلا ہے۔ سو جو خدا کے ہاتھ سے نکلا ہے وہی خدا کا ہے۔ اور جو اس کے ہاتھ سے نہیں نکلا۔ وہ اس کا کسی طور سے نہیں ہو سکتا۔ کوئی صالح اور بھلا مانس ایسی چیزوں پر ہرگز قبضہ نہیں کرتا۔ جو اس کی نہ ہوں تو پھر کیونکر آریوں کے پرمیشر نے ایسی چیزوں پر قبضہ کر لیا جن پر قبضہ کرنے کا اس کو کوئی استحقاق نہیں سو سوچنا چاہیئے۔ کہ یہ بات کس قدر مکروہ اور دور از حقانیت ہے۔ کہ مالک الخلق اور رب العالمین کو اس کی مخلوقات سے جواب دیا جاتا ہے۔ اور جو اصل حقیقت خدائی کی تھی اس سے اس کو الگ کیا جاتا ہے۔ ہم سچ سچ کہتے ہیں۔ کہ اگر ہندوؤں کے وید میں کوئی اور غلطی نہ ہوتی۔ تو اس کے مخالف حق ہونے کے لئے یہی ایک بڑی دلیل تھی۔ کہ خدا تعالیٰ کی صفات حقہ کے بیان کرنے میں اس نے ایسی رہزنی کی ہے۔ کہ جو خدا تعالیٰ کی خدائی قائم ہونے کے لئے بہت ضروری امر تھا۔ وہی اس نے جڑھ سے اکھیڑ دیا ہے +

آریہ کے اعتقاد کے مطابق اللہ تعالیٰ مالک الخلق اور رب العالمین نہیں بنتا

ایسا ہی ذرا سوچ کر معلوم کر لینا چاہیئے۔ کہ اگر یہ تمام روحیں جن کے پیدا کرنے کی پرمیشر کو طاقت نہیں ہمیشہ کے لئے مکتی پا جائیں۔ تو پھر پرمیشر بجز اس کے کہ مجبوری کے طور پر خالی ہاتھ بیٹھا رہے۔ اور کیا کر سکتا ہے۔ تو اس صورت میں وہ اصول آریہ سماج والوں کا جو دنیا کا سلسلہ ہمیشہ بنا رہتا ہے۔ کیونکر قائم رہ سکتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ آپ لوگوں کے اعتقاد کے رو سے پرمیشر کی بادشاہت صرف غیر مخلوق روحوں کے سہارے سے چل رہی ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ پرمیشر روحوں کو کبھی جاودانی مکتی نہیں دیگا۔ تو پھر کیونکر سلسلہ دنیا کا منقطع ہوگا۔ اور کیونکر پرمیشر مجبور ہو کر خالی بیٹھے گا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ ایراد اعتراض کے لئے محض فرض کرنا نجاتِ ابدی کا جو امور ممکنہ میں داخل ہے کافی ہے کیونکہ فن فلسفہ میں امور جائزۃ الوقوع میں صرف اُن کے فرض وقوع پر بحث کی جاتی ہے۔ نہ تحقق فی الخارج میں فلسفی کو اس سے کچھ غرض نہیں کہ وہ امر وقوع میں آیا یا نہ آیا۔ بلکہ فلسفی قطع نظر وقوع لاوقوع سے صرف مادہ جواز پر برہان قائم کرتا ہے۔ مثلاً فلسفی کہتا ہے۔ کہ اگر زید ایک تولہ زہر کھالے۔ تو بے شک مر جائیگا۔ کیونکہ صدہا مرتبہ کا تجربہ صحیحہ صادقہ اس بات پر شہادت دے رہا ہے۔ پس اس کے جواب میں یہ معارضہ کہ زید نے عمد

فن فلسفہ میں امور جائزۃ الوقوع میں صرف ان کے فرض وقوع پر بحث کی جاتی ہے۔

کیا ہوا ہے کہ میں ہرگز زہر نہیں کھاؤنگا حجت کو اُٹھا نہیں سکتا۔ کیونکہ گو زید زہر کھاتا نہیں چاہتا اور فرض کیا کہ اُس نے عہد کیا ہوا ہے۔ کہ میں ہرگز زہر نہیں کھاؤنگا لیکن عند العقل اُس کا زہر کھانا اور مرنا ممکن ہے۔ اسی واسطے صناعت منطق میں قضیہ ضروریہ مطلقہ سے قضیہ دائمہ مطلقہ کو اخص مطلق قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً یہ قضیہ کہ ہریک انسان بالضرورت حیوان ہے یعنی حیوانیت ہریک انسان کے وجود کو صفت ضروری ہے۔ کہ جو اس کے وجود سے منفک نہیں ہو سکتی۔ یہ قضیہ ضروریہ مطلقہ ہے۔ اور یہ دوسرا قضیہ کہ زید جو وکیل ہے ہمیشہ مقدمہ میں فتح پاتا ہے۔ دائمہ مطلقہ ہے پس یہ جو دائمہ مطلقہ ہے۔ قضیہ ضروریہ مطلقہ سے اسی واسطے اخص سمجھا جاتا ہے۔ کہ گو فتح پاتا زید کا مثل مفہوم ضروریہ مطلقہ کے جمیع اوقات میں پایا جاتا ہے۔ اور ہمیشہ زید مقدمہ کو جیتتا ہے۔ لیکن اُس کا جیتنا اور فتح پانا عند العقل ضروری نہیں۔ برخلاف قضیہ ضروریہ مطلقہ کے کہ اس میں دوام نسبت حیوانیت کا انسان سے جو موضوع قضیہ کا ہے ضروری ہے۔ کیونکہ عقل ہارنا اور شکست کھانا زید کا تجویز کر سکتی ہے۔ گو اب تک ایک ظاہری اتفاق سے زید ہارا نہیں۔ اور نہ کبھی شکست کھائی لیکن کوئی عقل سلیم سلب نسبت حیوانیت کا انسان سے تجویز نہیں کر سکتے۔ غرض جو امر عند العقل ممکن الوقوع ہے۔ خارج میں اس کا واقع ہونا شرط نہیں اور نہ وقوع فی الخارج اور امکان فی نفس الامر میں کسی طرح کا تلازم ذہنی ہے۔ پس اسی دلیل سے روحوں کا انادی ماننا نہ صرف خدا تعالیٰ کے ازلی جلال اور اس کی صفت ربوبیت اور مبدء فیوض ہونے کو صدمہ پہنچاتا ہے۔ بلکہ اس کی ابدی خدائی اور قدرت نمائی کا بھی جو مدار کاروبار الوہیت ہے۔ بکلی استیصال کر کے اُس کے نام و نشان کو مٹانا چاہتا ہے۔ غرض یہ اصول اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا دشمن ہے +

ایسا ہی اس کا بدنتیجہ جو نجات محدود ہے۔ ہر وقت یہ بات یاد دلاتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ بوجہ خالق نہ ہونے کے ناقص القدرت تھا۔ اور بغیر مکتی محدود کے اس کی خدائی نہیں چل سکتی تھی۔ اس لئے مجبوراً اس نے مکتی کو محدود رکھا۔ گویا لوگوں کو اپنی بدقسمتی سے ایک ادھورا خدا ملا۔ جو نجات جاودانی دینے پر قادر ہی نہ تھا۔ اس لئے اس کے بدقسمت بندے ہمیشہ کی نجات پانے سے رہ گئے اور اس جگہ پرمیشر کا خیر خواہ بنکر مکتی محدود کا یہ جواب دینا کہ انسان دائمی مکتی پانیکا حق نہیں رکھتا اسلئے پرمیشر اس کو دائمی مکتی نہیں دیتا۔ ایک ہنسی کی بات ہے۔ کیونکہ پرمیشر تو بوجہ اپنے ضعف اور عجز اور ناطاقتی کے کسی وجہ سے دائمی مکتی دے ہی نہیں سکتا۔ اور نہ ایسی قدرت رکھتا ہے۔ تو پھر اس صورت میں بندہ کے اعمال کا ذکر کرنا ہی فضول ہے۔ کیا بندہ اپنے دائمی ایمان اور وفاداری کی وجہ سے دائمی جزا کا مستحق نہیں ٹھہر سکتا۔ لیکن جب پرمیشر میں

آریہ کا خدا ناقص القدرت ہے

طاقت ہی نہیں ۔ تو دائمی مکتی کون دیوے ۔ اور اگر پرمیشر دائمی نجات دینے کا ارادہ بھی کرے کر کیا سکتا ہے ۔ اب دیکھو کس قدر آریہ صاحبان اپنے پرمیشر کی ہتک کر رہے ہیں ۔ ہم کیونکر باور کریں ۔ کہ وہ اس قدر موٹی بات کو بھی سمجھتے نہیں یا کیونکر ہم تسلیم کر لیں ۔ کہ ان کی انسانی فطرت ایسی مسخ ہو گئی ہے ۔ کہ ایسی صاف صاف صداقتیں بھی اُن کی ٹیڑھی نظر میں غلط دکھائی دیتی ہیں بلکہ سارا موجب قوم اور برادری کا پاس ہے جس کے باعث لاکھوں دنیا پرست خدا کو اور اسکی پاک راہوں کو چھوڑ دیتے ہیں ۔

آریہ کو خطاب نظم فارسی

اے ز تعلیمِ وید آوارہ — منکر از فیض بخشش ہموارہ — آں قدیرے کہ نیست زو چارہ
نزدِ تو عاجز ست و ناکارہ — بشنوی گر بود بحق روئے — شورِ قالوا بلیٰ ز ہر سوئے
آنکہ باذاتِ او بقا و حیات — چوں نباشد بدیع ماآں ذات — ناتوانی ست طورِ مخلوقات
کے خدا ایچنیں بود ہیہات — کے پسند د خرد کہ ربّ قدیر — ناتواں باشد و ضعیف و حقیر
نظرے کن بشانِ ربانی — داوری ہا مکن بنادانی — اینچہ دین ست اینچہ آئین ست
کہ خدا ناتوان و مسکین است — گر بدیں دین و کیش ہستی شاد — مایۂ عمر را دہی برباد

قولہ مرزا صاحب فرماتے ہیں ۔ کہ (آریہ سماج والوں کے اعتقاد کی رو سے) مکتی شدہ شخص مکتی خانہ سے نکالا جاتا ہے ۔ اس کا جواب یہ ہے ۔ کہ آریہ سماج کے اصولوں کے موافق کوئی مکتی خانہ علیحدہ عمارت نہیں ۔

مکتی خانہ سے کیا مراد ہے

اقول سبحان اللہ کیا عمدہ جواب ہے ۔ اعتراض تو یہ تھا ۔ کہ روحوں کو انادی اور قدیم اور پرمیشر کی طرح واجب الوجود اور غیر مخلوق ماننے سے پرمیشر ایسا کمزور اور مجبور ٹھہر جاتا ہے ۔ کہ وہ کسی طرح روحوں کو دائمی نجات دینے پر قادر نہیں ہو سکتا ۔ گو ارادہ بھی کرے ۔ کیونکہ دائمی نجات دینے سے اس کی خدائی کا سلسلہ دور ہوتا ہے ۔ آپ اس کا جواب دیتے ہیں ۔ کہ مکتی خانہ کوئی علیحدہ عمارت نہیں جس سے نکالا جائے ۔ ناظرین سوچ سکتے ہیں ۔ کہ یہ کس قسم کا جواب ہے ۔ جس حالت میں آریوں کا بالاتفاق یہ اصول ہے ۔ کہ ہمیشہ کے لئے کسی کی مکتی نہیں ہو سکتی کوئی اوتار ہو یا رشی ہو یا منی ہو بلکہ کچھ مدت تک نجات دے کر پھر اس دار النجات سے دار التناسخ کی طرف بھیجے جاتے ہیں ۔ اور مختلف جونوں میں گردش کرتے کرتے کیڑوں مکوڑوں تک نوبت پہنچتی ہے ۔ تو پھر کیا یہ اصول ماسٹر صاحب کو یاد نہیں ۔ یا دانستہ لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں ۔ اور اگر ماسٹر صاحب کو لفظی نزاع کے طور پر یہ اعتراض ہے کہ مکتی خانہ کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے ۔ کیا کوئی اینٹوں یا پتھروں کی وہاں عمارت ہے جس کو خانہ کہنا چاہئے ۔ تو ہمیں

صرف ماسٹر صاحب کے اعتقاد پر افسوس نہ ہوگا۔ بلکہ اُن کی علمیت ومحاورہ دانی پر بھی سخت افسوس ہوگا۔ کیا ماسٹر صاحب نہیں جانتے کہ تمام الفاظ تحقیقی طور پر ہی مستعمل نہیں ہوا کرتے۔ بلکہ مجازات واستعارات بھی استعمال میں آتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے۔ کہ میں نے ایک بوتل شربت کی پی لی۔ یا ایک رکیبی چاولوں کی کھالی۔ تو کیا ماسٹر صاحب اس سے یہ سمجھیں گے۔ کہ اُس نے بوتل اور رکیبی کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے کھالیا ہے۔ اسی طرح خانہ (یا دار) کا لفظ کئی محلوں اور موقعوں پر بولا جاتا ہے۔ اور ہر جگہ اینٹوں یا پتھروں کی عمارات مراد نہیں ہوتیں۔ سو جس حالت میں آریوں کے نزدیک دُنیا دار التناسخ ہے۔ تو کیا بے جا ہوا اگر بمقابل اس کے دوسرے جہان کا نام دار النجات (مکتی خانہ) رکھا گیا۔ اگر اب بھی ماسٹر صاحب کے دل کو کوئی وہم پکڑتا ہو تو کسی اپنے زیرک بھائی بند کو پوچھ کر دیکھ لیویں ✦

قولہ۔ مرزا صاحب اپنا اعتقاد یاد کریں۔ کہ اُنہوں نے مانا ہوا ہے۔ کہ انسان بعد مرنے کے نجات پاکر ایک مکان بہشت میں رہے گا جہاں عمدہ باغ خدا نے لگایا ہوا ہے۔ اچھی اچھی عورتیں یا حوریں موجود ہیں۔ نہریں شراب وغیرہ کی جاری ہیں۔ غرض نجات کی حالت میں بھی دنیاوی سامان موجود ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ بلکہ وہاں وہ باتیں بھی موجود ہوں گی جو یہاں ممنوع ہیں۔ مثلاً شراب اور بہت سی عورتیں مگر ایسا نہیں۔ بلکہ نجات شدہ لوگ بڑے آنند اور خود مختاری کی حالت میں رہیں گے ✦

اقول۔ اے ماسٹر صاحب آپ یہ بے اصل باتیں منہ سے نکالتے ہوئے کچھ شرم تو کریں اتنا جھوٹ کیونکر ہضم ہوگا۔ بھلا جب حسب اصول آپ کے نجات یافتہ لوگ ایک مدت مقررہ کے بعد مکتی خانہ سے کان پکڑ کر باہر نکال دیئے جائینگے۔ اور اُن کے رونے چلانے پر کچھ رحم نہیں کیا جائیگا۔ بلکہ بڑی سختی سے خلاف مرضی اُن کے حکم اخراج عمل میں آئیگا۔ اور بڑی ذلت اور رسوائی سے بقول شخصے کہ ع (پا بدست دگرے دست بدست دگرے) مکتی خانہ سے باہر پھینکے جائیں گے۔ تو کیا اس وقت اُن کے لئے وہ سُرگ نرگ کا نمونہ بلکہ اُس سے بدتر نہیں ہو جائے گا۔ تو پھر اُس مجبورانہ مصیبت کے وقت خود مختاری کہاں رہیگی۔ اور آنند کیسا ہوگا۔ آپ کہتے ہیں کہ نجات شدہ لوگ بڑی خوشی اور آنند میں رہیں گے۔ افسوس ہے آپ کی سمجھ پر کیا ایسے مقام میں بھی کوئی کامل خوشی میسر آسکتی ہے جس میں نکالے جانے اور پھر دوہری مرتبہ کروڑہا برسوں کی مصیبتوں کا دغدغہ درپیش ہے اور ہر دم یہی فکر جان کو کھا رہا

ہے۔ کہ اب تھوڑے عرصہ کے بعد بے شمار ذلتوں اور رسوائیوں کا منہ دیکھنا ہوگا۔ پھر کیڑے مکوڑے کُتّے بلّے بننا ہوگا۔ پھر ایک گناہ کے بدلے میں لاکھوں جُونیں بھگتنی ہونگی۔ اور زمانہ دراز اور مدت غیر معین تک دُکھوں دردوں کو اُٹھانا ہوگا۔ کیا جس کو اس قدر یقینی اور قطعی طور پر غم درپیش ہے۔ اور غم بھی کیسا غم کہ لاعلاج وہ بھی خوش رہ سکتا ہے۔ سو آپ کس منہ سے کہہ سکتے ہیں کہ جس مُکتی خانہ کا وید نے ذکر کیا ہے۔ وہ بڑی آنند اور خود مختاری اور خوشی کی جگہ ہے آپ کے مُکتی خانہ سے خدا کی پناہ اگر ایسا ہی پرمیشر اور ایسا ہی اس کا مُکتی خانہ ہے تو پھر بدقسمت زاہدوں عابدوں کے لئے اِس جگہ بھی رونا اور اُس جگہ بھی رونا ہی ہوگا ◆

نئی جنت پر آریہ اعتراض کا جواب

رہا آپ کا یہ اعتراض کہ مسلمانوں کی بہشت میں دنیوی نعمتیں بھی موجود ہونگی۔ تو یہ کچھ اعتراض کی بات نہیں بلکہ اس سے تو آپ کو اور آپ کے پرمیشر کو بہت شرمندہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ مسلمانوں کے خداوند قادر اور غنی مطلق نے تو دائمی اور جاودانی طور پر سب کچھ اپنے بے انتہا خزانوں سے عالمِ آخرت میں قرآن شریف پر ایمان لانے والوں کو عطا کیا ہے۔ اور روحانی اور جسمانی دونو طور کی نعمتیں مرحمت فرمائیں۔ کیونکہ وہ جانتا تھا۔ کہ اس کے سچے پرستار اس دنیا میں صرف روح ہی سے اُس کی بندگی اور اطاعت نہیں کرتے۔ بلکہ روح اور جسم دونوں سے کرتے ہیں۔ اور خلقت انسانی کا کمال صرف روح ہی سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ جسم اور روح دونوں کے امتزاج واختلاط سے پیدا ہوتا ہے۔ سو اُس نے فرمانبرداروں کو سعادت تامہ تک پہنچانے کے لئے اور اُن کو پورا پورا اجر دینے کے لئے نجاتِ جاودانی کی لذات کو دو قسم پر مشتمل کیا اپنے محبوبانہ دیدار کی لذتیں بھی دیں اور اپنی دوسری نعمتیں بھی بارش کی طرح اُن پر برسائیں غرض وہ کام کر دکھایا۔ جو اس قادر عظیم الشان کی قدرتوں اور عظمتوں اور بے انتہا رحمتوں کے لائق ہے لیکن آپ کا پرمیشر تو مفلس اور دیوالیہ ہی نکلا۔ اور اپنی عاجزی اور دُرویشی اور مفلسی اور ناطاقتی اور بے اختیاری کے باعث سے آپ لوگوں کو کسی ٹھکانہ نہ لگا سکا۔ اور نہ کوئی مستقل خوشی پہنچا سکا۔ غرض کچھ بھی نہ کر سکا۔ نہ روحانی نعمتیں ہمیشہ کے لئے دے سکا۔ نہ جسمانی اور دونوں طور سے آپ کو ناکام اور نامراد اور محروم اور بے نصیب رکھا اور جس کے لئے مرتے تھے۔ اور جاں نثاری کرتے تھے۔ وہ ایسا نامنصف اور بے سمجھ اور مورکھ اور بیخبر نکلا کہ اُس نے تمہاری روحانی اور بدنی مشقتوں کا کچھ بھی قدر نہ کیا اور اپنی اُلٹی سمجھ سے عاشقانہ وفاداریوں اور جاں نثاریوں کو چند روزہ مزدوری خیال کر لیا کیا ایسے بخیل اور ناطاقت

بے سمجھ پرمیشر سے محبتیں بڑھ سکتی ہیں۔ اور صفائی کامل سے کوئی دل رجوع ہو سکتا ہے ہر گز نہیں بلکہ اُس کی قدرت اور سخاوت اور قدر شناسی کی حقیقت کھلنے سے جپ تپ کرنے والوں کی روحیں بہت ہی افسوسناک اور نادم ہوں گی۔ کہ اگر یہی پرمیشر اور یہی اُس کی مُکتی تھی۔ تو ہم نے خواہ مخواہ کی ٹکریں کیوں ماریں۔ اور مُکتی خانہ سے نکالے جانے کے وقت ضرور مضمون اس شعر کا رو رو کر پڑھتے ہوں گے ؎

اب تو کچھ سمجھ کے جان تجھ پہ کرینگے قُربان ۔ ہم تو اس روز کو چھپاتے ہیں جب دل ہی دیا

سو خدائی کے کام وہ ہیں نہ یہ اور چارہ سازی اور بندہ نوازی اُس کو کہتے ہیں نہ اس کو ع
بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ وید کے رو سے اس ناکارہ اور ناقص مُکتی کا ملنا بھی آپ لوگوں کے لئے محال ہے۔ اور آپ کے پرمیشر نے محض ٹالنے کی غرض سے مُکتی کے ملنے میں ایسی دُشواریاں ڈال دی ہیں۔ جو ممکن ہی نہیں۔ کہ آپ لوگ ان سے مخلصی پا سکیں بھلا جب ایک گناہ کے لئے ایک لاکھ اور کئی ہزار جون کی سزا ٹھہری اور ایک طرفۃ العین یعنی ایک پلکارہ بھی خدا تعالےٰ سے غافل ہونا گناہ ٹھہرا تو پھر مکتی پانے کی کون سی راہ باقی رہی۔ سو اگر آپ لوگ حقیقت حال کو سوچیں تو اپنی نومیدی کی حالت کو دیکھ کر ماتم کریں۔ اور سوگ میں بیٹھیں کیونکہ پرمیشر نے تو ایک طرح سے مُکتی دینے سے آپ لوگوں کو جواب دے دیا ہے۔ کیونکہ نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچیگی۔ کیا اس زندگی موجودہ میں کوئی شخص آپ لوگوں میں سے دعوےٰ کر سکتا ہے۔ کہ میں نے کبھی کسی قسم کا گناہ نہیں کیا نہ صغیرہ نہ کبیرہ اور نہ کبھی جھوٹ زبان پر آیا۔ اور نہ کبھی کسی کو زبان یا ہاتھ یا آنکھ وغیرہ سے ستایا۔ اور نہ کبھی مال ناجائز کھایا اور نہ کبھی ایک سیکنڈ بھی اپنے پرمیشر کو بھلایا اور نہ کسی اور قسم کا گناہ یا بد خیال دل میں آیا۔ میں جانتا ہوں کہ ایسا دعوےٰ کرنا ممکن ہی نہیں۔ تو پھر کسی آئندہ جون کا بھی اسی پر قیاس کر لیجئے کیونکہ اس دار الغفلت دُنیا میں گناہ انسان کی فطرت کو لگا ہوا ہے۔ اور جیسے فطرتی خواص اس موجودہ زندگی میں آپ سے الگ نہیں ہو سکے ایسا ہی کسی آئندہ جون میں دُنیا میں آ کر ان فطرتی خواص کا بکلی دور ہو جانا ممتنع اور محال ہے۔ بعض موٹی سمجھ کے آدمی جن کو بباعث اپنی نادانی اور نقصان علمی کے گناہ کی فلاسفی معلوم نہیں وہ شاید بوجہ اپنے کمال درجہ کی سادہ لوحی کے ایسا خیال کرتے ہونگے کہ گویا گناہ انہیں دو چار باتوں کا نام ہے۔ کہ انسان ارتکاب زنا یا خون یا افتراءات دروغی پر دلیری کرے یا کسی جگہ سیندھ لگا دے۔ یا کسی کی گانٹھ کتر لے اور پھر جب ان چند

اور یہ کہ اعتقاد کے مطابق مکتی ملنا محال ہے

معدود اور مشہور جرائم کو چھوڑ دے۔ تو پھر گناہ سے بکلی پاک اور صفا ہو گیا۔ اور اپنے پرمیشر کو کہہ سکتا ہے۔ کہ اب تیرے حقوق سب مَیں نے ادا کر دیئے۔ اور جو کچھ کرنا میرے پر واجب تھا۔ سب کچھ مَیں کر گزرا۔ لیکن درحقیقت یہ خیال سراسر غلط بلکہ بھاری گناہ ہے۔ جو انسان اپنے تئیں بے گناہ اور خدا تعالیٰ کے سارے حقوق کو ادا کرنے والا خیال کرے۔ اسی وجہ سے راستبازوں اور مقدسوں نے طریق تواضع اور فروتنی اور استغفار کو لازم پکڑا اور کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ کہ مَیں بکلی نیک اور بے گناہ ہوں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو کسی نے کہا۔ کہ اے نیک اُستاد تو آپ نے یہ پیارا اور دلکش جواب دیا۔ کہ مَیں نیک نہیں ہوں۔ یعنی ایک گنہگار آدمی ہوں مجھے تو کیوں نیک کہتا ہوں۔ سُبحان اللہ معرفتِ الٰہی انہیں پاک لوگوں کے حصّہ میں آئی تھی جنہوں نے کیسے ہی تقدس کی حالت میں بھی اپنے تئیں بیگناہ اور نیک نہیں سمجھا اور حقیقت میں اس سے بڑھکر اور کوئی گناہ نہیں کہ اپنے تئیں بیگناہ خیال کیا جائے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ گناہ انسان کی سرشت کو ایک لازم غیر منفک ہے جس کا تدارک صرف رحمت اور مغفرت الٰہی کر سکتی ہے۔ نہ کوئی اَور چیز۔ اور اگر خدا تعالیٰ ہر ایک گناہ پر سزا دینے لگے۔ اور استغفار اور توبہ قبول نہ ہو اور فضل شامل حال نہ ہو تو بندہ کبھی نجات نہیں پا سکتا مثلاً اگر یہ سزا ہندوؤں کے اصول کے طور پر دی جائے یعنی جونوں میں ڈالا جائے۔ تو اگر ہندوؤں کا پرمیشر قطع نظر ایک لاکھ جون کے ایک گناہ کے عوض میں صرف ایک جون کی سزا پر ہی کفایت کرے۔ تب بھی اس بے انتہا سلسلہ کا انقطاع محال ہے۔ چہ جائیکہ ایک گناہ کے بدلے میں دو لاکھ کے قریب جون بھگتنی پڑے اور پھر اُس گناہ سے فراغت ہو کر دوسرے گناہ کی سزا نئے سرے سے شروع ہو اور ایک طرف بندہ سزائیں پاتا جائے۔ اور ایک طرف نئے گناہ جو اُس کی فطرت کو لگے ہوئے ہیں۔ اور ہر دم اور ہر لحظہ اُس سے صادر ہو رہے ہیں۔ انبار کے انبار جمع ہوتے جائیں۔ پس جبکہ حقیقت گناہ یہ ہے۔ اور اس سے مخلصی پانا عند العقل محال ہے۔ تو اس صورت میں ظاہر ہے۔ کہ اگر مکتی پانا اسی بات پر موقوف ہے کہ کسی قسم کا گناہ باقی نہ رہے اور کسی نوع سے خطا صادر نہ ہو سکے تو آریوں کے مُکتی پانے کے کوئی لچھن نظر نہیں آتے اور فرض کے طور پر اگر مان بھی لیں۔ کہ کوئی آریہ ان سب شرائط کو پورا کر کے کسی زمانہ میں مُکتی پا جائیگا۔ تو پھر بھی مُکتی پانا نہ پانا اس کا برابر ہوگا۔ کیونکہ صرف تھوڑے عرصہ تک مکتی خانہ میں پتھر کی طرح پڑا رہیگا۔ اور پھر جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ پرمیشر اپنی تلون مزاجی سے اُس پر ناحق ناراض ہو کر سخت ذلیل اور رسوا کر کے اس کو باہر نکال دیگا۔ اور چوروں کی طرح ہاتھوں

میں اس کے مجبوری کی ہتھ کڑی ہوگی - اور پاؤں میں روگ کا زنجیر اور گردن میں پرمیشر کی خفگی کا ایک بڑا لمبا رسا ہوگا - اور پھر اُس نیک بخت کو خواہ وہ اوتار ہو یا کوئی ایسا رشی ہو جس پر کوئی وید اُترا ہے یا کوئی دوسرا کھینی یا بھگت غرض کوئی ہو اُس کو کھینچتے کھینچتے دُنیا کے اسی گڑھے میں اُلٹا کر کے پھینک دینگے جس سے ڈوبے چارہ کروڑوں برس بلکہ ہزاروں ارب تک جان مار کر اور رد پیٹ کر اتفاقاً نکل آیا تھا - یہ آپ لوگوں کا پرمیشر ہے - اور یہ اس کی مکتی ہے - اور یہ اس کا انعام واکرام ہے - اور یہ اس کا ابتدا و انجام ہے - سو ایسے پرمیشر کو دور سے ہی سلام ہے - ایسے پرمیشر کے یہ شعر مطابق حال ہے ؎

با دوستاں چہ کردی کہ کُنی بدیگراں ہم — حقا کہ واجب آمد ز تو احتراز کردن

اور اگر ماسٹر صاحب کا اعتراض سے یہ مطلب ہے - کہ اسلامی بہشت میں صرف دنیوی نعمتوں کا ذکر ہے - وصال الٰہی اور روحانی لذات کا کہیں ذکر نہیں تو ہم اس جھگڑے کے فیصلہ کرنے کے لیئے یہ عمدہ طریق سمجھتے ہیں - کہ ماسٹر صاحب کسی اخبار کے ذریعہ سے پختہ طور پر ہم کو یہ اطلاع دیں - کہ ہاں میری یہ ہی رائے ہے کہ قرآن شریف میں وصال الٰہی اور لذات روحانی کا کہیں ذکر نہیں - مگر وید میں ایسا بہت کچھ ذکر ہے - تو اس صورت میں ہم وعدہ کرتے ہیں - کہ صرف تین یا چار ہفتہ تک ایک مستقل رسالہ اسی بارہ میں بغرض مقابلہ وید و قرآن تیار کر کے جہاں تک ہو سکے - بہت جلد چھپوا دینگے - اور سو روپیہ بطور انعام ایک نامی اور فاضل برہمو صاحب کے پاس جو آریوں کے بھائی بند ہیں - امانت رکھ دینگے - پھر اگر ماسٹر صاحب بپابندی اپنے چاروں ویدوں کی سنگتا کے جن کو وہ الہامی سمجھتے ہیں - روحانی لذات اور وصال ربانی کے بارے میں جو نجات یابوں کو حاصل ہوگا - قرآن شریف کا مقابلہ کر کے دکھلا دیں - اور وہ برہمو صاحب اس کی تائید اور تصدیق کریں - تو وہ سو روپیہ ماسٹر صاحب کا ہوگا - ورنہ بجائے اس سو روپیہ کے ہم ماسٹر صاحب سے کچھ نہیں مانگتے صرف یہی شرط کرتے ہیں - کہ مغلوب ہونے کی حالت میں اپنے وید سے جو بار بار انہیں ندامت دلاتا ہے - دست بردار ہو کر اسلام کی سچی راہ کو اختیار کرلیں (یار غالب شو کہ تا غالب شوی) اور اگر ماسٹر صاحب اس رسالہ کی اشاعت کے بعد ایک ماہ تک خاموش رہے - اور ایسا مضمون کسی اخبار میں اور نہ اپنے کسی رسالہ میں شایع کیا - تو اے ناظرین آپ لوگ سمجھ جائیں کہ وہ بھاگ گئے ✣

۱۰۸

نعماءِ جنت کی کیفیت

رہا یہ اعتراض کہ شراب جو دنیا میں بھی ممنوعات اور محرمات میں سے ہے وہ کیونکر بہشت

میں روا ہو جائے گی - اس کا جواب وہی ہے - جو اللہ تعالیٰ نے آپ فرمایا ہے - کہ بہشتی شراب کو اس
دنیا کی فساد انگیز شرابوں سے کچھ مناسبت نہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے - وسقاھم ربھم
شرابا طھورا - ان الابرار یشربون من کاس کان مزاجھا کافورا - عینا یشرب بھا عباد اللہ
یفجرونھا تفجیرا - یعنی جو لوگ بہشت میں داخل ہونگے - ان کا خدا ان کو ایک ایسی پاک شراب
پلائیگا - جو ان کو کامل طور پر پاک کر دے گی - نیک لوگ وہ جام پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش
ہے - یعنی انکے دل وہ شراب پی کر غیر کی محبت سے کلی ٹھنڈے ہو جائینگے - وہ کافوری شراب ایک چشمہ
ہے جس کو اسی دنیا میں خدا کے بندے پینا شروع کرتے ہیں - وہ اس چشمہ کو ایسا رواں کر دیتے
ہیں - کہ نہایت آسانی سے بہنے لگتا ہے - اور وسیع اور فراخ نہریں ہو جاتی ہیں یعنی ریاضات
عشقیہ سے سب روکیں - ان کی دور ہو جاتی ہیں - اور نشیب و فراز بشریت کا صاف اور ہموار
ہو جاتا ہے - اور جناب الٰہی کی طرف انقطاع کلی میسر آ کر معارف الٰہیہ میں وسعت تامہ پیدا ہو
جاتی ہے - اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے - وکاس من معین - لا یصدعون عنھا ولا ینزفون - ولا ۰۹
یسمعون فیھا لغوا ولا تاثیما الا قیلا سلاما سلاما - وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ - ومن
کان فی ھذہ اعمی فھو فی الاخرۃ اعمی واضل سبیلا اور شراب صافی کے پیالے جو آب زلال
کی طرح مصفٰے ہونگے - بہشتیوں کو دیئے جائینگے - وہ شراب ان سب عیبوں سے پاک ہوگی - کہ
درد سر پیدا کرے یا بیہوشی اور بدمستی اس سے طاری ہو - بہشت میں کوئی لغو اور بیہودہ بات سننے
میں نہیں آئے گی - اور نہ کوئی گناہ کی بات سنی جائیگی - بلکہ ہر طرف سلام سلام جو رحمت اور محبت
اور خوشی کی نشانی ہے سننے میں آئیگا - اس دن مومنوں کے منہ تر و تازہ اور خوبصورت ہونگے
اور وہ اپنے رب کو دیکھیں گے - اور جو شخص اس جہان میں اندھا ہے - وہ اس جہان میں بھی
اندھا ہی ہوگا - بلکہ اندھوں سے بھی گیا گزرا - اب ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ وہ بہشتی شراب
دنیا کی شرابوں سے کچھ مناسبت اور مشابہت نہیں رکھتی - بلکہ وہ اپنی تمام صفات میں ان شرابوں
سے مبائن اور مخالف ہے - اور کسی جگہ قرآن شریف میں یہ نہیں بتلایا گیا - کہ وہ دنیوی شرابوں
کی طرح انگور سے یا قند سیاہ اور کیکر کے چھلکوں سے یا ایسا ہی کسی اور دنیوی مادہ سے بنائی
جائے گی - بلکہ بار بار کلام الٰہی میں یہی بیان ہوا ہے - کہ اصل تخم اس شراب کا محبت اور معرفت
الٰہی ہے جسکو دنیا سے ہی بندہ مومن ساتھ لے جاتا ہے - اور یہ بات کہ وہ روحانی امر کیونکر شراب کے طور
پر نظر آ جائیگا - یہ خدا تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے - جو عارفوں پر مکاشفات کے

ذریعہ سے کھلتا ہے۔ اور عقلمند لوگ دوسری علامات و آثار سے اس کی حقیقت تک پہنچتے ہیں۔ روحانی امور کا جسمانی طور پر متمثل ہو جانا کئی مقامات قرآن شریف میں بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ تسبیح اور تقدیس الٰہی کی باتیں پھلدار درختوں کی طرح متمثل ہونگی۔ اور نیک اعمال پاک اور صاف نہروں کی طرح دکھلائی دینگے۔ اسی کی طرف دوسرے مقام میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔ کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء توتی اکلھا کل حین یعنی پاک کلمات پاک درختوں سے مشابہت رکھتے ہیں جن کی جڑھ مضبوط ہے۔ اور شاخیں آسمان میں اور ہمیشہ اور ہر وقت تر و تازہ پھل دیتے ہیں۔ ایسا ہی ایک مقام میں اللہ تعالیٰ نے امورِ ایمانیہ کو باغات سے تشبیہہ دی ہے۔ اور اعمال صالحہ کو نہروں سے جو اُس باغ کے نیچے بہتی ہیں۔ اور اس کی جڑھوں کو پانی پہنچا کر اُس کو تر و تازہ رکھتی ہیں۔ اور ایک جگہ قرآن شریف میں یہ بھی ذکر آیا ہے۔ کہ جب عارف لوگ بہشت میں کسی قسم کی لذت حسّی طور پر پائیں گے۔ تو اُن کو یقین ہوگا۔ کہ یہ لذات انہیں روحانی لذات سے مشابہ ہیں جن کو ہم دنیا میں عشق اور محبت الٰہی کی وجہ سے پاتے تھے۔ ایسا ہی قرآن شریف میں بیسیوں مقامات میں اس بات کا ذکر پایا جاتا ہے کہ عالم آخرت میں جو جسمانی طور پر لذات بہشتیوں کو دی جائینگی۔ حقیقت میں وہ سب روحانی لذات کے اظلال و آثار ہونگے۔ اگر وہ سب مقامات قرآنی بحوالہ آیات اس جگہ لکھے جائیں۔ تو اس رسالہ میں بہت سا طول ہو جائیگا۔ سو ہم جیسا کہ وعدہ کر چکے ہیں۔ ماسٹر مرلیدھر صاحب کی درخواست سے یہ سب امور مفصل طور پر کسی الگ رسالہ میں تحریر کرینگے۔ اور واضح رہے کہ لذات روحانی کا جسمانی طور پر متمثل ہونا جو بہشت کی نسبت بیان کیا گیا ہے۔ کوئی ایسا امر نہیں ہے جس کو جدید اور دُور از فہم خیال کیا جاوے۔ دیکھنا چاہیئے۔ کہ عالم رویا یعنی عالم خواب میں بھی (جو اُس دوسرے عالم سے بشدت مشابہ ہے گویا اُس کی دوسری شاخ ہے) کیسے امورِ معقولہ محسوس طور پر مشہود ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہر یک عقلمند انسان اپنے ذاتی تجربہ سے عالم رویا میں معقولات کا محسوسات کے پیرایہ میں متمثل ہونا بخوبی جانتا ہوگا۔ بارہا ہم تم اپنے سرور اور خوشی کی حالت میں جو ایک روحانی امر ہے عالم رویا میں ایک نہایت سرسبز باغ دیکھتے ہیں جس میں ہم سیر کر رہے ہیں۔ یا عمدہ میووں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ جن کو ہم کھا رہے ہیں۔ سو حقیقت میں یہ وہی روحانی خوشی اور راحت ہوتی ہے۔ جو جسمانی طور پر ہم کو نظر آجاتی ہے۔ ایسا ہی کبھی غم کی حالت سانپ یا بچھو یا صاعقہ یا کسی درندہ یا زلزلہ کی شکل میں دکھائی دیتی ہے یا ناقص اور مکروہ

عالم رویا دوسرے عالم سے بشدت مشابہ ہے۔

چیزوں کی صورت میں جیسے پیاز یا مولیاں یا مرچیں یا بدبودار چیزیں یا نجاست آمیز کیچڑ وغیرہ
کے رنگ میں نمودار ہوتی ہیں۔ غرض یہ بات محققین اور مجربین کے مشاہدات کثیرہ متواترہ
سے ثابت ہو چکی ہے جس سے فلسفیوں نے بھی اتفاق کر لیا ہے۔ کہ عالم رویا اور عالم آخرت
مرایا متقابلہ کی طرح واقع ہیں۔ جو کچھ فطرت اور قدرت الٰہی نے عالم خواب میں خواص عجیبہ
رکھے ہیں۔ اور جس عجیب طور سے روحانی امور محسوس ومشہود طور پر اس عالم میں دکھائی دیتے
ہیں۔ بعینہٖ یہی حال عالم آخرت کا ہے۔ یا یوں کہو کہ عالم خواب عالم آخرت کے لئے اُس
عکسی آئینہ کی طرح ہے۔ جو ہو بہو فوٹوگراف اُتار دکھاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ موت
اور خواب دو حقیقی بہنیں ہیں جن کا حلیہ اور شکل اور لوازم اور خواص قریب قریب ہیں۔ اور اگر
ہم اسی زندگی دُنیا میں عالم آخرت کے کچھ اسرار بغیر ذریعہ الہام اور وحی کے دریافت کر سکتے ہیں
تو بس یہی ایک ذریعہ عالم رویا کا ہے۔ سو دانشمندوں کو چاہیئے۔ کہ اگر اس عالم کی کیفیت پر کچھ
دریافت کرنا چاہیں۔ تو عالم رویا پر بہت غور اور توجہ کریں۔ کیونکہ جن عجائبات سے یہ عالم رویا
بھرا ہوا ہے اُسی قسم کے عجائبات عالم آخرت میں بھی ہیں۔ اور جس طور کی ایک خاص تبدیلی
وقوع میں آکر عالم رویا پیدا ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس میں یہ عجائبات کھلتے ہیں۔ عالم آخرت میں
بھی اسی کے مشابہ تبدیلی ہے۔ سو جبکہ خدا تعالیٰ کا قانون قدرت عالم رویا میں یہی ہے۔
کہ وہ روحانیات کو جسمانیات سے متمثل کرتا ہے۔ اور معقولات کو محسوسات کا لباس پہناتا
ہے۔ سو وہی قانون قدرت دوسرے عالم میں بھی سمجھنا چاہیئے۔ اور یہ خیال آریوں کا کہ عالم
آخرت میں صرف روح اکیلی رہ جائے گی۔ اور اس کے ساتھ جسم نہیں ہوگا۔ اور لذتیں بھی
صرف روحانی اور معقولی طور پر ہونگی۔ یہ سراسر تحکم ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ یہ بات نہایت
صاف اور بدیہی ثبوت ہے۔ کہ انسان ترقیات غیر متناہیہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور ذریعہ
ان ترقیات کا اس کی وہ جسمی ترکیب ہے جس کو قادر مطلق نے ایسی حکمت کاملہ سے صورت
پذیر کیا کہ تکمیل نفس ناطقہ انسان کے لئے عجیب آثار اس سے مترتب ہوئے۔ گویا حکیم مطلق
نے روح انسان کو اپنے مراتب عالیہ تک پہنچنے کے لئے ایک ضروری سیڑھی عطا کر دی
سو جیسا کہ یہ ظاہر ہے۔ کہ ان مراتب عالیہ کی کوئی انتہا نہیں۔ ایسا ہی یہ بھی ظاہر ہے کہ اس
سیڑھی کی بھی ہمیشہ کے لئے روح کو ضرورت ہے۔ اور یہ کیونکر ہو سکے۔ کہ وہ ذریعہ ترقیات جس کی
ہمیشہ کے لئے روح کو ضرورت ہو۔ اس سے الگ کیا جائے۔ ماسوا اس کے ترقیات تو

روح کی تکمیل کیلئے جسم کا ہونا ضروری ہے اور بغیر جسم کے روح کچھ نہیں کر سکتی

ایک واقف رہیں۔ علوم حاصل کردہ بھی بغیر شمول جسم کے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جسم
کے ماؤف ہونے کے ساتھ ہی انسانیت کے افعال میں فتور پڑجاتا ہے۔ مثلاً اگر سر پر کوئی چوٹ لگ
جائے۔ تو جس مقام پر اُس چوٹ کا صدمہ پہنچے۔ اُس مقام کی دماغی قوت ساتھ ہی خلل پذیر یا معطل ہو
جاتی ہے۔ اگر کسی کو شک ہو تو تجربہ کرکے دیکھ لے۔ پس جبکہ صدورِ افعال انسانیت کے لئے جسم کی صحت و
درستی نہایت ضروری ہے۔ اور جسمی اختلال کو روحانی اختلال لازم پڑا ہوا ہے۔ تو اس سے صاف
ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہماری روح بغیر شمولِ جسم کے انسانی لوازم اور کمالات اور حفظ کمالات کا مظہر
و مصدر نہیں ہو سکتی۔ ہم دنیا میں صریح دیکھتے ہیں۔ کہ جسم کے آفت زدہ ہونے سے روحانی کاروبار
میں ابتری واقع ہو جاتی ہے۔ مجانین یعنی سودائیوں اور پاگلوں کی جب جسمی حالت درست نہیں رہتی
اور دماغی اعتدال میں کچھ فرق واقع ہو جاتا ہے۔ تو مجرد روح کے ہونے سے افعالِ انسانیت ہرگز
اُن سے صادر نہیں ہو سکتے۔ بعض آدمیوں کو دماغی فتوروں سے اس قدر متاثر دیکھا گیا ہے۔ کہ
تمام علوم یک دفعہ اُن کو بھول گئے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنا نام بھی یاد نہیں رہا۔ اور بار بار دوسروں
سے پوچھتے ہیں کہ میرا نام کیا ہے۔ اب جبکہ ایک تھوڑے سے جسمی خلل سے انسانی افعال میں اس قدر
آفتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ تو ہم کس طور سے یقین کرلیں۔ اور کونسی دلیل ہمارے ہاتھ میں ہے جس
سے ہم اس بات کے باور کرنے کے لئے بکلی تیار ہو جائیں۔ کہ جب روح جسم سے قطعی طور پر الگ
ہو جائیگی۔ تب اس مفارقت تامہ سے کوئی ضرر انسانی کمالات کے عائد حال نہیں ہوگا۔ ہم جانتے ۱۱۳
ہیں کہ ضرور ہوگا۔ تجارب طبی ہمارے لئے دلیل کافی ہے یعنی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں
کہ اختلالِ جسمانی اختلال روحانی کا موجب ہے۔ اور جسمانی صحت یا مرض کو روحانی صلاح یا فساد
پر ایک قوی اثر ہے۔ اب جو شخص اس بدیہی دلیل کے برخلاف رائے رکھتا ہے۔ اور یہ دعویٰ
کرتا ہے۔ کہ انسانیت کاملہ کے خواص بلا ترکیب جسم جیسا کہ چاہئے مجرد روح سے صادر ہو سکتے
ہیں۔ تو بارِ ثبوت اسی کی گردن پر ہے جس سے وہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ محققین کے
تجارب اس بات کی تائید میں انتہا تک پہنچ گئے ہیں۔ کہ صدورِ افعال کاملہ انسانیت کے لئے
ترکیب جسم مع الروح ضروری ہے۔ اور جب جسم آیا تو جسمانی لوازم بھی ساتھ آئینگے۔ ہاں چونکہ وہ
بہشتی جسم ایک لطیف اور نورانی بدن ہوگا۔ اس لئے اس کے لوازم بھی لطیف اور نورانی ہی ہونگے
اب دیکھنا چاہئے کہ قریب بقیاس اور قوانینِ قدرت کے موافق اور دلائلِ طبعیہ اور طبیہ سے تائید
یافتہ اور ثابت شدہ وہ بہشت ہے جس کو قرآن شریف نے نہایت پاکیزگی سے بیان کیا ہے

اور براہین شافیہ سے اس کا ثبوت دیا ہے۔ یا وہ وہمی اور خلاف قیاس اور منحوس مکتی خانہ جس کا ذکر وید میں ہے یعنی یہ کہ مجرد روحیں پتھر کی طرح پڑی رہیں گی۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد مکتی خانہ سے باہر نکالی جائینگی۔ کیا انسان کی انتہائی سعادت یہی ہے۔ کہ وہ مجرد روح رہ کر اُن بابرکت اور نہایت مفید حواس کو کھو بیٹھے جو اس کی غیر متناہی ترقیات کا موجب ہیں اور پھر اس پر بھی کفایت نہیں بلکہ مصیبت پر مصیبت یہ کہ انجام کار مکتی خانہ سے ذلیل کر کے نکالا جائے۔ انصاف کرنا چاہیئے کہ کیا ایسی نامعقول مکتی پر کوئی فلسفی برہان قائم ہوسکتی ہے۔ اور کیا اس جہان میں اور اس زندگی میں کوئی شافی دلیل ہم کو اس بات پر مل سکتی ہے۔ کہ افعال کاملہ انسانیت جو قوئے ظاہری و باطنی سے وابستہ اور دماغی حواسوں سے ظہور پذیر ہیں۔ وہ مجرد روحوں سے صادر ہوسکتے ہیں اگر کسی آریہ کے نزدیک کوئی ایسی دلیل پائی جاتی ہے جس سے یہ ثبوت مل سکے۔ تو کس وقت کے لئے مخفی رکھی ہے واجب و لازم ہے۔ کہ پیش کریں۔ خاصکر ماسٹر مرلیدھر صاحب جو وید کے غایت درجہ کے ثناخواں ہیں۔ اور بقول شخصے کہ دیکھا نہ بھالا صدقے گئی خالہ۔ پہلے اس سے کہ ویدوں کی حقیقت معلوم کریں یوں ہی وید وید کر رہے ہیں۔ ان پر تو فرض ہے کہ ضرور اس جگہ وید کا فلسفہ پیش کریں "تا وید کی ڈوبتی ہوئی کشتی کا کوئی گوشہ باقی رہ جائے" ؎

ندارد کسے با تو ناگفتہ کار ۔۔۔ و لیکن چو گفتی دلیلش بیار

قولہ ۔ مرزا صاحب اپنے اعتراض کی تفصیل اس طرح فرماتے ہیں۔ کہ اگر تمام ارواح کو اور ایسا ہی اجزا صغار اجسام کو قدیم اور انادی اور غیر مخلوق مانا جائے۔ تو اس میں کئی قباحتیں ہیں منجملہ اُن کے ایک تو یہ کہ خدا تعالیٰ کے وجود پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ جس حالت میں ارواح یعنی جیو خود بخود موجود ہیں اور ایسا ہی اجزا صغار بھی خود بخود ہیں تو پھر صرف جوڑنے جاڑنے سے ضرورت صانع کی ثابت نہیں ہوسکتی۔ بلکہ ایک دہریہ بھی جو خدا تعالیٰ کا منکر ہے۔ عذر پیش کرسکتا ہے۔ کہ جس حالت میں تم نے دو چیزوں کا خود بخود ہونا بغیر اجازت پرمیشر کے آپ ہی مان لیا ہے۔ تو پھر اس بات پر کیا دلیل ہے۔ کہ جوڑنے جاڑنے کے لئے پرمیشر کی حاجت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی باتیں وہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ جن کو نہ تو روح کی ہی کیفیت معلوم ہے۔ کہ وہ کیا ہے۔ اور نہ مادہ کی ہی کیفیت کہ وہ کیا چیز ہے +

اقول ۔ واہ کیا عمدہ جواب دیا ہے۔ اگر ماسٹر صاحب کسی عدالت کے جج ہوں تو خوب ہی عمدہ فیصلہ لکھیں۔ ماسٹر صاحب کی عقل عجیب کے نزدیک جو لوگ خداوند ذوالجلال قادر مطلق

کو جمیع عالم کا صانع سمجھتے ہیں اور ہر ایک فیض کا مبدا اور ہر ایک وجود کا موجد و قیوم اور ہر ایک سلسلہ کا منتہا اُسی کو قرار دیتے ہیں۔ اور بغیر اُس کے ظاہر کرنے کے کسی چیز کا ظہور خود بخود نہیں مانتے اور بغیر اُس کے پیدا کرنے کے کسی چیز کا اپنے آپ ہی پیدا ہو جانا تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ سب چیزوں کا مبدء و مرجع اُسی کو جانتے ہیں۔ اور جمیع اجزاء عالم کی نسبت یہی اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ وہ اسی کی ایجاد سے موجود اور اسی کے سہارے سے قائم اور اُسی کے رشحاتِ فیض سے پرورش یاب ہے۔ ان کو نہ روح کی کچھ کیفیت معلوم ہے نہ مادہ کی۔ بلکہ بقول ماسٹر صاحب یہ معرفت روح اور مادہ کی انہیں لوگوں کے حصہ میں آگئی ہے۔ کہ جو اپنی روحوں اور اپنے جسمی مادہ کو خدائے تعالیٰ کی طرح غیر مخلوق اور اپنے اپنے وجود کے آپ ہی خدا خیال کرتے ہیں۔ اے لالہ صاحب! اگر آپ غیر مخلوق ہو کر اپنے پرمیشر سے مساوی ہیں۔ تو پھر اپنی خدائی کچھ دکھلایئے یا اپنی روح کے غیر متناہی قوتوں کی کوئی کہانی ہی سنایئے ورنہ اگر نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ تو پھر اس فضول گوئی کا ثبوت کیا ہوا ہم نہیں جانتے کہ آپ نے یہ گیان کہاں سے حاصل کیا ہے۔ اگر وید کی یہی تعلیم ہے تو پھر منادی کیوں نہیں کرا دیتے۔ کہ آریوں کا پرمیشر روحوں کے پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ افسوس آپ لوگ کیوں نہیں سمجھتے۔ کہ خدا ایسا چاہیئے۔ جو اپنی خدائی کے کام چلانے میں کسی غیر کے اتفاقی وجود کا محتاج نہ ہو۔ بلکہ جن چیزوں پر وہ خدائی کرتا ہو وہ سب اسی کے ہاتھ سے نکلی ہوں۔ ہائے تم پر افسوس تم کیوں نہیں سمجھتے۔ کہ جس کے مقابل پر کروڑہا وجود خود بخود چلے آتے ہیں وہ کاہے کا خدا ہے اور کونسی خدائی اس میں ہے۔ اے نادانو اور سمجھ کے ناقصو خدا کی کامل اور پوری خوبی کس بات میں ہے آیا اس میں کہ وہ اپنی قدرت سے کچھ نہ کر سکے۔ اور اس کی خدائی دوسروں کے سہارے سے چلتی ہو۔ یا اس بات میں کہ وہ سب کچھ کرتا ہو۔ اور اسکی خدائی اسی کی غیر متناہی طاقتوں سے چلتی ہو۔ ذرا اکیلے بیٹھ کر سوچو؟ اپنے پلنگ پر لیٹے ہوئے ایک خالص فکر کو اس کے گہراؤ تک لے جاؤ؟ کہ خدا کی ضرورتیں کہاں سے اور کہاں تک ہیں؟ بعض آریہ سماج والے ارواح کے غیر مخلوق اور اپنے وجود کے آپ خدا ہونے کے بارے میں یہ دلیل پیش کیا کرتے ہیں۔ کہ اگر ارواح کسی وقت معدوم تھی۔ اور پھر خدا تعالیٰ کے پیدا کرنے سے موجود ہوئی تو گویا نیست سے ہست ہو گیا اور نیستی سے ہستی ہونا ایسی دُور از فہم بات ہے۔ کہ کوئی عقلمند اس کو نہیں مانیگا مگر میں کہتا ہوں کہ یُوں تو فاسد اور ناقص عقل کے مارے ہوئے خدا تعالیٰ کو بھی نہیں مانتے لیکن جس شخص کی عقل سلیم ہے۔ اُس کو تو خدا تعالیٰ کے ماننے کے ساتھ ہی اس کی وہ تمام صفات بھی

آریہ سماج کے نزدیک نیستی سے ہستی ہونا دور از فہم امر ہے
تعالیٰ اللہ سے نیستی سے ہستی بنا سکتا ہے۔

ماننی پڑینگی جو مدار اس کی خدائی اور الوہیت کی ہیں۔ اور جو شخص خدائتعالیٰ کی اس نہایت ضروری صفت کو مان لیگا۔ کہ وہ قادرِ مطلق اور بے انتہا طاقتوں کا مالک ہے۔ تو پھر ہرگز اسکی قدرتوں کو اپنی عقلِ ناقص کے ساتھ موازنہ نہیں کریگا۔ اور خدائے غیر محدود کی قادرانہ قوتوں کو کسی حدِ خاص میں محدود نہیں جانیگا۔ اور نیز جب ایک عقلمند دیکھیگا کہ خدائتعالیٰ ایسا اپنی ذات میں مظہر العجائب و بلند تر از احاطۂ فکر و قیاس ہے۔ جو بغیر اسباب آنکھوں کے دیکھتا ہے۔ اور بغیر اسباب کانوں کے سنتا ہے۔ اور بغیر اسباب زبان کے بولتا ہے۔ اور بغیر حاجت معماروں و مزدوروں و نجاروں و آلات عمارت سازی و فراہمی اینٹوں و پتھروں وغیرہ کے صرف اپنے ارادہ اور حکم کے اشارہ سے ایک طرفۃ العین میں زمین و آسمان بنا سکتا ہے۔ تو بے شک اس بات کا یقین بھی کریگا۔ کہ وہ قادر خدا نیستی سے ہستی بھی کر سکتا ہے۔ یہی تو خدائی ہے۔ اسی وجہ سے تو وہ سرب شکتیمان اور قادرِ مطلق اور غیر متناہی قدرتوں کا مالک کہلاتا ہے۔ اگر اس کے کام بھی انسانی کاموں کی طرح محتاج باسباب و مواد و اوقات ضروریہ ہوں تو پھر وہ کاہے کا خدا ہوا۔ اور اس کی خدائی کیونکر چل سکے۔ کیا اس کے تمام کام بالاتر از عقل نہیں ہیں؟ کیا اس کی عجائب قدرتیں ایسی نہیں ہیں کہ اُن پر نظر ڈال کر عقلِ ناقص انسانی خیرہ رہ جاتی ہے۔ تو پھر کیسی جہالت ہے کہ جو بات اس کی خدائی کا مدار اور اس کی الوہیت کی حقیقت ہے اسی پر اعتراض کیا جائے اگر اس قسم کے جاہلانہ وہم دل سے اُٹھ نہیں سکتے تو پھر ایسے ناکارہ اور عاجز پرمیشر کو ماننا ہی کیا ضرورت ہے۔ اگر خدائتعالیٰ کی قدرتوں کے باریک بھیدوں پر عقلِ انسانی محیط ہو سکتی۔ تو گویا خدائی کی ساری کیفیت و کنہ معلوم ہو جاتی اگر عقلِ انسانی کی نظرِ ناقص کسی صفتِ ربانی کے اول آخر پر پھر جائے تو وہ صفت محدود ہو جائیگی۔ اور صفت کا محدود ہونا ذات باری کے محدود ہونے کو مستلزم ہے۔ بھلا وہ خدا کیسا ہوا جس کی ساری قدرتوں پر ایک ذرہ مخلوق محیط ہو جائے اور ایسا پرمیشر کس بات کا پرمیشر ہے کہ اگر وہ کسی اپنے امر متخیل کو کہے کہ ہو جا تو کچھ بھی نہ ہو۔ خدا تو اُسی ذاتِ عجیب القدرت کا نام ہے۔ کہ جو اُس کے ارادہ سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔ جب وہ اپنے کسی امر مقصود کو کہتا ہے۔ کہ ہو جا تو وہ فی الفور اس کی قدرت کاملہ سے نقش وجود پکڑ جاتا ہے۔ یہ راز نہایت دقیق معرفت کا نکتہ ہے۔ کہ سب مخلوقات کلماتِ الٰہیہ ہیں۔ عیسائیوں نے جب اپنی نادانی سے یہ کہنا شروع کیا۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کلمۃ اللہ ہیں یعنی اُن کی رُوح کلمہ الٰہی ہے جو متشکل بروح ہو گئی ہے۔ تو خدائتعالیٰ نے اس کا یہ حقانی جواب دیا۔ کہ کوئی بھی ایسی

عقلِ انسانی کسی صفتِ ربانی پر محیط نہیں ہو سکتی

یہ معرفت کہ مخلوقات کلماتِ الٰہیہ ہیں

رُوح نہیں جو کلمۃ اللہ نہ ہو۔ اور مجرد الٰہی حکم سے نہ نکلی ہو قل الروح من امر ربی۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ بات جو کلمات اللہ بصورت ارواح و دیگر مخلوق جلوہ گر ہو جاتی ہیں۔ یہ خالقیت کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔ اور اسرار الٰہیہ میں سے ایک باریک نکتہ ہے جس کی طرف کسی انسانی عقل کو خیال نہیں آیا۔ اور خدا تعالیٰ کے پاک اور کامل کلام نے اس کو اپنے الٰہی نور سے منکشف کیا ہے۔ اور اگر ایسا نہ مانا جائے۔ کہ خدا تعالیٰ اپنے ہی کلمہ اور امر سے ارواح اور اجسام کو وجود پذیر کر لیتا ہے۔ تو پھر آخر یہ ماننا پڑیگا۔ کہ جب تک باہر سے اجسام اور روحیں نہ آویں۔ پرمیشر کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ مگر کیا ایسا کم بخت پرمیشر ہو سکتا ہے۔ کہ جو در حقیقت اپنے گھر سے تو دیوالیہ اور مفلس اور تہیدست ہے لیکن کسی عارضی اتفاق سے اس کی خدائی کا دھندا چل رہا ہو۔ اگر پرمیشر ایسا ہی ہے۔ تو سب امیدیں خاک میں مل گئیں۔ اور ایسے پرمیشر پر بھروسہ کرنا بھی بڑا معرض خطر ہوگا +

خدا تعالیٰ کی تمام قدرتوں کا عقل انسانی احاطہ نہیں کرسکتی

اور یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ کی وہی قدرت قابل تسلیم ہے۔ جو ہماری سمجھ میں آجائے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس کا نام جہالت رکھیں یا تعصب یا دیوانگی۔ اگر خدا تعالیٰ کی قدرتوں میں یہ بھی شرط ہے کہ انسان کے اندازۂ فہم سے زیادہ نہ ہوں۔ تو بس پھر اس کی قدرتیں ہو چکیں۔ قدرتِ ربانی تو اسی کا نام ہے۔ کہ عقل انسانی اس کے اسرار تک نہ پہنچ سکے۔ اگر ہم تم الٰہی قدرتوں کے تمام و کمال حقیقت پر احاطہ کر سکتے ہیں۔ تو گویا ہم نے خدا پر ہی احاطہ کر لیا۔ اے عقل کے نوخریدار و آریو! تم کیوں بیفائدہ اُن مسائل کے ساتھ سر ٹکراتے ہو جو تمہارے ذہن کی رسائی سے اونچے ہیں ہم اگر عقلمند ہیں تو ہماری عقلمندی یہی ہے۔ کہ ہم خدا تعالیٰ کی قدرت کے بارے میں صرف اتنا کریں کہ کلی طور پر اس بات کو تحقیق کر کے دیکھ لیں۔ کہ آیا خدا تعالیٰ کے اُن کاموں پر نظر کر کے جواب تک اُس نے کئے ہیں اس بات کا ثبوت پایا جاتا ہے یا نہیں کہ اس کے عجائب کام اور اس کی غرائب قدرت ہماری عقول ناقصہ کے دائرہ سے باہر ہیں اور جس طور سے اس کی ربوبیت اور لا یدرک طاقت نے صرف اوقات و حاجتِ انصار و آلات سے غنی اور بے نیاز ہو کر یہ عالم بناڈالا ہے۔ اس طرف خیال دوڑانے سے ہماری عقلوں کے پر جلتے ہیں سو ہماری دانشوری یہی ہے۔ کہ ہم اسے کلی طور کی تحقیق سے سبق حاصل کر لیں۔ اور جزئیات عالم کے اُن پیچ در پیچ رازوں کو جو ہمارے اندازۂ عقل اور فہم سے بالاتر ہیں۔ حل کرنے کے لئے اپنے تئیں ناپیدا کنار سمندر میں ڈال کر ہلاک نہ کریں +

عقل ایک حد تک ادراک کرسکتی ہے۔

بعض اشخاص یہ کہا کرتے ہیں۔ کہ اگر عقل ہماری اسرارِ قدرت کو جو ماخذ علم وحکمت ہیں، سمجھ نہیں سکتی۔ تو پھر وہ کس کام کی ہے۔ اور جا بجا ہم قدرت پر ہی ایمان لا کر اور فکر کو معطل چھوڑ کر علوم حکمیہ کیونکر حاصل کرسکتے ہیں۔ یہ اُن کو سمجھ کا پھیر لگا ہوا ہے۔ تقریر مذکورۂ بالا سے ہمارا یہ ۱۲۰ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بکلی تحقیق و تفتیش سے منہ پھیر کر ہر جگہ آمنا و صدقنا پر ہی کفایت کرنی چاہیئے۔ اور نظر اور فکر کو کہیں اور کسی جگہ کام میں نہیں لانا چاہیئے۔ بلکہ ہمارا مطلب و مدعا یہ ہے کہ ایسے امور کی موشگافی اور نہ بینی کی امید سے اپنی عقلوں اور فکروں کو آوارہ مت کرو۔ جو تمہاری بساط سے باہر ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں کہ بہتیرے ایسے لوگ ہیں۔ کہ ناجائز فکروں میں پڑ کر اپنی اس معیّن اور مقرّر وسعت سے جو قدرت نے ان کو دے رکھی ہے۔ باہر چلے جاتے ہیں۔ اور ۱۱۹ اپنی محدود عقل سے کل کائنات کے عمیق در عمیق رازوں کو حل کرنا چاہتے ہیں۔ سو یہ افراط ہے جیسے بکلی تحقیق و تفتیش سے منہ پھیر لینا تفریط ہے۔ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے واقصد فی مشیک یعنی اپنی چال میں توسط اختیار کر۔ نہ ایسا فکر کو منجمد کرلینا چاہیئے۔ کہ جو ہزارہا نکات و لطائف الٰہیات قابلِ دریافت ہیں۔ اُن کی تحصیل سے محروم رہ جائیں۔ اور نہ اس قدر تیزی کرنی چاہیئے۔ کہ ان فکروں میں پڑ جائیں۔ کہ خدا تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے۔ اور یا اس نے اس قدر ارواح اور اجسام کس طرح بنا لئے ہیں۔ اور یا اُس نے کیونکر اکیلا ہونے کی حالت میں اس قدر وسیع عالم بنا ڈالا ہے ✦

اور اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ ارواح کا حادث اور مخلوق ہونا قرآن شریف میں بڑی بڑی قوی اور قطعی دلائل سے بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ برعایت ایجاز و اجمال چند دلائل ان میں سے نمونہ کے طور پر اس جگہ لکھے جاتے ہیں ✦

اول ارواح اللہ تعالیٰ کے ماتحت ہیں

اوّل یہ بات بداہت ثابت ہے۔ کہ تمام روحیں ہمیشہ اور ہر حال میں خدا تعالیٰ کے ماتحت اور زیر حکم ہیں۔ اور بجز مخلوق ہونے کے اور کوئی وجہ موجود نہیں جس نے روحوں کو ایسے کامل طور پر خدا تعالیٰ کے ماتحت اور زیر حکم کر دیا ہو سو یہ روحوں کے حادث اور مخلوق ہونے پر اوّل ۱۲۱ دلیل ہے ✦

دوم ارواح کے خواص محدود ہیں

دوم۔ یہ بات بھی بداہت ثابت ہے۔ کہ تمام روحیں خاص خاص استعدادوں اور طاقتوں میں محدود اور محصور ہیں۔ جیسا کہ بنی آدم کے اختلاف روحانی حالات و استعدادات پر نظر کر کے ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ تحدید ایک محدّد کو چاہتی ہے جس سے ضرورت محدث کی ثابت ہو کر (جو محدّد ہے)

حدوث روحوں کا بہ پایۂ ثبوت پہنچتا ہے +

سوم بتمام ارواح عاجز اور محتاج ہیں

سوم - یہ بات بھی کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ تمام روحیں عجز و احتیاج کے داغ سے آلودہ ہیں اور اپنی تکمیل اور بقار کے لئے ایک ایسی ذات کی محتاج ہیں - جو کامل اور قادر اور عالم اور فیاض مطلق ہو اور یہ امر اُن کی مخلوقیت کو ثابت کرنے والا ہے +

چہارم انسان عالم صغیر ہے -

چہارم - یہ بات بھی ایک ادنےٰ غور کرنے سے ظاہر ہوتی ہے - کہ ہماری روحیں اجمالی طور پر ان سب متفرق الٰہی حکمتوں اور صنعتوں پر مشتمل ہیں - جو اجرام علوی و سفلی میں پائے جاتے ہیں - اسی وجہ سے دنیا باعتبار اپنے جزئیات مختلفہ کے عالم تفصیلی ہے - اور انسان عالم اجمالی کہلاتا ہے - یا یوں کہو - کہ یہ عالم صغیر اور وہ عالم کبیر ہے - پس جبکہ ایک جزئی عالم کے بوجہ پائے جانے پر حکمت کاموں کے ایک صانع حکیم کی صنعت کہلاتی ہے - تو خیال کرنا چاہیئے - کہ وہ چیز کیونکر صنعت الٰہی نہ ہوگی جس کا وجود اپنے عجائبات ذاتی کے رُو سے گویا تمام جزئیات عالم کی عکسی تصویر ہے - اور ہریک جزئی کے خواص عجیبہ اپنے اندر رکھتی ہے - اور حکمت بالغہ ایزدی پر بوجہ اتم مشتمل ہے +

ایسی چیز جو مظہر جمیع عجائبات صنعت الٰہی ہے بمصنوع اور مخلوق ہونے سے باہر نہیں رہ سکتی - بلکہ وہ سب چیزوں سے اوّل درجہ پر مصنوعیت کی مہر اپنے وجود پر رکھتی ہے - اور سب سے زیادہ تر اور کامل تر صانع قدیم کے وجود پر دلالت کرتی ہے - سو اس دلیل سے روحوں کی مخلوقیت صرف نظری طور پر ثابت نہیں بلکہ درحقیقت اجلی بدیہات ہے - ماسوا اسکے دوسری چیزوں کو اُن کی مخلوقیت کا علم نہیں - مگر روحیں فطرتی طور پر اپنی مخلوقیت کا علم رکھتی ہیں - ایک جنگلی آدمی کی روح بھی اس بات پر راضی نہیں ہو سکتی - کہ وہ خود بخود ہے اسی کی طرف اشارہ ہے - جو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے - الست بربکم قالوا بلیٰ - یعنی روحوں سے مَیں نے سوال کیا کہ کیا مَیں تمہارا رب (پیدا کنندہ) نہیں ہوں - تو اُنھوں نے جواب دیا کہ کیوں نہیں - یہ سوال و جواب حقیقت میں اس پیوند کیطرف اشارہ ہے جو مخلوق کو اپنے خالق سے قدرتی طور پر متحقق ہے جسکی شہادت روحوں کی فطرت میں نقش کیگئی ہے

پنجم انسانی قوتیں الٰہی قوتوں کا ظل ہیں

پنجم جس طرح بیٹے میں باپ اور ماں کا کچھ کچھ حُلیہ اور خو بو پائی جاتی ہے - اسی طرح روحیں جو خدا تعالےٰ کے ہاتھ سے نکلی ہیں - اپنے صانع کی سیرت و خصلت سے اجمالی طور پر کچھ حصہ رکھتی ہیں - اگرچہ مخلوقیت کی ظلمت و غفلت غالب ہو جانے کی وجہ سے بعض نفوس میں وہ رنگ الٰہی کچھ پھیکا سا ہو جاتا ہے لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا - کہ ہریک روح کسی قدر

وہ رنگ اپنے اندر رکھتی ہے۔ اور پھر بعض نفوس میں وہ رنگ بد استعمالی کی وجہ سے بدنما معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ اُس رنگ کا قصور نہیں۔ بلکہ طریقۂ استعمال کا قصور ہے۔ انسان کی اصلی قوتوں اور طاقتوں میں سے کوئی بھی بُری قوت نہیں صرف بد استعمالی سے ایک نیک قوت بری معلوم ہونے لگتی ہے۔ اگر وہی قوت اپنے موقع پر استعمال کی جائے۔ تو وہ سراسر نفع رساں اور خیر محض ہے۔ اور حقیقت میں انسان کو جس قدر قوتیں دی گئی ہیں۔ وہ سب الٰہی قوتوں کے اظلال و آثار ہیں۔ جیسے بیٹے کی صورت میں کچھ کچھ باپ کے نقوش آجاتے ہیں۔ ایسا ہی ہماری روحوں میں اپنے رب کے نقوش اور اس کی صفات کے آثار آگئے ہیں۔ جن کو عارف لوگ خوب شناخت کرتے ہیں۔ اور جیسے بیٹا جو باپ سے نکلا ہے۔ اُس سے ایک طبعی محبت رکھتا ہے نہ بناوٹی۔ اسی طرح ہم بھی جو اپنے رب سے نکلے ہیں۔ اُس سے فی الحقیقت طبعی محبت رکھتے ہیں نہ بناوٹی۔ اور اگر ہماری روحوں کو اپنے رب سے یہ طبعی و فطرتی تعلق نہ ہوتا۔ تو پھر سالکین کو اس تک پہنچنے کے لئے کوئی صورت اور سبیل نہ تھی۔ سو اگرچہ دلائل مخلوقیت ارواح جن کو اللہ جل شانہٗ نے آپ قرآن شریف میں معقولی طور پر بیان کیا ہے۔ اس کثرت سے ہیں۔ کہ اگر وہ سب اس جگہ لکھے جائیں۔ تو خود انہیں دلائل کی ایک بڑی کتاب ہو جائیگی مگر ہم بالفعل اسی قدر پر کفایت کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ طالب حق کے لئے اسی قدر کافی ہے ۔

اب ہم اس جگہ ماسٹر صاحب کی خدمت میں بادب عرض کرتے ہیں۔ کہ ہم نے روحوں کی مخلوقیت جس سے ان کی کیفیت بکُلی ظاہر ہوتی ہے۔ دلائل مندرجہ قرآن شریف کی رو سے بقدر کفایت بیان کر دی ہے۔ اگر ماسٹر صاحب کا وید بھی کچھ علم الٰہی سے حصّہ رکھتا ہے۔ تو انہیں لازم ہے۔ کہ اس وقت بمقابلہ قرآن شریف کے وید کے وہ دلائل عقلیہ پیش کریں۔ جن کی رو سے غیر مخلوق اور غیر محدث ہونا روحوں کا ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ اس جگہ ہم مکرّر گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ بہتر یوں ہے کہ ماسٹر صاحب بغرض مقابلہ و موازنہ فلسفہ وید و قرآن شریف ہم کو اجازت دیں۔ کہ تا ہم ایک علیحدہ رسالہ روحوں کی مخلوقیت اور ان کے خواص اور قوتوں اور طاقتوں کے بارے میں اور دیگر نکات اور لطائف علم روح کے متعلق اس شرط سے لکھیں۔ کہ کسی بات اور کسی دلیل کے بیان کرنے میں بیانات قرآنی سے باہر نہ جائیں یعنی وہی دلائل و براہین مخلوقیت ارواح پیش کریں۔ جو قرآن شریف نے آپ پیش کئے ہیں۔ اور وہی دقائق و معارف علم روح لکھیں۔ جو قرآن شریف نے خود لکھے ہیں علیٰ ہذا القیاس ماسٹر صاحب بھی بمقابل ہمارے ایسا

ہی کریں یعنی وہ بھی روحوں کی غیر مخلوقیت بدلایل عقلیہ ثابت کرنے اور علم روح کے بیان کرنے میں ویدہی کی شرتیوں کے پابند رہیں اور وہی دلایل وغیرہ تحریر میں لادیں جو وید نے پیش کئے ہیں اور ہم دونوں فریق صرف حوالہ آئت یا شرتی پر کفایت نہ کریں بلکہ اُس آئت یا شرتی کو بتمامہ معہ ترجمہ وپتہ ونشان وغیرہ تحریر بھی کردیں اسطور کے مباحثہ وموازنہ سے غالب اور مغلوب میں صاف فرق کُھلجائیگا اور جو ان دونوں میں سے حقیقت میں خدا کا کلام ہے وہ کامل طور پر اِن باتوں میں عہدہ برا ہوگا اور اپنے حریف کو شکست فاش دیگا اور اس کی ذلت اور رسوائی ظاہر کریگا۔ لیکن ہم بطور پیشگوئی یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ ایسا مقابلہ وید سے ہونا ہرگز ممکن ہی نہیں کیونکہ وید اپنے بیانات میں سراسر غلطی پر ہے اور وہ بوجہ انسانی خیالات ہونے کے یہ طاقت اور قوت بھی نہیں رکھتا کہ خداوند علیم وحکیم کی پاک وکامل کلام کا مقابلہ کرسکے۔ ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ ہم نے علی التساوی یہ شرط پیش کی ہے یعنے اپنے نفس کے لئے اس طرز کے مقابلہ میں کوئی ایسا فایدہ مخصوص نہیں رکھا جس سے فریق ثانی منتفع نہ ہوسکتا ہو پس اگر اب بھی ماسٹر صاحب کنارہ کرگئے تو کیا یہ اس بات پر ۲۲
دلیل کافی نہیں ہوگی کہ ان کا وید ان کمالات اور خوبیوں اور پاک سچائیوں سے بکلی عاری اور خالی ہے +

سوال اہل اسلام کا اعتقاد ہے کہ جب آنحضرتؐ سے روح کی نسبت سوال ہوا تو آپ کچھ نہ بتلا سکے۔

قولہ ۔ مرزا صاحب اور سب اہل اسلام کا یہی اعتقاد ہے اور قرآن میں آیا ہے کہ جب آن حضرت (محمدؐ صاحب) سے لوگوں نے پوچھا کہ روح کیا چیز ہے تو آپ کچھ نہ بتلا سکے اور اُس وقت آئت نازل ہوئی کہ اے محمدؐ کہہ دے کہ روح ایک امر ربی ہے سو مسلمانوں نے تو روح کو کیا سمجھا ہوگا۔ خدا نے ان کے ہادی پر بھی روح کی کیفیت ظاہر نہیں کی اور خدا کا بھی کیا جواب عمدہ ہے کہ روح امر ربی ہے کیا اور چیزیں امر ربی نہیں +

سوال مذکورہ کا جواب از حضرت مسیح موعود

اقول ۔ اس وقت ماسٹر صاحب کی خوبیٔ فہم اور جلد بازی کا تصور کرکے مجھے ایک حکائت یاد آگئی ہے کہ ایک ایسا شخص کسی شہر میں تھا جو ہمیشہ چپ رہا کرتا تھا آخر اُس کی خاموشی سے لوگ اس وہم میں پڑگئے کہ یہ کوئی بڑا فاضل اور دانشمند ہوگا اسی خیال سے ایک جماعت کثیر اس کی خدمت میں حاضر رہنے لگی ایک دن اس شخص نے اپنے دل میں سوچا کہ مجھے اپنی عقلمندی ظاہر کرنے کے لئے کچھ بولنا چاہئے سو جب

اس نے دو چار باتیں ہی مونہہ سے نکالیں تو تمام لوگ سمجھ گئے کہ اگر اس شہر میں کوئی
اور نادان بھی ہے تو اس سے بڑھ کر کبھی نہ ہوگا۔ تب اس کے ارد گرد سب بھاگ
گئے اور ساری جماعت متفرق ہوگئی اور وہ اکیلا رہ کر بہت دردمند ہوا بڑی مصیبت
سے ایک رات کاٹی صبح ہوتے ہی اس شہر سے کہیں کو چلا گیا اور جاتے وقت ایک دیوار
پر لکھ گیا کہ اگر میں پہلے اپنی شکل کو آئینہ میں دیکھ لیتا تو نادانی سے اپنا پردہ فاش نہ کرتا۔
اسی طرح ماسٹر صاحب نے بھی اچھا نہیں کیا کہ لاعلمی اور ناواقفیت اور ناسمجھی کی حالت ۲۵
میں اعتراض کرنے کے لئے زبان کھولی۔ لالہ صاحب میں آپکی غلطیوں کی کہانتک اصلاح
کرتا جاؤں آپ نے یہ کس سے سن لیا کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے علم روح نہیں دیا گیا تھا اور آپ نے قرآن شریف
میں کس جگہ اور کہاں دیکھ لیا کہ حضرت ممدوح روح کے علم سے بیخبر تھے۔ میں جانتا ہوں
کہ آپ کو اپنی عقل ناتمام کی شامت سے اس آیت کے سمجھنے میں دھوکا لگا ہے جو قرآن
شریف میں وارد ہے۔ اور وہ یہہ ہے ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی

قل الروح من امر ربی کی تفسیر

وما اوتیتم من العلم الا قلیلا الجزو ۱۵ سورہ بنی اسرائیل اور کفار تجھ سے اے محمدؐ پوچھتے
ہیں کہ روح کیا ہے اور کس چیز سے اور کیونکر پیدا ہوئی ہے۔ انکو کہدے کہ روح میرے رب
کے امر میں سے ہے اور تم کو اے کافرو علم روح اور علم اسرار الٰہی نہیں دیا گیا مگر کچھ
تھوڑا سا۔ سو اس جگہ اے ماسٹر صاحب آپکو اپنے نقصان فہم سے یہ غلطی لگی کہ آپ
نے اس عبارت کا مخاطب (کہ تمکو علم روح نہیں دیا گیا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو سمجھ لیا حالانکہ لفظ ما اوتیتم جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تم کو نہیں دیا گیا جمع کا صیغہ ہے جو صاف
دلالت کر رہا ہے جو اس آیت کے مخاطب کفار ہیں کیونکہ ان آیات میں جمع کے صیغہ سے
کسی جگہ آنحضرتؐ کو خطاب نہیں کیا گیا بلکہ جابجا واحد کے صیغہ سے خطاب کیا گیا ہے
اور جمع کے صیغہ سے کفار کی جماعت کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایسا سوال کرتے ہیں سو اگر
کوئی نرا اندھا نہ ہو تو سمجھ سکتا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں دو جمع کے صیغے وارد ہیں۔ اول
یسئلون یعنی سوال کرتے ہیں دوم ما اوتیتم یعنے تم نہیں دئے گئے اور جیسا کہ ظاہر ہے کہ
یسئلون کے صیغہ جمع سے مراد کافر ہیں جنہوں نے روح کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا
تھا۔ ایسا ہی ظاہر ہے کہ ما اوتیتم کے صیغہ جمع سے بھی مراد کافر ہی ہیں مگر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کو تو کسی جگہ جمع کے صیغہ سے خطاب نہیں کیا گیا بلکہ اول مجرد کاف سے جو
واحد پر دلالت کرتا ہے خطاب کیا گیا یعنے یہ کہا گیا کہ تجھ سے کفار پوچھتے ہیں یہ نہیں
کہا گیا کہ تم سے کفار پوچھتے ہیں۔ پھر بعد اس کے ایسا ہی لفظ واحد سے فرمایا کہ ان کو
کہہ دے یہ نہیں فرمایا کہ ان کو کہو۔ برخلاف بیان حال کفار کے کہ اُن کو دونوں
موقعوں پر جمع کے صیغے سے بیان کیا ہے سو آیت کے سیدھے سیدھے معنے جو سیاق سیاق
کلام سے سمجھے جاتے ہیں اور صاف صاف عبارت سے نکلتے ہیں یہی ہیں کہ اے محمدؐ کفار ۱۲۵
تجھ سے روح کی کیفیت پوچھتے ہیں کہ روح کیا چیز ہے اور کس چیز سے پیدا
ہوئی ہے سو ان کو کہہ دے کہ روح امر ربی ہے یعنے عالم امر میں سے ہے اور تم
اے کافرو کیا جانو کہ روح کیا چیز ہے کیونکہ علم روح حاصل کرنے کے لئے ایماندار اور عارف
باللہ ہونا ضروری ہے مگر ان باتوں میں سے تم میں کوئی بھی بات نہیں۔

اب ہر یک منصف سمجھ سکتا ہے کہ نادانی اور شتاب کاری کی آمیزش
سے کیا کیا ندامتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ غور کرنا چاہئے کہ ان آیات شریفہ متذکرہ
بالا کا کیسا مطلب صاف صاف تھا کہ کفار کی ایک جماعت نے آنحضرت صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلم سے روح کے بارے میں سوال کیا کہ روح کیا چیز ہے تب ایسی جماعت
کو جیسا کہ صورت موجودہ تھی بصیغہ جمع مخاطب کر کے جواب دیا گیا کہ روح عالم امر میں
سے ہے یعنے کلمۃ اللہ یا ظل کلمہ ہے جو بحکمت و قدرت الٰہی روح کی شکل پر وجود
پذیر ہو گیا ہے اور اُس کو خدائی سے کچھ حصہ نہیں بلکہ وہ درحقیقت حادث اور بندۂ
خدا ہے اور یہ قدرت ربانی کا ایک بھید دقیق ہے جس کو تم اے کافرو سمجھ نہیں
سکتے + مگر کچھ تھوڑا سا جس کی وجہ سے تم مکلف با یمان ہو تمہاری عقلیں بھی دریافت
کر سکتی ہیں اس کھلے کھلے مطلب کے سمجھنے میں ماسٹر صاحب نے کتنی بڑی غلطی کھائی
ہے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ گویا یہ خطاب نا علمی کیفیت روح کا آنحضرت صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی طرف ہے لاحول ولا قوۃ پتھر پڑیں ایسی سمجھ پر کاش ماسٹر صاحب نے

+ حاشیہ: - یہ ایک سر ربوبیت ہے جو کلمات اللہ سے مخلوقات الٰہی پیدا ہو جاتی ہے
اس کو اپنی اپنی سمجھ کے موافق ہر ایک شخص ذہن نشین کر سکتا ہے چاہے اس طرح سمجھ لے کہ مخلوقات
کلمات الٰہی کے اظلال و آثار ہیں۔ یا ایسا سمجھ سکتا ہے کہ خود کلمات الٰہی ہی ہیں جو بقدرت الٰہی

کچھ تھوڑی سی عربی پڑھی ہوتی یا کچھ تھوڑا سا قاعدہ صرف نحو کا ہی دیکھا ہوتا۔ اے ۱۲۷
صاحب! ذرا آنکھ کھول کر دیکھو کہ روح کی کیفیت پوچھنے والے کون لوگ تھے۔
وہ تو آپ کے ہی بھائی بند یعنے منکرین دین اسلام تھے انہیں کو تو یہ جواب دیا
گیا تھا کہ روح عالم امر میں سے ہے اور تم ان الٰہی بھیدوں کوالے کافرو کیا جانو ایمان
لاؤ تا تمہیں روح کی کیفیت اور اُس کے علوم معلوم ہوں اور یہ جو خدا تعالےٰ نے
فرمایا ہے کہ روح عالم امر میں سے ہے جس پر ماسٹر صاحب نے اپنی خوش فہمی سے
جھٹ پٹ اعتراض بھی کر دیا یہ ایک بڑی بھاری صداقت کا بیان ہے اور اسکی

بقیہ حاشیہ:۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مخلوقیت کے رنگ میں آجاتے ہیں
کلام الٰہی کی عبارت ان دونوں معنے کے سمجھنے کے لئے وسیع ہے اور بعض مواضع قرآن کی
ظاہر عبارت میں مخلوقات کا نام کلمات اللہ رکھا گیا ہے جو تجلیات ربوبیت سے بقدرت الٰہی
لوازم و خواص جدیدہ حاصل کر کے حدوث کے کامل رنگ سے رنگین ہو گئے ہیں اور بحقیقت
یہ ایک سر ان اسرار خالقیت میں سے ہے جو عقل کے چرخ پر چڑھا کر اچھی طرح سمجھ میں نہیں
آسکتے اور عوام کے لئے سیدھا راہ سمجھنے کا یہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کرنا چاہا وہ
ہو گیا اور سب کچھ اسی کا پیدا کردہ اور اسی کی مخلوق اور اسی کے دست قدرت
سے نکلا ہوا ہے لیکن عارفوں پر کشفی طور سے بعد مجاہدات یہ کیفیت حدوث کھلجاتی ہے اور
۱۲۸ نظر کشفی میں کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام ارواح و اجسام کلمات اللہ ہی ہیں جو بحکمت
کاملہ الٰہی پیرایہ حدوث و مخلوقیت سے متلبس ہو گئے ہیں مگر اصل محکم جس پر قدم مارنا اور قایم
رہنا ضروری ہے یہ ہے کہ ان کشفیات و معقولات سے قدر مشترک لیا جائے یعنے یہ کہ خدا تعالےٰ
ہر اک چیز کا خالق اور محدث ہے اور کوئی چیز کیا ارواح اور کیا اجسام بغیر اس کے ظہور پذیر
نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے کیونکہ کلام الٰہی کی عبارت اس جگہ درحقیقت ذوالوجوہ ہے۔
اور جس قدر قطع اور یقین کے طور پر قرآن شریف ہدایت کرتا ہے وہ یہی ہے کہ ہریک چیز
۱۲۹ خدا تعالےٰ سے ظہور پذیر و وجود پذیر ہوئی ہے اور کوئی چیز بغیر اس کے پیدا نہیں ہوئی اور
نہ خود بخود ہے سو اس قدر اعتقاد ابتدائی حالت کے لئے کافی ہے پھر آگے معرفت کے میدانوں
میں سیر کرنا جس کو نصیب ہو گا اسپر بعد مجاہدات خود وہ کیفیت کھلجائیگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا یعنے جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرینگے ہم اُن کو

تفصیل یہ ہے کہ ربوبیت الٰہی دو طور سے ناپید چیزوں کو پیدا کرتی ہے اور دونوں طور ۱۲۷
کے پیدا کرنے میں پیدا شدہ چیزوں کے الگ الگ نام رکھے جاتے ہیں جب خدا تعالیٰ
کسی چیز کو اس طور سے پیدا کرے کہ پہلے اس چیز کا کچھ بھی وجود نہ ہو تو ایسے پیدا کرنے
کا نام اصطلاح قرآنی میں امر ہے اور اگر ایسے طور سے کسی چیز کو پیدا کرے کہ پہلے وہ
چیز کسی اور صورت میں اپنا وجود رکھتی ہو تو اس طرز پیدائش کا نام خلق ہے خلاصہ
کلام یہ کہ بسیط چیز کا عدم محض سے پیدا کرنا عالم امر میں سے ہے اور مرکب چیز کو کسی شکل یا

عالم امر اور عالم خلق میں فرق۔

بقیہ حاشیہ:۔ وہ اپنی خاص راہیں آپ دکھلا دیں گے جو مجرد عقل اور قیاس سے سمجھ
میں نہیں آسکتیں اور درحقیقت خدا تعالیٰ نے اپنے عجیب عالم کو تین حصہ پر منقسم کر رکھا ہے۔
(۱) عالم ظاہر جو آنکھوں اور کانوں اور دیگر حواس ظاہری کے ذریعہ اور آلات خارجی کے توسل سے محسوس ہو سکتا ہے۔
(۲) عالم باطن جو عقل اور قیاس کے ذریعہ سے سمجھ میں آسکتا ہے۔
(۳) عالم باطن در باطن جو ایسا نازک اور لا یدرک و فوق الخیالات عالم ہے جو تھوڑے ہیں
جو اس سے خبر رکھتے ہیں وہ عالم غیب محض ہے جس تک پہنچنے کے لئے عقلوں کو طاقت نہیں دی
گئی مگر ظن محض اور اس عالم پر کشف اور وحی اور الہام کے ذریعہ سے اطلاع ملتی ہے نہ اور کسی ذریعہ
سے اور جیسی عادت اللہ بدیہی طور پر ثابت اور متحقق ہے کہ اس نے ان دو پہلے عالموں کے دریافت
کرنے کے لئے جنکا اوپر ذکر ہو چکا ہے انسان کو طرح طرح کے حواس و قوتیں عنایت کی ہیں اسی
طرح اس تیسرے عالم کے دریافت کرنے کے لئے بھی اس فیاض مطلق نے انسان کے لئے ایک ذریعہ ۱۲۸
رکھا ہے اور وہ ذریعہ وحی اور الہام اور کشف ہے جو کسی زمانہ میں بکلی بند اور موقوف نہیں رہ
سکتا بلکہ اس کے شرائط بجا لانے والے ہمیشہ اس کو پاتے رہے ہیں اور ہمیشہ پاتے رہیں گے چونکہ
انسان ترقیات غیر محدودہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور خدا تعالیٰ بھی عیب بخل و امساک سے بکلی پاک
ہے پس اس قوی دلیل سے ایسا خیال بڑا ناپاک خیال ہے جو یہ سمجھا جائے جو خدا تعالیٰ نے انسان
کے دل میں تینوں عالموں کے اسرار معلوم کرنے کا شوق ڈال کر پھر تیسرے عالم کے وسائل وصول
سے بکلی اس کو محروم رکھا ہے پس یہ وہ دلیل ہے جس سے دانشمند لوگ دائمی طور پر الہام اور ۱۲۹
کشف کی ضرورت کو یقین کر لیتے ہیں اور آریوں کی طرح یہ ارشیوں پر الہام کو ختم نہیں کرتے جنکی
مانند کوئی پانچواں اس کمال تک پہنچے انکی نظر عجیب میں ممکن ہی نہیں بلکہ عقلمند لوگ خدا تعالیٰ کے
فیاض مطلق ہونے پر ایمان لا کر الہامی دروازوں کو ہمیشہ کھلا سمجھتے ہیں اور کبھی ولایت اور ملک سے

عالم تین حصہ پر منقسم ہے
عالم ظاہر۔
عالم باطن۔
عالم باطن در باطن

ہیئت خاص سے متشکل کرنا عالم خلق سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ دوسرے مقام میں قرآن شریف میں فرماتا ہے الا لہ الخلق والامر یعنے بسائط کا عدم محض سے پیدا کرنا اور مرکبات کو ظہور خاص میں لانا دونوں خدا کا فعل ہیں اور بسیط اور مرکب دونوں خدا تعالیٰ کی پیدائش ہے اب ماسٹر صاحب! دیکھا کہ یہ کیسی اعلیٰ اور عمدہ صداقت ہے جس کو ایک مختصر آیت اور چند معدود لفظوں میں خدا تعالیٰ نے ادا کر دیا۔ اس کے مقابلہ پر اگر آپ زید کے عقیدہ کو سوچیں تو جتنا شرمندہ ہوں اتنا

بقیہ حاشیہ:- اُس کو مخصوص نہیں رکھتے ہاں اُس صراط مستقیم سے مخصوص رکھتے ہیں جس پر ٹھیک ٹھیک چلنے سے یہ برکات حاصل ہوتے ہیں کیونکہ ہر ایک چیز کے حصول کے لئے یہ لازم پڑا ہوا ہے کہ انہیں قواعد اور طریقوں پر عمل کیا جائے جن کی پابندی سے وہ چیز مل سکتی ہے غرض عقلمند لوگ عالم کشف کے عجائبات سے انکار نہیں کرتے بلکہ انہیں ماننا پڑتا ہے کہ جس جواد مطلق نے عالم اول کے ادنیٰ ادنیٰ امور کے دریافت کرنے کے لئے انسان کو حواس وطاقتیں عنایت کی ہیں وہ تیسرے عالم کے معظم اور عالیشان امور کے دریافت سے جن سے حقیقی اور کامل تعلق خدا تعالیٰ سے پیدا ہوتا ہے اور سچی اور یقینی معرفت حاصل ہو کر اسی دُنیا میں انوار نجات نمایاں ہو جاتے ہیں۔ کیوں انسان کو محروم رکھتا بے شک یہ طریق بھی دوسرے دونوں طریقوں کی طرح کھلا ہوا ہے اور صادق لوگ بڑے زور سے اس پر قدم مارتے ہیں اور اس کو پاتے ہیں اور اس کے ثمرات حاصل کرتے ہیں عجائبات اس عالم ثالث کے بے انتہا ہیں اور اس کے مقابل پر دوسرے عالم ایسے ہیں جیسے آفتاب کے مقابل پر ایک دانہ خشخاش۔ اس بات پر زور لگانا کہ اس عالم کے اسرار عقلی طاقت سے بکلی منکشف ہو جائیں یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک انسان آنکھوں کو بند کر کے مثلاً اس بات پر زور لگائے کہ وہ قابل رویت چیزوں کو قوت شامہ کے ذریعہ سے دیکھ لے بلکہ عجائبات عالم باطن دریافت سے عقل ایسی حیران ہے کہ کچھ دم نہیں مار سکتی کہ یہ کیا بھید ہے روحوں کی پیدائش پر انسان کیوں تعجب کرے اسی دنیا میں صاحب کشف پر ایسے ایسے اسرار ظاہر ہوتے ہیں کہ عالم ثالث کے عجائبات میں سے چند ایک کا ذکر بطور مثال۔ اُن کی کنہ کو سمجھنے میں بکلی عقل عاجز رہ جاتی ہے بعض اوقات صاحب کشف صدہا کوسوں کے فاصلہ سے باوجود حائل ہونے بے شمار حجابوں کے ایک چیز کو صاف صاف دیکھ لیتا ہے بلکہ بعض اوقات عین بیداری میں باذنہ تعالیٰ اس کی آواز بھی سُن لیتا ہے اور اس سے زیادہ تر

ہی تھوڑا ہے اسی وجہ سے تو ہم نے آپ کو ایک خاموش درویش کا قصّہ سنایا
اگر آپ ایسے ایسے فضول اور خام شبہات کے پیش کرنے سے زبان بند
رکھتے تو ہمیں آپکی حیثیت علمی پر وہ شک نہ پڑتا جو اب پڑ گیا ہے بالآخر ہم یہ بھی
لکھا چاہتے ہیں کہ اگر ماسٹر صاحب کے دل میں یہ خیال ہے کہ قرآن شریف میں
علم روح بیان نہیں کیا گیا اور وید میں بیان کیا گیا ہے اور آن حضرت صلی اللہ علیہ
وسلّم کو کیفیت روح سے کچھ خبر نہ تھی مگر وید کے چاروں رشیوں کو خبر تھی تو اس ۳۰

بقیہ حاشیہ:۔ تعجّب کی یہ بات ہے کہ بعض اوقات وہ شخص بھی اسی آواز کو سن لیتا ہے جس کی صورت اس پر منکشف ہوئی ہے بعض اوقات صاحب کشف اپنے عالم کشف میں جو بیداری سے نہایت مشابہ ہے ارواح گذشتہ سے ملاقات کرتا ہے اور عام طور پر ملاقات ہر یک نیکبخت روح یا بدبخت روح کی شغل قبور کے طور پر ہو سکتی ہے چنانچہ خود اس میں مؤلف رسالہ ہذا صاحب تجربہ ہے اور یہ امر ہندوؤں کے مسئلہ تناسخ کی بیخ کنی کرنے والا ہے اور سب سے تعجب کا یہ مقام ہے کہ بعض اوقات صاحب کشف اپنی توجہ اور قوت تاثیر سے ایک دوسرے شخص پر باوجود صدہا کوسوں کے فاصلہ کے باذنہ تعالیٰ عالم بیداری میں ظاہر ہو جاتا ہے حالانکہ اس کا وجود عنصری اپنے مقام سے جنبش نہیں کرتا اور عقل کے زور سے ایک چیز کا دو جگہ ہونا محال ہے سو وہ محال اس عالم ثالث میں ممکن الوقوع ہو جاتا ہے اسی
۳۱ طرح صدہا عجائبات کو عارف بچشم خود دیکھتا ہے اور ان کور باطنوں کے انکار سے تعجب پر تعجب کرتا ہے جو اس عالم ثالث کے عجائبات سے قطعاً منکر ہیں۔ راقم رسالہ ہذا نے اس عالم ثالث کے عجائبات اور نادر مکاشفات کو قریب پانچہزار کے بچشم خود دیکھا اور اپنے ذاتی تجربہ سے مشاہدہ کیا اور اپنے نفس پر انہیں وارد ہوتے پایا ہے اگر ان سب کی تفصیل لکھی جائے تو ایک بڑی بھاری کتاب تالیف ہو سکتی ہے ان سب عجائبات میں سے ایک بڑی عجیب بات یہ ثابت ہوئی ہے کہ بعض کشفی امور جنکا خارج میں نام ونشان نہیں محض قدرت غیبی سے وجود خارجی پکڑ لیتے ہیں اگرچہ صاحب فتوحات وفصوص و دیگر اکثر اکابر متصوفین نے اس بارے میں بہت سے اپنے خود گذشت قصے اپنی تالیفات میں لکھے ہیں لیکن چونکہ دید و شنید میں فرق ہے اس لئے مجرّد ان قصوں کی سماعت سے ہمکو وہ کیفیت یقینی حاصل نہیں ہو سکتی تھی جو اپنے ذاتی مشاہدہ سے حاصل ہوئی۔ ایک مرتبہ مجھے یاد ہے

بات کا تصفیہ نہائت سہل اور آسان ہے اور وہ یہ ہے کہ ماسٹر صاحب مقابلہ کرنے کے عہد پر ہمکو اجازت دیں تاہم علم روح کو جو قرآن شریف میں لکھا ہے جس سے معرفت کاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم و کمالیت قرآن شریف ثابت ہوتی ہے ایک مستقل رسالہ میں مرتب کر کے بحوالہ آیات قرآنی شائع کر دیں اور جب یہ رسالہ ہماری طرف سے چھپ کر شائع ہو جائے تو اسوقت ماسٹر صاحب پر واجب و لازم ہو گا کہ اُس کے مقابل پر وید کی شرتیوں کے ساتھ ایک رسالہ مرتب کریں جس میں روح کے بارے میں

حضرت مسیح موعود نے عالم کشف میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور بعض احکام قضا و قدر پر ان سے دستخط کرائے

بقیہ حاشیہ :- کہ میں نے عالم کشف میں دیکھا کہ بعض احکام قضا و قدر میں نے اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں کہ آئندہ زمانہ میں ایسا ہو گا اور پھر اُس کو دستخط کرانے کے لئے خداوند قادر مطلق جل شانہٗ کے سامنے پیش کیا ہے (اور یاد رکھنا چاہیئے کہ مکاشفات اور رؤیا صالحہ میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض صفات جمالیہ یا جلالیہ الٰہیہ انسان کی شکل پر متمثل ہو کر صاحب کشف کو نظر آجاتے ہیں اور مجازی طور پر وہ یہی خیال کرتا ہے کہ وہی خداوند قادر مطلق ہے اور یہ امر ارباب کشوف میں شائع و متعارف و معلوم الحقیقت ہے جس سے کوئی صاحب کشف انکار نہیں کر سکتا) غرض وہی صفت جمالی جو بعالم کشف قوتِ متخیلہ کے آگے ایسی دکھلائی دی تھی جو خداوند قادر مطلق ہے اُس ذات بیچون و بیچگوں کے آگے وہ کتاب قضا و قدر پیش کی گئی اور اُس نے جو ایک حاکم کی شکل پر متمثل تھا اپنے قلم کو سرخی کی دوات میں ڈبو کر اول اس سرخی کو اس عاجز کی طرف چھڑکا اور بقیہ سرخی کا قلم کے مونہہ میں رہ گیا اُس سے اس کتاب پر دستخط کر دئے اور ساتھ ہی وہ حالت کشفیہ دور ہو گئی اور آنکھ کھول کر جب خارج میں دیکھا تو کئی قطرات سرخی کے تازہ بتازہ کپڑوں پر پڑے چنانچہ ایک صاحب عبد اللہ نام جو سنور ریاست پٹیالہ کے رہنے والے تھے اور اس وقت اس عاجز کے پاس نزدیک ہو کر بیٹھے ہوئے تھے دو یا تین قطرہ سرخی کے ان کی ٹوپی پر پڑے پس وہ سرخی جو ایک امر کشفی تھا وجود خارجی پکڑ کر نظر آگئی اسی طرح اور کئی مکاشفات ہیں جنکا لکھنا موجب تطویل ہے مشاہدہ کیا گیا ہے اور اپنے ذاتی تجارب سے ثابت ہو گیا جو بلاشبہ امور کشفیہ کبھی کبھی باذنہٖ تعالیٰ وجود خارجی پکڑتے ہیں یہ امور عقل کے ذریعہ سے ہرگز ذہن نشین نہیں ہو سکتے بلکہ جو شخص عقل کے گھمنڈ اور غرور میں پھنسا ہوا ہے وہ ایسی باتوں کو سنتا ہی نہایت تکبر سے کہیگا کہ یہ سراسر امر محال اور خیال باطل ہے اور ایسا کہنے والا یا تو دروغگو ہے یا دیوانہ یا اس کو سادہ لوحی کی وجہ دھوکا لگا ہے اور بباعث نقصان

عالم کشف کی سرخی کے قطرے وجود خارجی پکڑ کر عالم ظاہر میں نظر آ گئے۔

ویدکی فلاسفی بیان کی گئی ہو کہ وہ کیونکر غیر مخلوق اور خدا کی طرح قدیم اور خدا سے
الگ چلی آتی ہے اور اُس کے خواص کیا کیا ہیں مگر ہم دونوں فریقوں پر لازم ہوگا
کہ اپنی اپنی کتاب سے باہر نہ جائیں اور کوئی خود تراشیدہ خیال پیش نہ کریں بلکہ
وہی بات پیش کریں جو اپنی کتاب الہامی نے پیش کی ہے اور اس آیت یا شرتی
کو یہ پتہ خاص معہ ترجمہ لکھ بھی دیں تاکہ ناظرین رائے لگا سکیں کہ آیا وہ بات ۱۳۲
اس سے نکلتی ہے یا نہیں سو اگر اس شرط سے ماسٹر صاحب مقابلہ کر دکھائیں یا
کوئی اور شخص جو آریوں کے ممتاز علماء میں سے ہوں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایسے
شخص کو خواہ ماسٹر صاحب ہوں یا منشی اندرمن صاحب مرادآبادی یا منشی جیوند اس
صاحب سکرٹری آریہ سماج لاہور یا کوئی اور صاحب جو اس گروہ میں مسلم العلم
ہوں سو روپیہ نقد بطور انعام دونگا اور یہ روپیہ فریق مخالف کی تسلی خاطر کے لئے ۱۳۳

بقیہ حاشیہ:۔ تحقیق بات کی تہ تک پہنچنے سے محروم رہ گیا ہے۔ لیکن افسوس تو
یہ ہے کہ ان عقلمندوں کو کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ وہ امور جن کی صداقت پر ہزار ہا عارف و
راستباز اپنے ذاتی تجارب سے شہادتیں دے گئے ہیں اور اب بھی دیتے ہیں اور صحبت
گزین پر ثابت کر دینے کے لئے بفضلہ تعالیٰ اپنی ذمہ واری لیتے ہیں کیا وہ ایسے خفیف امور
ہیں جو صرف منکرانہ زبان ہلانے سے باطل ہو سکتے ہیں اور حق بات تو یہ ہے کہ عالم کشف کے
عجائبات تو ایک طرف رہے جو عالم عقل ہے یعنے جس عالم تک عقل کی رسائی ہونا ممکن ہے
اس عالم کا بھی ابھی تک عقل نے تصفیہ نہیں کیا اور لاکھوں اسرار الٰہی پردہ غیب میں دبے
پڑے ہیں جنکی عقلمندوں کو ہوا تک نہیں پہنچی ایک فصلی مکھی جو پلید اور ناپاک زخموں پر
بیٹھتی ہے اور اکثر گدہے یا بیل وغیرہ جو زخمی اور مجروح ہوں انکو ستاتی ہے اُس کے اس
عجیب خاصہ پر کوئی فلسفی دلیل عقلی نہیں بتا سکتا کہ وہ اکثر برسات میں تکون کے طور پر
پیدا ہو جاتی ہیں اور اس کی اولاد صرف کیڑے ہوتے ہیں کہ جو ایک ایک سیکنڈ میں دس دس ۱۳۴
بیس بیس تیس تیس اس کے اندر سے نکلتے جاتے ہیں کیا یہ عقل کے برخلاف ہے یا نہیں کہ مادہ اور نر
دونوں نوع واحد میں داخل ہوں اور ان کے بچے ایسے ہوں کہ اُس نوع سے بکلی خارج ہوں۔
ایسا ہی اگر چھپکلی کو جس کو پنجاب میں کرلی کہتے ہیں، درمیان سے کاٹا جائے تو اس کا نیچے اور اوپر
کا دھڑ دونوں الگ الگ تڑپتے ہیں اور مضطربانہ حرکت کرتے ہیں اگر بقول پنڈت دیانند جیو

پہلے ہی کسی فاضل برہمو صاحب کے پاس جیسے بابو نوبین چندر رائے صاحب و پنڈت شیو نارائن صاحب اگنی ہوتری ہیں بطور امانت جمع کرایا جائیگا اور انہیں اختیار ہوگا کہ اگر وہ اپنی رائے میں دیکھیں کہ حقیقت میں آریہ صاحب نے وید کا مقابلہ کر دکھایا تو خود بخود بغیر اجازت این جانب وہ روپیہ اس آریہ صاحب کے حوالہ کر دیں۔ لیکن اگر اس مضمون کو پڑھ کر پھر بھی ماسٹر صاحب یا ان کے کوئی دوسرے باعلم بھائی خاموش رہے اور مجھ کو بوعدہ مقابلہ ایسے رسالہ کی تالیف کے لئے تحریک نہ کی تو پھر تمام ناظرین کو سمجھنا چاہئے کہ انکی سب آوازیں طبل ہتی ہیں اور صادقوں کے طریق پر وہ چلنا چاہتے ہی نہیں۔ بھلا یہ کیا اوباشانہ طریق ہے کہ اول خدا تعالیٰ کی پاک کلام اور اس کے کامل نبی کی نسبت ہتک اور توہین کے کلمات موںنہ پر لائیں اور جب مقابلہ وید و قرآن کے لئے کہا جائے تو پھر ایسے چپ ہوں کہ گویا دنیا سے کوچ کر گئے۔ ناظرین سوچ لیں کہ اس سے بڑھکر اور کیا صفائی کی بات ہوگی کہ ہم مغلوب ہونے کی حالت میں سو روپیہ نقد دینا وعدہ کرتے ہیں اور غالب ہونے کی حالت میں ہم کچھ بھی نہیں مانگتے صرف یہ امید رکھتے ہیں کہ کوئی روح بے راہی کے

بقیہ حاشیہ:۔ روح بھی جسم کی قسم ہے تو اس سے ضرور لازم آتا ہے کہ روح دو ٹکڑے ہو گیا ہو اور اگر روح کو جسم اور جسمانی ہونے سے منزہ خیال کریں اور اس کا تعلق جسم سے ایسا ہی مجہول الکیفیت و برتر از عقل و فہم خیال کریں جیسے روح کا حدوث برتر از عقل و فہم ہے تو پھر البتہ کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ ہاں پنڈت دیانند کا مذہب جڑھ سے اکھڑتا ہے اسی طرح عقلمندوں کی عقل ناقص کے تراش و خراش پر بہت اعتراض لگتے ہیں اور ان کو آخر کار نہایت شرمساری سے موںنہ کے بل گرنا پڑتا ہے اور پھر انجام کار بہت خوار اور ذلیل ہو کر اسی بات کا اقرار کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی بے انتہا عجیب و غریب قدرتوں کا احاطہ کرنا انسان کا کام نہیں +

ہر چہ دانا کند کند ناداں لیک بعد از کمال رسوائی منہ

طریق سے نادم ہوکر سچائی کا طریق اختیار کرے ۔ سو اب ہم منتظر ہیں گے کہ کب لالہ مرلی دھر صاحب یا اُنکے کوئی اور آریہ بھائی جو اپنی قوم میں امتیاز علمی رکھتے ہوں ایسی درخواست کرینگے ۔ تا سیہ روے شود ہر کہ درو غش باشد +

سوال
اسلام نے مادہ کی کیفیت کو بھی نہیں سمجھا۔

قولہٗ ۔ اسی طرح اسلام نے مادہ کی کیفیت کو بھی نہیں سمجھا اور نہ مادی دنیا کو ہی معلوم کیا کہ زمین و سورج و چاند وغیرہ کیا ہستو ہیں زمین جو کہ کرہ ہے اُسکی حقیقت اور گردش و کشش وغیرہ جو ہے ان سب کے خلاف ہی سارے مسایل اسلام کے ہیں +

اقول :۔ آپ اس خیال پر اختلال میں بھی سراسر غلطی پر ہیں اور یہ آپکا قول بالکل جھوٹ اور افترا یا بے خبری یا بے علمی کا تقاضا ہے جو آپ تعلیم قرآنی کی نسبت ایسا خیال کر رہے ہیں بلکہ تعلیم قرآنی میں جیسی واقعی اور حقانی طور پر کیفیت روح اور اس کے خواص بیان کئے گئے ہیں ایسا ہی زمین و سورج و چاند وغیرہ مادی اشیاء کی نسبت قرآن شریف میں صحیح صحیح اور واقعی بیان مندرج ہے اور ایسے بلند و عمیق اسرار طبعی و ہیئت و طبابت و دیگر لطایف فلسفہ اسمیں پائے جاتے ہیں جن کی طرف کسی حکیم یا فلسفی کا ذہن سبقت نہیں لے گیا اگر آپ اسمیں بھی کچھ آزمایش کرنا چاہیں تو حسب تحریک آپ کے ہم ایک ہی رسالہ میں جیسا کہ قول گذشتہ میں ہم وعدہ کر چکے ہیں بمراد مقابلہ وید و قرآن یہ دونوں طور کے مسائل یعنے مسائل علم روح و مسائل علم اشیائے مادی قرآن شریف سے لیکر بیان کر سکتے ہیں مگر اسی شرط متذکرہ بالا کے رو سے یعنی یہ کہ جس طرح ہم اپنے بیان میں قرآن شریف سے باہر نہ جائیں ایسا ہی بمقابل ہمارے آپ بھی کر دکھائیں ۔ اور آپ یاد رکھیں کہ آپ کی ساری باتیں فضول اور نری دعوئی ہی دعوی ہیں ورنہ وید تو خالق اور مخلوق میں بھی فرق نہیں کر سکا پھر دوسری صداقتیں کیا بیان کریگا ۔ ایک وید کا دعوی تناسخ ہی دیکھیں یعنے جونوں کا مسئلہ کہ کس قدر مخالف ۱۳۶
طبعی و طبابت و ہیئت ہے بموجب قرارداد وید کے جو لوگ نہایت درجہ کے ذلیل گناہ کرتے ہیں وہ کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض بنتے ہیں اور انسان کی جون انہیں کو ملتی ہے جن کا گناہ کچھ خفیف ہو اب ایک محقق عقلمند سوچ سکتا ہے کہ اگر یہ بات صحیح ہوتی تو اس سے لازم آتا کہ کیڑوں مکوڑوں کا کثرت سے پیدا ہونا ہمیشہ کثرت گناہوں کے تابع ہو

حالانکہ یہ بات بہ بداہت نظر سراسر باطل معلوم ہوتی ہے کیونکہ خدائتعالی کا قانون قدرت صاف صاف یہی دیکھا جاتا ہے کہ اکثر کیڑے مکوڑے اور مینڈکیں اور چھوٹے چھوٹے پردار اور دوسرے جانور موسم برسات ہی میں پیدا ہوتے ہیں تو کیا اب یہ خیال ہوسکتا ہے کہ ہمیشہ خلقت خدا کی برسات کے دنوں ہی میں کثرت سے گناہ کرتی ہے کسی اور دنوں میں نہیں کرتی دیکھو یہ عقیدہ کس قدر علم طبعی کے برخلاف ہے ایسا ہی جمیع اطبا کی تحقیقات سے اکثری طور پر یہ ثابت ہوچکا ہے کہ مرد اور عورت کی دو منیوں کے ملنے سے لڑکا لڑکی پیدا ہوتا ہے مگر دیانند صاحب فرماتے ہیں کہ وید کے رو سے صرف عورت کا نطفہ موجب حمل ہوجاتا ہے اور روح شبنم کی طرح کسی بوٹی پر گرتی ہے اس کو کوئی عورت کھاکر حاملہ ہوجاتی ہے دیکھو یہ کسقدر منافی مسایل طبابت ہے۔ ایسا ہی وید میں یہ بھی لکھا ہے کہ اندر نے ایک رشی کی لڑکی کو حمل کردیا بلکہ آپ ہی اس کے پیٹ سے پیدا ہوگیا۔ آپ لوگوں کے بزرگ یہ بھی لکھ گئے ہیں کہ بعض رشی کان کی راہ سے بعض موہنہ کی راہ سے بعض کسی اور دوسرے حیوان کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں ایسا ہی آپ کا وید بہت سے ایسے خواص چاند اور سورج کی طرف منسوب کرتا ہے جنکی زمانہ حال کی نئی تحقیق نے صاف صاف بکمال ثبوت تکذیب کی ہے اگر ہم اس وقت وید سے نقل کرکے جو ہمارے سامنے رکھا ہے ان سب باتوں کو جو خلاف مسائل ثابت شدہ طبعی و طبابت و ہیئت اسمیں بھری پڑی ہیں لکھیں تو یہ رسالہ ایک بڑی کتاب ہوجائیگی اس لئے بالفعل ہم ان تمام امور کو اس مستقل رسالہ پر موقوف رکھتے ہیں جس کا ہم بشر ایطا متذکرہ بالا وعدہ کرچکے ہیں۔

قولہ۔ آج تک مسلمانوں کو چاند وغیرہ کی حقیقت معلوم نہیں کہ کب نکلتا ہے اور کب چھپتا ہے ایک عید ہی آتی ہے تو سب مسلمان شبہ میں پڑجاتے ہیں کہ چاند کونسے دن نکلتا ہے۔

اقول۔ بھلا غنیمت ہے کہ چاند وغیرہ کی حقیقت آپ لوگوں نے تو اچھی طرح سمجھ لی ہے لیے ماسٹر صاحب میں نہیں جانتا کہ اس قسم کے بیہودہ اور بے اصل باتوں سے آپ کا مطلب کیا ہے۔ اگر اس نقطہ چینی سے آپکا مدعا یہ ہے کہ عوام مسلمانوں میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں کہ علوم طبعی و ہیئت سے بیخبر ہیں تو میں کہتا ہوں کہ اس وصف کے عوام الناس کس قوم میں نہیں پائے جاتے بلکہ ہندوؤں کے عوام پر تو گویا سادہ لوحی و ہر پرستی عجائب پرستی ختم ہے ابھی کسی اخبار میں لکھا تھا کہ ایک ہندو صاحب نے ریل کو دیکھ کر جھک کر اسے

موسم برسات میں کیڑے مکوڑوں کا کثرت سے پیدا ہونا تناسخ کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔ وید نے انسانوں کی پیدائش کا جو طریق بیان کیا ہے خلاف مسایل طبیہ و طبابت وغیرہ ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ مسلمانوں کو چاند وغیرہ کی حقیقت معلوم نہیں۔

سجدہ کیا کہ تیرا دھن بل ہے تو ماتا دیوی ہے کیا ان لوگوں کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ انکو بھی طبعی یا فلاسفی کی بو پہنچی ہے بھلا آپ ہی فرمائے کہ ایسے خیالات کے مالک قریب قریب حیوانات کے ہیں یا نہیں۔ کیا جو لوگ آفتاب اور ماہتاب سے لیکر زمین کے تمام عناصر بلکہ پتھروں اور بوٹیوں تک کی بھی پرستش کرتے ہیں انکو اس فلسفہ حقہ پر کچھ اطلاع ہے کہ یہ سب چیزیں مخلوق اور ایک صانع قادر کے قبضۂ قدرت میں ہیں نہ کسی کو نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ کچھ نقصان کر سکتی ہیں ایسا ہی جابجا آریہ صاحبوں کے عوام کیا بلکہ خواص بھی علوم فلسفیہ سے بکلی بے خبر اور غافل محض پائے جاتے ہیں۔ دیکھو ایک طرف آریہ لوگوں کی فلاسفی یہ بتلاتی ہے کہ گائے جو ایک حیوان ہے مسئلہ اواگون کے رو سے کسی زمانہ میں برہمن کی قوم میں سے یعنے ایک برہمنی تھی اور پھر کسی پلید اور برے کام کے ارتکاب سے بعض کہتے ہیں کہ زنا کے باعث سے سزایاب ہو کر گائے کی جون میں آئی۔ اور پھر دوسری طرف دیکھو کہ اسی
مجرمہ فاسقہ عورت کی ہندوؤں کے خیالات میں کس قدر تعظیم و تکریم جمی ہوئی ہے کہ گویا اسی کی ١٣٨
دُم پکڑ کر پار ہو جاتا ہے یہاں تک اس کی بزرگی تسلیم کی جاتی ہے کہ اس کے عوض میں کسی انسان کا خون کرنا انکے نزدیک کچھ بھی گناہ نہیں بلکہ ثواب کی بات ہے اگرچہ ایسی ایسی حرکات کبھی کبھی اب بھی ہندو لوگ شوخی کی راہ سے کر بیٹھتے ہیں چنانچہ کوکوں کا بمقام امرتسر کئی قصابوں کو بے رحمی سے قتل کرنا ایک ایسا تازہ واقعہ ہے جس میں کچھ زیادہ مدت نہیں گذری لیکن سکھوں کے عہد حکومت میں تو بڑے زور و شور سے بحکم حکام ایسی وارداتیں ہوتی تھیں سکھوں کا دور حکومت پنجاب میں پچاس برس کے اندر اندر شروع بھی ہوا اور ختم بھی ہو گیا اس زمانہ کی تحریروں اور واقف کاروں کے بیانات تائیدی سے یہ پر درد ماجرا معلوم ہوتا ہے کہ اس حیوان کے کسی اتفاقی زخم لگ جانے پر یا کبھی کبھی کسی فاقہ کش کے ہاتھ سے ذبح کئے جانے پر چار ہزار سے کچھ زیادہ مسلمان متفرق مقامات اور دفعات میں زمانہ عملداری سکھوں میں نہایت دردانگیز اور بے رحمی کے طریقوں سے قتل کئے گئے اور جلائے گئے اور پھانسی دیئے گئے اور اُس سکھا شاہی میں ہمیشہ اس منحوس جانور کی حمایت میں ہندوؤں سے ایسی ایسی ہی ظالمانہ حرکتیں ہوتی رہیں یہاں تک کہ آخر مظلوموں کی فریاد جناب الٰہی میں سنی گئی اور اس جانور اور اس کے حامیوں پر منعم حقیقی کا غضب بھڑکا اور اُس نے عنان حکومت ہمیشہ کے لئے ہر یک زمان و مکان سے اُنکے ہاتھ سے چھین لی اور ایک ایسی مہذب

گائے کو فاسقہ قرار دیا ہے پھر اُس کی عظمت اور تعظیم بھی کی جاتی ہے۔

سکھوں کے ظلم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حکومت اُنسے چھینی اور ایک مہذب قوم کے سپرد کی جس میں ملکداری کی قابلیت تھی۔

قوم کو ابر رحمت کی طرح دور سے لایا جس میں انسان اور حیوان میں فرق کرنے کی لیاقتیں موجود تھیں اور جس کو قابلیت رعیت پروری و ملکداری و قدر شناسی اشرف المخلوقات حاصل تھی اس قوم فاتح اور قابل شکر (یعنی گورنمنٹ برطانیہ) کی حکومت پنجاب میں قایم ہونے سے سب مسلمان اُس عذاب سے رہائی پا گئے کہ جو بنی اسرائیل کی طرح ایک مدت مدید سے سکھوں اور ہندؤں کے ہاتھ سے اُٹھاتے تھے اور وہ ہزارہا شریف انسانوں کے خون جو اس ایک حیوان کے عوض میں اس پر ظلم حکومت میں بہائے گئے تھے اسی طرح اُن ظالم سرداروں کا نام ونشان بھی نہ رہا اور آخر اُن کے خونوں سے بھی زمین سرخ ہو گئی اور گائے پر بھی جو کچھ یہ غضب الٰہی وارد ہوا اور اب تک ہمیشہ کے لیئے وارد ہو رہا ہے اُسکے بیان کرنے کی تو کچھ حاجت ہی نہیں۔ تا دلِ مردانِ حق نامد بدرد + ہیچ قومے را خدا رسوا نکرد

اب دیکھو کہ ایک لا یعقل حیوان کو انسان سے بہتر جاننا اور پہلے آپ ہی اس حیوان کو ایک فاسقہ عورت کی بگڑی ہوئی جون قرار دینا اور پھر اُس کی ایسی عزت کرنا کہ اس کے ادنے زخم پر ہزارہا انسانوں کے خون کرنے کو تیار ہو جانا یہ کس قسم کی فلاسفی ہے اگر تلاش کرو تو تمام دنیا میں ایسا وحشیانہ جوش ایک حیوان کے لئے کسی قوم میں ہرگز پایا نہیں جائیگا جیسا کہ ہندوؤں کو گائے کے لئے ہے۔ بعض متعصب برہمنوں کو یہ بھی کہتے سنا ہے کہ اصل میں گائے کا جرم تو خفیف ہی تھا مگر پرمیشر نے اُس کو کسی مصلحت سے سخت سزا دیدی شاید یہ پردہ پوشی اور پرمیشر کو ظالم ٹھہرانا اس خیال سے ہے کہ انکے مجنونانہ زعم میں گائے در اصل انہی کی بہن یعنے برہمنی ہے اور برہمن ویدوں کے رو سے ایک ایسی چیدہ قوم ہے کہ کسی قسم کے گناہ بھی اُن کو معاف ہیں اور اگر کوئی شودر ہو کر برہمن کی نسبت کوئی برا لفظ کہے تو منو سمرت میں لکھا ہے کہ اُس کی زبان چھیدنی چاہیئے اور اگر ہندوؤں میں سے بجز برہمن کسی دوسری قوم کا آدمی بے اولاد ہو تو شاستروں کا حکم ہے کہ اپنی عورت کو برہمن کے پاس بھیجدے اور وہ اُس سے ہم صحبت ہو کر اُس کے حاملہ ہو جانے کا فکر کریگا ایسا ہی قریب بتیس کے عجیب عجیب حقوق برہمنوں کے ہیں جنکو شاستروں نے کھیوٹ بندوبست کی طرح برہمنوں کے لئے قایم کر رکھا ہے چنانچہ منو شاستر اور دوسرے شاستروں کے پڑھنے والوں پر پوشیدہ نہیں اور برہمنوں کا دعویٰ ہے کہ یہ سب باتیں وید سے لی گئیں ہیں اور وید میں درج ہیں اور باوا نانک صاحب تو سب پورانوں اور شاستروں کو وید کی طرح ایشر کرت ہی

یعنے خدا کا کلام ہی جانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے گرنتھ میں لکھتے ہیں قدرت بید پوران
گیتان قدرت سراب بچار - یعنے بید پوران شاستر سب خدا کا کلام ہی ہے سو وہ لوگ جو
سکھ ہوکر آریہ سماج میں داخل ہیں اور دو دو ہاتھ کے برابر کیس سر پر رکھے ہوئے ہیں اُن پر تو
واجب ہے کہ اپنے گورو نانک صاحب کے شبد پر عمل کر کے سب پورانوں کو الیشر کا کلام ہی سمجھیں
غرض جب منو سمرت اور پرانو کے رو سے ایسی عزت اور ایسے حقوق برہمن کو حاصل ہیں تو پھر
درحقیقت ہندوؤں کے پرمیشر نے بہت بیجا کام کیا کہ ایک برہمنی کو ایک ادنے گناہ سے
سخت سزا دیدی درحقیقت ایسی سخت سزا دینے سے پرمیشر کی عدالت پر بڑا دھبہ لگتا ہے کہ
اس نے ایسی سنگین اور سخت سزا دی کہ غریب برہمنی کو اپنی اصلی صورت سے مسخ کر کے
قیدیوں کی طرح سخت اور خود غرض لوگوں کے حوالہ کر دیا جن میں سے کوئی تو اُس کے بچے کو
بھوکا چھوڑ کر اس کا دودھ پی جاتا ہے اور کوئی اُسکی ہڈیوں اور چمڑہ کے فکر میں رہتا ہے اور
کوئی اس کے بچوں پر جوا رکھ کر دن رات انکی جان کو مارتا ہے اور کوئی بار برداری سے انکو
ریش اور مجروح کرتا ہے غرض کوئی کسی طرح سے اور کوئی کسی طرح سے اُن پر ظلم کرتا ہے یہاں
تک کہ خود آریہ لوگ بھی اُس پر رحم نہیں کرتے اور غلاموں کی طرح اُس کی خرید اور فروخت
جاری رکھتے ہیں اور ہمیشہ قید رکھ کر سختی پر سختی کرتے رہتے ہیں سو اگر گائے کے اُن پر درد
واقعات کو بمقابل جنگلی چرندوں اور پرندوں کے دیکھا جائے یا دریا کے جانوروں کے مقابل
پر وزن کیا جائے تو حقیقت میں صاف ظاہر ہوتا ہے کہ پرمیشر نے گائے کو بڑی سخت سزا
دی ہے اور اگر یہ کہو کہ پرمیشر نے اس لئے یہ سخت سزا دی کہ تا آئندہ کوئی برہمنی ایسا
بُرا کام نہ کرے تو یہ جواب بھی پوچ ہے کیونکہ اگر پرمیشر کا یہی مطلب ہوتا تو گائے کو انسان
کی طرح زبان گویائی دیتا تا وہ برہمنوں کے گھر جا کر اپنی بہنوں کو سمجھاتی کہ اے بہنوں میرا حال
دیکھو اگر تم ایسا کرو گی تو تم بھی ایسا ہی پاؤ گی یا ایسا کرتا کہ پھر جب کبھی گائے آدمی کی
جون میں آجاتی تو وہ تمام مصیبتیں گائے بننے اور دُکھ درد اُٹھانے کی اُس کو یاد دلا دیتا تا وہ ١٤١
پھر کبھی ایسا بُرا کام نہ کرتی۔ سو جبکہ پرمیشر نے ایسی سخت سزا تو دی مگر کبھی ایک دفعہ
ایسا نہ کیا کہ گائے کو زبان گویائی دیتا یا اسے آدمی کی جون میں آنے کے بعد اُس پہلی
پر مصیبت جون کی اطلاع کر دیتا تو یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اب تک گائے کی جون کا انسداد
نہیں ہوا بلکہ اس گناہ کے نامعلوم رہنے کی وجہ سے اس حیوان کی نسل نے ایسی ترقی کی کہ

جس گناہ کی وجہ سے برہمنی گؤ بنی اُسکو نابود کرنیکی کی ایک تجویز۔

کہ کروڑ ہا گائیں زمین پر پھیل گئی ہیں اگر پرمیشر سے یہ بدانتظامی ظہور میں نہ آتی تو اس نابکار حیوان کی اس قدر ترقی کیوں ہوتی بلکہ گایوں کا زمین پر نام ونشان نہ رہتا مگر اب بھی اس منحوس جون کے کاٹنے کے لئے ایک عمدہ تجویز خیال میں گذرتی ہے۔ اگر آریہ صاحبان اسکو پسند کرلیں تو انکی کوشش سے یہ لائق رحم برہمنی اس منحوس جون سے مخلصی پاسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ پنجاب اور ہندوستان کی تمام گایوں اور بیلوں کو ایک ہی جگہ اکٹھا کرکے ایک ہی دفعہ کسی تدبیر سے اس جہان فانی سے زاویہ عدم میں بھیجا جاوے اگر پھر بھی ہندوں کا پرمیشر کسی برہمنی کو ایسی سخت سزا دینے کی جرأت کرے تو اسکے ہم ذمہ دار ہیں بشرطیکہ کسی اور ملک سے کوئی جوڑہ بیل اور گائے کا جدید طور پر نسل جاری کرنے کے لئے منگوایا نہ جاوے کیونکہ اگر آریہ صاحبان ایسا کریں تو گویا پھر خود انکی مرضی ہے کہ اس منحوس جون سے کبھی برہمنوں کو نجات نہ ملے غرض ہم نے ایک نسخہ بتا دیا ہے آیندہ اس کا کرنا نہ کرنا آریہ صاحبوں کے اختیار میں ہے ✦

اب ذرا عقلمند آریوں کو شرمندہ ہونا چاہیئے کہ انکے وید کی فلاسفی نے کس درجہ کے
۱۴۲ مجنونانہ خیالات تک انکو پہنچا دیا ہے۔ کیا وید ودیا کی یہی تعلیم ہے کہ اول ایک حیوان کو بلادلیل
وحجت ایک فاسقہ عورت قرار دینا اور پھر اسی پلید اور نابکار جانور کے دودھ پینے کے لئے رغبت دلانا۔ اے بھائیو آریو خدا تمہیں سمجھ اور ہدایت بخشے تمہیں ذرہ غیظ اور غضب کو الگ کرکے سوچنا چاہیئے اور عالمانہ اعتراض کا عالمانہ جواب دینا چاہیئے کہ اگر حقیقت میں گائے ایک نابکار اور سزا یافتہ عورت ہے تو یہ کیا بات ہے کہ اُس کو متبرک اور قابل تعظیم سمجھا جائے بلکہ اس کی شکل دیکھنے سے بیزار ہونا چاہیئے اور ڈرنا چاہیئے اور دور
۱۴۳ سے توبہ کرنا چاہیئے نہ یہ کہ اُس کو بابرکت خیال کرکے صبح اُٹھ کر پہلے اسی کا درشن کریں بعد
مرنے کے وقت وہی برہمن کو بھی سنکلپ کرکے دیجائے اور اگر کسی آدم زاد کے ہاتھ سے اتفاقاً ایک ادنے زخم بھی اُس کو پہنچ جائے تو جب تک اُس آدمی کے ٹکڑہ ٹکڑہ نہ کرلیں صبر نہ آوے کیا آپ کے وید کا یہی فلسفہ ہے کیا وید ودیا اسی کا نام ہے کیا اسی مشیخت سے مسلمانوں کے عوام پر آپ نے اعتراض کیا ہے کہ سورج اور چاند کی انہیں کیفیت معلوم نہیں بھلا آپ ایمانًا بتلادیں کہ قانون انصاف کا جاننا اور سمجھنا زیادہ تر مقدم ہے یا چاند اور سورج کا آپکے وید کے مسایل ایسے ہیں کہ انہوں نے نہ آپکے پرمیشر کی کچھ عزت بحال رکھی اور نہ انسان

ویدنے پرمیشر کی عزت بحال رکھی نہ انسان اور حیوان کا فرق قایم رکھا اور نہ قانون انصاف بتایا۔

اور حیوان کا فرق قایم رکھا اور نہ قانون انصاف میں سے آپکو کوئی حرف پڑھایا جہاں
دیکھو بے انصافی ہے۔ جس طرف نظر ڈالو ناحق پرستی پائی جاتی ہے اول خدا تعالیٰ کو
خالق اور رحیم اور کریم ہونے سے جواب دیا پھر اس کے بندوں کو ہمیشہ کی نجات سے
محروم رکھا الہام کو خواہ نخواہ چار رشیوں میں محدود کر دیا الہامی کتاب کا نازل ہونا
اسی آریہ دیس کا حق ٹھرایا گیا سنسکرت پرمیشر کی زبان مقرر کی گئی تمام مجاہدین اور
عابدین کو خواہ وہ کیسے اخلاص سے ہی عبادت و بندگی کریں ان چار وید کے رشیوں
کی طرح ملہم اور عارف باللہ ہونے سے ہمیشہ کے لئے جواب دیا گیا کیا یہ باتیں قانون
انصاف سے نکلی ہیں کیا ان تعلیموں کا بانی مبانی منصف مزاج کہلا سکتا ہے کیا کسی
عقلمند کے نزدیک یہ بات شان فیاضی الٰہی سے مناسبت رکھتی ہے کہ وہ ہمیشہ کے
لئے اپنی نبوت اور الہام پانی کا آریہ دیس کے چار رشیوں کو ہی ٹھیکہ دے رکھے
اور باقی تمام بندگان خدا اسکے وسیع اور آباد ملکوں کے ہمیشہ کے لئے اس سے محروم
رہیں سو جس کتاب نے قانون انصاف یہ بتلایا ہے اس سے دوسری صداقتوں
کی کیا امید رکھیں تمام عارفوں کے نزدیک سورج چاند اور دوسرے اجرام و اجسام ۱۴۳
کی شناخت سے اصلی غرض یہ ہے کہ تا ان مصنوعات پر غور کرنے سے صانع حقیقی
کی طرف خیال رجوع کر جائے لیکن جس مذہب میں خدا تعالیٰ کو صانع کامل ہونے
سے ہی جواب دیا گیا اگر اس مذہب میں کوئی شخص طبعی اور ہیئت یا دوسرے علوم
سے کسی قدر بہرہ بھی حاصل کرلے تو اسے کیا فائدہ حاصل ہوگا یہ برکات قرآن
شریف میں ہی ہیں کہ اس نے ان تمام علوم طبعی و طبابت و ہیئت وغیرہ سے خدا
شناسی کے لئے خدمت لی ہے سو حقیقت میں یہ علوم مسلمانوں کے کام آتے
ہیں نہ آریوں کے جنہوں نے خدا کو ہی خدائی سے جواب دے رکھا ہے +

اب ہم پھر اصل کلام کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ اب تک ہم نے ماسٹر
مرلی دھر صاحب کے قول کی رد میں صرف عوام مسلمانوں کے مقابل پر عوام ہنود
کے خیالات علمی کو بغرض مقابلہ و موازنہ پیش کیا ہے لیکن اگر ماسٹر صاحب کا اپنی
نکتہ چینی سے یہ مطلب ہے کہ عموماً کل مسلمان علوم طبعی و ہیئت سے بے بہرہ ہیں
اور یہ سب علوم ہندوؤں کی وراثت ہے تو اس چھیڑ چھاڑ سے اور بھی ماسٹر صاحب

مسلمانوں کو جابجا قرآن شریف میں رغبت دی گئی ہے کہ وہ عجائبات قدرت سے واقفیت حاصل کریں:۔

کو شرمندہ ہونا پڑیگا۔ اہل اسلام وہ قوم ہے جنکو جابجا قرآن میں یہی رغبت دی
گئی ہے کہ وہ فکر اور خوض میں مشق کریں اور جو کچھ عجائبات صنعت زمین و آسمان
میں بھرے پڑے ہیں اُنسے واقفیت حاصل کریں۔ مومنوں کی تعریف میں خدا تعالیٰ
فرماتا ہے یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبھم ویتفکرون فی خلق
السموات والارض ربنا ماخلقت ھذا باطلا۔ یعنے مومن وہ لوگ ہیں جو
خدائےتعالیٰ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے بستروں پر لیٹے ہوے یاد کرتے ہیں اور جو کچھ
زمین و آسمان میں عجائب صنعتیں موجود ہیں ان میں فکر اور غور کرتے رہتے ہیں اور
جب لطائف صنعت الٰہی ان پر کھلتے ہیں تو کہتے ہیں کہ خدایا تو نے ان صنعتوں کو
بیکار پیدا نہیں کیا یعنے وہ لوگ جو مومن خاص ہیں صنعت شناسی اور ہیئت دانی
سے دنیا پرست لوگوں کی طرح صرف اتنی ہی غرض نہیں رکھتے کہ مثلاً اسی پر کفایت کریں
کہ زمین کی شکل یہ ہے اور اس کا قطر اسقدر ہے اور اُس کی کشش کی کیفیت یہ ہے اور آفتاب
اور ماہتاب اور ستاروں سے اس کو اس قسم کے تعلقات ہیں بلکہ وہ صنعت کی ماہیت
شناخت کرنے کے بعد اور اُس کے خواص کھلنے کے پیچھے صانع کی طرف رجوع کر جاتے
ہیں اور اپنے ایمان کو مضبوط کرتے ہیں اور پھر دوسری جگہ فرمایا یوتی الحکمۃ من یشاء ومن یوتی الحکمۃ
فقد اوتی خیراً کثیرا۔ یعنے خدائےتعالیٰ جس کو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس کو
حکمت دی گئی اُس کو خیر کثیر دی گئی پس دیکھنا چاہیئے کہ ان آیات میں مسلمانوں کو
کس قدر علم و حکمت حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور حدیث شریف میں بھی آیا
ہے طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ یعنی علم کا طلب کرنا ہر ایک
مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے ہاں یہ سچ ہے کہ خدائےتعالیٰ نے احکام دین سہل
و آسان کرنے کی غرض سے عوام الناس کو صاف اور سیدھا راہ بتلایا ہے اور
ناحق کی دقتوں اور پیچیدہ باتوں میں نہیں ڈالا مثلاً روزہ رکھنے کے لئے یہ حکم نہیں
دیا کہ تم جب تک قواعد ظنیہ نجوم کے رو سے یہ معلوم نہ کرو کہ چاند انتیس ۲۹ کا ہوگا۔
یا تیس کا تب تک رویت کا ہرگز اعتبار نہ کرو اور آنکھیں بند رکھو کیونکہ ظاہر ہے
کہ خواہ نخواہ اعمال دقیقہ نجوم کو عوام الناس کے گلے کا ہار بنانا یہ ناحق کا حرج اور
تکلیف مالایطاق ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسے حسابوں کے لگانے میں بہت سی

چاند کی رویت کا حکم عین حکمت پر مبنی ہے۔

غلطیاں واقع ہوتی رہتی ہیں سو یہ بڑی سیدھی بات اور عوام کے مناسب حال ہے کہ وہ لوگ محتاج منجم و ہیئت دان نہ رہیں اور چاند کے معلوم کرنے میں کہ کس تاریخ نکلتا ہے اپنی رؤیت پر مدار رکھیں صرف علمی طور پر اتنا سمجھ رکھیں کہ تیس^۳ کے عدد سے تجاوز نہ کریں اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حقیقت میں عند العقل رؤیت کو قیاسات ریاضیہ پر فوقیت ہے آخر حکمائے یورپ نے بھی جب رؤیت کو زیادہ تر معتبر سمجھا تو اس نیک خیال کی وجہ سے بتائید قوت باصرہ طرح طرح کے آلات دور بینی و خورد بینی ایجاد کیئے اور بذریعہ رؤیت تھوڑے ہی دنوں میں اجرام علوی و سفلی ۱۲۵
کے متعلق وہ صد ہا تحقیقیں معلوم کر لیں کہ جو ہندؤں بیچاروں کو اپنی قیاسی اٹکلوں سے ہزار ہا برسوں میں بھی معلوم نہیں ہوئی تھیں اب آپ نے دیکھا کہ رؤیت میں کیا کیا برکتیں ہیں انہیں برکتوں کی بنیاد ڈالنے کے لئے خدا تعالیٰ نے رؤیت کی ترغیب دی ذرہ سوچ کر کے دیکھو کہ اگر اہل یورپ بھی رؤیت کو ہندؤں کی طرح ایک ناچیز اور بے سود خیال کر کے اور صرف قیاسی حسابوں پر جو کسی اندھیری کوٹھڑی میں بیٹھ کر لکھے گئے مدار رکھتے تو کیوں کر یہ تازہ اور جدید معلومات چاند اور سورج اور نئے نئے ستاروں کی نسبت انہیں معلوم ہو جاتے سو مکرر ہم لکھتے ہیں کہ ذرا آنکھ کھول کر دیکھو کہ رؤیت میں کیا کیا برکات ہیں اور انجام کار کیا کیا نیک نتائج اس سے نکلتے ہیں

ماسوائے اس کے خود یہ خیال کہ اہل اسلام تحصیل علوم طبعی و ہیئت وغیرہ سے بکلی بے بہرہ چلے آتے ہیں ایسا متعصبانہ خیال ہے جس سے اگر ماسٹر صاحب فی الحال انصاف پر آویں تو انہیں بہت شرمندہ اور نادم ہو جانا چاہیئے ہمیں اس جگہ کچھ ضرورت نہیں کہ بات کو طول دیکر اہل اسلام کے علمی فضائل کا ثبوت دیں بلکہ اس مقام میں ہم صرف ان چند سطروں کا لکھنا مناسب سمجھتے ہیں جو جون دیون پورٹ صاحب نے اپنی کتاب میں جسکا ترجمہ ہو کر مؤید الاسلام نام رکھا گیا ہے لکھیں ہیں سو وہ یہ ہیں

اہل اسلام کے علمی فضائل کا ایک ثبوت۔

صفحہ ۹۲ سے تا صفحہ ۹۸ عبارات کتاب جان یوٹ صاحب

مسٹر صاحب کا قول ہے کہ مورخان معتبر کے نزدیک یہ بات قرار پا گئی ہے کہ دسویں صدی میں یورپ غائت درجہ کی جہالت میں پڑا ہوا تھا اور یہ بات یقینی ہے کہ اس زمانہ میں اہل عرب (یعنے اہل اسلام نے ملک ہسپانیہ اور اٹلی میں بہت

سے مدرسے جاری کئے تھے اور ان مدرسوں میں ہزاروں طلبا عیسائی عربی
فارسی اور حکمت کی تعلیم پاتے تھے اور پھر ان علوم کو مدارس اسلام سے لاکر
عیسائی مدرسوں میں جاری کرتے تھے - ہمیں اس بات کا اقرار کرنا چاہیے کہ تمام
قسم کے علم یعنے طب وطبعیات و فلسفہ و ریاضی جو دسویں صدی سے یوروپ
میں جاری ہوئے یہ سب اصل میں اہل عرب مسلمانوں کے فلسفی مدارس سے
سیکھے گئے تھے خصوصاً ہسپانیہ کے اہل اسلام بانی فلسفہ یورپ خیال کئے جاتے
ہیں اہل اسلام کو علمی ترقی بھی ایسی ہی جلد حاصل ہوئی جیسے ان کو ملکوں پر
فتح حاصل ہوئی تھیں - سول سے اصفہان تک اہل عرب کا علم بہت جلد پھیل
گیا اور بغداد اور کوفہ اور قاہرہ اور بصرہ اور فیز اور مراکو اور گوردوا اور گرینڈا اور دیناشیا
اور سول میں اہل عرب کی حکمت نے بہت جلد رواج پایا حقیقت میں اہل عرب
مسلمانوں نے تمام علوم کو نئے سر سے ترقی دی اور یونان اور روما کے علوم میں دوبارہ
جان ڈالی - نویں صدی سے چودھویں صدی تک عرب کے علم و فضل سے یہ نور
حاصل ہوتا رہا اور اہل یورپ کو تاریکی جہالت سے روشنی علم و عقل میں لایا - اگر
اٹھواں خلیفہ عبد الرحمن ہسپانیہ میں مدرسے اور مکتب خانے جاری نہ کرتا تو ہمیں
بے شک اہل عرب کے علم و فضل سے مطلق فایدہ نہ ہوتا کیونکہ بغداد اور بخارا اور بصرہ
کے مدارس بہت مشہور تھے مگر وہ اسقدر دور تھے کہ طلبا یوروپ کو وہاں جانے میں
بہت دقت پڑتی تھی - مذہب اسلام اپنی ترقی کے زمانہ میں ہی نہیں بلکہ اپنی ابتدائی
حالت میں ہی اور مذہبوں کی نسبت علم کی طرف بہت مائل تھا آں حضرت نے خود فرمایا
ہے کہ جس آدمی میں علم نہ ہو وہ قالب بے روح ہے یہ تمام عبارت جان بورٹ صاحب
کی ہے جس کو ہم نے ماسٹر صاحب اور ان کے دوستوں کے ملاحظہ کے لئے اس جگہ تحریر
کیا ہے اس سے مصنفین کو ایک محکم شہادت ملتی ہے کہ اہل اسلام ایک علم دوست قوم ہے
جنکی فطرت و خمیر میں علم چلا آتا ہے اور جن کی شاگردی کے اہل یورپ باوصف ہمہ
فضائل علمی اقراری ہیں پھر دیکھنا چاہیے کہ یہی صاحب دیوان بورٹ اپنے رسالہ
مذکورہ کے صفحہ ۲۰ سے صفحہ ۴۳ تک قرآن شریف کی بدیں الفاظ تعریف و مدح
کرتے ہیں چنانچہ اصل عبارت انکی لکھی جاتی ہے اور وہ یہ ہے +

مسلمان قرآن شریف کی ایسی عظمت کرتے ہیں کہ عیسائیوں نے اپنی انجیل کی کبھی
ایسی تکریم ہوتے نہیں دیکھی قرآن شریف میں صرف احکام مذہبی و تہذیب اخلاق
ہی کا ذکر نہیں بلکہ گبن صاحب کا قول ہے کہ اوقیانوس سے گنگا تک قرآن شریف مجموعہ
قوانین مانا جاتا ہے۔ قرآن میں قوانین دیوانی و فوجداری و سلوک باہمی پائے جاتے
ہیں اور وہ مسائل نجات روح و حقوق عامہ و حقوق شخصی و نفع رسانی خلائق وغیرہ
پر حاوی ہے منجملہ محاسن و خوبیوں قرآن کے جس پر اہل اسلام کو ناز کرنا بجا ہے دو باتیں
نہایت عمدہ ہیں اول قرآن شریف کی وہ خوش بیانی جس میں خدا تعالیٰ کا ذکر ہے اور جسکے
سننے سے آدمی کے دل پر ایک طرح کا اثر پیدا ہوتا اور خوف آتا ہے دوسرے قرآن تمام
ان خیالات سے مبرا ہے جو خلاف تہذیب خیال کئے جا سکتے ہیں اور اس کے تمام اصول
ایسے ہیں جو کوئی ان میں سے خلاف عقل نہیں مگر افسوس کہ یہ عیب یہودیوں کی مقدس
کتابوں میں اکثر واقع ہیں۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کے اصول میں سب کو
اتفاق ہے اور کوئی ایسی بات نہیں جو زبردستی ماننی پڑے اور سمجھ میں نہ آوے فقط
یہ بیان قرآن شریف کی نسبت توجان ڈیون پورٹ صاحب کا ہے اور ایسا ہی کارلیل صاحب
اپنی کتاب کی جلد ۶ صفحہ ۲۱۴ میں لکھتے ہیں کہ قرآن شریف کے پڑھنے سے صاف
ثابت ہوتا ہے کہ وہ صادق کا کلام ہے اور صداقت سے پر ہے اب دیکھئے کہ یورپ
کے بڑے بڑے فلاسفر جنکے گھر میں گویا آج طبعی اور ہیئت نے جنم لیا ہوا ہے اور جو سورج
اور چاند وغیرہ کی کیفیت آپ لوگوں سے بہتر جانتے اور سمجھتے ہیں وہ کس قدر قرآن
شریف کے معقولانہ مسائل کے قائل اور مداح ہیں اور کیسی اپنی صاف طینتی کی وجہ سے صاف
اقرار کرتے ہیں کہ قرآن شریف کے مسائل علوم عقلیہ کے خلاف نہیں ہیں اور کوئی اس
میں ایسا اعتقاد نہیں جو زبردستی ماننا پڑے پس جس حالت میں ایسے لوگ جو فلاسفی کے ۱۴۸
پتلے خیال کئے جاتے ہیں قرآن شریف کے حکیمانہ طور و طریق کی کھلی کھلی شہادتیں دیتے ہیں
تو پھر اگر آپ اے ماسٹر صاحب یا آپکا کوئی اور بھائی جنکی آنکھیں انہیں لوگوں کے
علوم پڑھنے سے کچھ کچھ کھلی ہیں اور یہی لوگ آپکے معلم اور استاد ہیں فضائل قرآنی
سے انکاری رہیں تو اس سے قرآن شریف کا کیا نقصان ہے اور سچ تو یہ ہے کہ
اگر یورپ اور ایشیا کے تمام مخالف فضائل قرآنیہ سے انکار کرتے تو بھی کچھ نقصان

یورپ کے بڑے بڑے فلاسفر قرآن شریف کے معقولانہ مسائل کے قایل ہیں:۔

کی بات نہ تھی آفتاب بہرحال آفتاب ہی ہے چاہے کوئی اُس کی روشنی کا اقراری ہو
یا نہ ہو مگر یورپ کے فاضل اور صاحب علم لوگ اس قدر قابل تحسین ہیں کہ انہوں نے
بیسوں کتابیں تالیف کر کے قرآن شریف کے بارہ میں شہادت حقہ کو ادا کر دیا ہے اور
باستثنا ر نیم ملاّں پادریوں کے جو تنخواہیں پا کر اسلام سے عناد رکھتے ہیں باقی جس قدر واقعی
دانا اور فلاسفر ہیں ان کے دلوں میں دن بدن محبت اسلام کی پیدا ہوتی جاتی ہے۔
لیکن آپ لوگوں کی نسبت کیا کہیں اور کیا لکھیں اور کیا تحریر میں لاویں کہ ناحق
بموجب سراسر عناد اور بخل کی راہ سے نکتہ چینیاں کرتے ہیں اور حقیقت میں آپ لوگوں
کے اعتراض اسی رنگ کے ہیں کہ جیسے ایک شخص قوافی سے ناواقف عروض سے جاہل
تقطیع سے بیخبر ربط معانی والفاظ سے بے تمیز درستی وزن و زحافات کی شناخت سے
ناآشنا محض بلکہ زباندانی سے محروم مطلق یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ سعدیؒ و حافظ شیرازی
و ظہیر فاریابی و فردوسی و طوسی و انوری و سنائی وغیرہ شعرائے نامدار بالکل سخن گوئی و
سخن فہمی سے ناواقف و محروم مطلق تھے اور اسپر دلیل یہ پیش کرے کہ میں انکے
اشعار کو سمجھ نہیں سکتا پس آپ لوگوں کا یہی حال ہے خداتعالیٰ رحم فرماوے +

قولہٗ - جو لوگ روح اور مادہ کی حقیقت کو سمجھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ سرشتی
کرم جس کو مرزا صاحب بہت ہی چھوٹے اور حقارت کے لفظوں میں جوڑنا جاڑنا تحریر فرماتے
ہیں اتنا بڑا اور عالی شان کام ہے کہ اس کو سوائے اُس سچدانند سرنگیہ اور دانائی کامل
۱۴۹ کے کوئی نہیں بنا سکتا بنانا تو درکنار انسکی چھوٹی سے چھوٹی چیز کی بابت کہ یہ کس طرح
بنی لاکھ کاریگروں میں سے ایک لاکھواں حصہ بھی نہیں سمجھ سکتا اگر یہ ایسا حقیر کام
ہے جس کو صرف جوڑنا جاڑنا کہا ہے تو مرزا صاحب یا کوئی اور شخص جو دعوی رکھتا ہو
یا مرزا صاحب کی سمجھ میں بڑا طاقت والا ہو تو بڑی چیزوں سیارات وغیرہ کو تو کیا بنا دیگا
ایک دانہ گندم یا باجرہ کا ہی بنا کر دکھلا دے یا کچھ تھوڑے بہت اسکی کاریگری کے
اصول ہی سمجھا دے +

اقول ہائے اے ماسٹر صاحب آپ کدہر کو کھسک گئے ذرا اوّل غور کر کے
میرے سوال کو تو سمجھا ہوتا سخن فہمی بھی تو آپ ہی پر ختم ہے میں نے آپ کو کب اور
کس وقت کہا تھا کہ خدائے قادر مطلق کی مانند کوئی دوسرا شخص بھی کوئی صنعت بنا سکتا ہے

یا بجز اس کے کوئی صنعت کا کام اس کے کاموں سے مشابہ ہو سکتا ہے یہ اعتقاد تو آپ لوگوں کا ہی ہے جسپر میں نے اعتراض کیا تھا یعنے آپ لوگ ہی تو یہ بات کہتے ہیں کہ جو جو صنعتیں عالم غیب سے ظہور پذیر ہو رہی ہیں جنکو دانشمند لوگ کسی ناقص کی طاقت سے برتر سمجھ کر ایک صانع کامل اور قادر اور حکیم اور حی قیوم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ وہ تمام صنعت کے کام بزعم آپ لوگوں کے اس خداوند کامل اور قادر کے ہاتھ سے نہیں نکلے بلکہ ان میں سے صرف جوڑنا جاڑنا اس کا کام ہے اور باقی سب حکمت اور صنعت کے کام اور طرح طرح کے خواص عجیبہ جو ارواح اور اجسام کی ذات میں پائے جاتے ہیں وہ سب بقول آپکے قدیم سے خود بخود چلے آتے ہیں جنکا کوئی موجد اور خالق نہیں اور نہ خالق کی ان کو کچھ حاجت وضرورت ہے سو آپکے اسی عقیدہ پر میں معترض ہوا تھا اور اسی وجہ سے میں نے آپکو جواب لکھنے کی تکلیف دی تھی کہ جس حالت میں آپ نے روحوں کے وجود کو جن میں ایسی عجیب صنعتیں اور خاصیتیں پائی جاتی ہیں جو اجمالی طور پر تمام دنیا کے عجائبات پر مشتمل ہیں خود بخود بغیر حاجت پرمیشر کے مان لیا ہے ایسا ہی آپ نے اجسام کو اور اُنکے تمام خواص کو جو اُن میں پائے جاتے ہیں خود
بخود تسلیم کر لیا ہے تو پھر صرف جوڑنے جاڑنے کے لئے جو ایک ادنے کام ہے 150
کیوں پرمیشر کے وجود کی ضرورت ٹھہری سو آپ سوچیں کہ کیا اس سوال کے جواب میں بھی لکھنا مناسب تھا جو آپ نے لکھا میں متعجب ہوں کہ آپ اس سوال کے جواب پر کس غرض اور کس خیال سے یہ بحث لے بیٹھے کہ ایک دانہ گندم یا باجرہ بھی کوئی دوسرا شخص بغیر پرمیشر کے نہیں بنا سکتا میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی دوسرا شخص گندم یا باجرہ کے دانہ بنانے سے عاجز ہے تو کیا ایسا شخص ان عجائب حکمت وصنعت کے کام کرنے پر قادر ہو سکتا ہے جو روحوں میں پائے جاتے ہیں۔
پھر جس حالت میں کوئی شخص ان عجائب حکمت وغرائب صنعت کے کاموں پر جو روحوں یا اجسام میں پائے جاتے ہیں مقابلہ کرنے کی قدرت وطاقت نہیں رکھتا تو پھر اگر آپ تالیفِ اجسام یعنے خداتعالیٰ کے جوڑنے جاڑنے کو بوجہ بے نظیر ہونے اس فعل کے صانع کے وجود کی دلیل ٹھہراتے ہیں اور اسی دلیل سے یعنے تالیف اجسام سے ایک مؤلف کی ضرورت سمجھتے ہیں تو پھر روحوں میں بھی بوجہ اولے آپکو ماننا پڑیگا

کہ اُس جگہ بھی ایک موجد کی ضرورت ہے کیونکہ جب دو چیزیں ایک ہی صورت اور شکل کی ہوں تو جو احکام ایک پر صادر ہوں وہی احکام دوسرے پر بھی صادر کرنے پڑینگے ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی اور جب ایک جگہ آپ اس بات کو روا رکھ لیں گے کہ اگرچہ یہ کام بے نظیر اور انسانی طاقتوں سے بالاتر ہے مگر پھر بھی خود بخود ہے اور پرمیشر کے بنانے کی اسمیں ضرورت نہیں پڑی تو پھر اسی صورت اور شکل کے کام کی نسبت دوسری جگہ آپ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اسمیں پرمیشر کی خواہ نخواہ ضرورت پڑ گئی ہے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اگر پرمیشر کے وجود کی ضرورت ہے تو دونوں طور کے کاموں میں ہوگی نہیں تو ان میں سے کسی کام کے لئے بھی اس کی ضرورت ماننی نہیں چاہیئے یہ کیسا مکابرہ ہے اور کس قسم کی منطق ہے کہ آپ تالیف اجسام میں تو یہ دعوےٰ کرتے ہیں کہ جو کچھ خدا تعالےٰ سے جوڑنا جاڑنا ظہور میں آیا ہے وہ بے نظیر ہے اور انسان اُس کی مثل بنانے پر قادر نہیں
۱۵۱ اس لئے اس تالیف سے ایک مؤلف کی ضرورت ثابت ہوتی ہے لیکن جب آپ کی خدمت میں یہ عرض کیا جاتا ہے کہ وُہی بے نظیری اور انسانی طاقتوں سے بالاتر ہونا ان عجائبات قدرت میں بھی پایا جاتا ہے جو روحوں میں ہیں تو تب آپ اُس طرف سے مونہہ پھیر لیتے ہیں اب کوئی آپ کی اس سمجھ پر روے یا ہنسے کہ آپ دو چیزوں کے مشترک استحقاق کو دیکھ کر ایک چیز کو پرمیشر کی مصنوعیت سے باہر رکھ لیتے ہیں اور دوسری چیز کو جو ایک ادنیٰ اور عارضی کام ہے اپنے پرمیشر پر بھا بیتے ہیں مگر ایسا کبھی نہیں ہو سکتا اور کسی طور کی حجت آپکے اس مطلب کی تائید نہیں کر سکتی کہ تمام عالم میں سے آدھا دھڑ خود بخود اور آدھا پرمیشر کا محتاج ہے اور یہ جو میں نے ابھی لکھا ہے کہ اجسام کو جوڑنا جاڑنا ایک ادنےٰ کام ہے یہ میں نے اس لئے لکھا کہ درحقیقت جوڑنے جاڑنے سے کوئی نئی خوبی حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہی خواص ارواح و اجسام جو روحوں اور جسموں میں چھپے ہوئے تھے کھُلے کھُلے طور پر نظر آجاتے ہیں جیسے ایک تصویر کو جب ایک مصفا شیشہ کے اندر رکھا جائے تو نہائت صفائی اور خوبی سے نقوش اس تصویر کے ظاہر ہو جاتے ہیں سو یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ تصویر کو آئینہ میں رکھنے سے خود آئینہ کوئی نقش اس میں زیادہ کر دیتا ہے جو پہلے اُس میں موجود نہ تھا بلکہ وہی نقوش جو پہلی تصویر میں موجود تھے اور مصوّر کے ہاتھ سے نکلے تھے اُنہیں کو آئینہ نہائت عمدگی اور صفائی سے

آریوں کا پرمیشر خالق اشیاء و خواص اشیا نہیں ہے۔

نمایاں کر دیتا ہے سو میں کہتا ہوں کہ اگر اجزاء صغار اجسام میں بطور خود وہ کشش اتصال کی خاصیت نہ ہوتی جس سے وہ اکٹھے رہ سکتے ہیں تو آپکا پرمیشر جو خالق اشیاء و خواص اشیاء نہیں ہے کیا کر سکتا تھا اور اگر آفتاب کے باریک ٹکڑوں میں جو بقول آپ کے خود بخود ہیں اپنی ذات میں ہی روشن ہونے کی خاصیت نہ پائی جاتی تو کیونکر اور کس قوت سے پرمیشر ان سب کو اکٹھا کر کے نیر اعظم بنا لیتا سو جاننا چاہیئے کہ اگر خدا تعالیٰ میں ایجادی قدرت نہیں یعنے اُس نے تمام چیزوں اور اُنکے خواص کو عدم محض سے
١٥٢ پیدا نہیں کیا تو صرف بعض بعض ترکیبیں نکالکر خواص موجودہ سابقہ سے کام لینا کوئی بڑی بات نہیں انسانوں میں سے بھی تو صنّاع لوگ اپنے علم خواص کے مطابق طرح طرح کی ترکیبیں اور صنعتیں نکالتے رہتے ہیں * ہاں صرف اتنا فرق ہے کہ جس کو علم خواص اشیاء زیادہ ہوا اُس نے زیادہ ترکیبیں نکالیں اور جس کو کم ہوا اس نے کم نکالیں بہر حال بنی آدم نے بھی بلاشبہ حیرت ناک کام کر دکھائے ہیں اور جہاں کہیں ان کو کوئی خاصہ جدیدہ اشیاء مادی اور ان کی اشکال و اوضاع یا انکے باہم اختلاط و امتزاج کا مل گیا ہے وہیں اُنہوں نے اُسی ذریعہ سے کوئی کل یا آلہ بنا ڈالا ہے چنانچہ سارا جہان انسان کی عجیب عجیب دستکاریوں سے بھرا ہوا نظر آتا ہے اگر تم گھر میں بیٹھے ہوئے اپنے گھر کی تمام ضروریات و اسباب خانہ داری پر نظر ڈالو اور جائیداد غیر منقولہ

حاشیہ: * ابتک دانشمند لوگوں نے کچھ کچھ خواص ارواح و خواص اجسام و اوضاع پر اطلاع پاکر اور علوم طبعی و ہندسہ سے مدد لیکر صدہا عمدہ عمدہ شکلیں و ترکیبیں نکالی ہیں اور جیسے جیسے انسان کا علم وسیع ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے وہ صنعت سازی میں یدطولی حاصل کرتا جاتا ہے۔ ریل کا بخاری طاقت سے چلانا تار کا بنانا چھاپہ کی ترکیبیں ایجاد کرنا کیسی کیسی مفید صنعتیں ہیں۔ جن سے گویا تمام بنی آدم کو فائدہ پہنچ رہا ہے ایسا ہی انسان نے دوسرے چھوٹے چھوٹے کاموں میں صدہا طور کی کلیں ایجاد کر لی ہیں ہر قسم کی عمدہ عمدہ گھڑیاں جو خود بخود وقت بتلاتی ہیں سینے کی مشین۔ آٹا پیسنے کی کل۔ کپڑا بننے کی کلیں۔ برف بنانے کی کل۔ دودہ میں پانی کی آمیزش شناخت کرنے کا آلہ۔ بجلی کا صندوقچہ۔ خود بخود چلنے والا پنکھا۔ طاؤس جو چابی دینے سے مثل زندوں کے چلتا اور پھرتا اور ناچتا ہے۔ مرغی کرک جو کنجی دینے سے چلتی ہے بکرا و کتا جو کنجی دینے سے چلتا ہے باجہ
١٥٣ دار کرسیاں جنکو کنجی دینے سے چند عرصہ تک باجہ بجتا رہتا ہے ایسا ہی صدہا اور کلیں چھوٹی

سے لیکر ایک ایک چیز منقولہ پر نظر اٹھا کر دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ سب چیزیں جو
تمہارے امور معیشت میں کام آتی ہیں انسان کی دستکاریاں ہیں ایسا ہی بری وبحری
سفروں میں جو کچھ انسان نے اپنی فکر و غور سے صنعتیں ایجاد کی ہیں وہ سیاحوں اور واقف ۱۵۳
کاروں پر پوشیدہ نہیں ہے اب ہمارا مطلب یہ ہے کہ اگر ہندوؤں کے پرمیشر میں
بھی صرف اتنی ہی خوبی ہے کہ مادی وغیر مادی اشیاء کے خواص جو اسے معلوم ہیں انہیں
میں دست اندازی کرکے اور بعض اشیاء کو بعض سے جوڑ کر صنعتیں نکالتا ہے تو یہ
کچھ بڑی بات نہیں اور اس صورت میں تو ہمیں اس کی ساری خدائی کی حقیقت معلوم
ہوگئی اور ظاہر ہوگیا کہ اسمیں اور انسان میں صرف علم کی کمی بیشی کا کچھ فرق ہے اور ممکن
ہوگا کہ انسان بھی اپنے معلومات میں ترقی کرتا کرتا کسی وقت پرمیشر ہی بن جاوے
جس حالت میں شہد کی مکھی میں بھی یہ ہنر پایا جاتا ہے کہ وہ ایسی عقلمندی سے شہد
بناتی ہے کہ کوئی انسان اسکی نظیر بنانے پر قادر نہیں پھر اگر ہندوؤں کے پرمیشر میں
ایجادی قدرت نہیں تو اگر اس شہد کی مکھی کی طرح صرف جوڑنا جاڑنا اس کا بے نظیر
بھی ہوا تو بھلا یہ کیا کمال ہوا۔ اس جگہ کوئی انجان یہ دہوکا نہ کھائے کہ آریہ سماج والے
تو اس بات کو مانتے ہیں کہ گو پرمیشر پیدا کرنے پر قادر نہیں لیکن وہ اجسام اور ارواح
کے جوڑنے جاڑنے سے طرح طرح کی مفید چیزیں تو بناتا ہے جیسے اس نے چاند بنایا سورج

ہندوؤں کے پرمیشر اور انسان کے کام میں فرق صرف علم کی کمی بیشی کا ہے۔

بقیہ حاشیہ:- بڑی ہیں جو حال کے صناعوں نے طیار کری ہیں اور بمبئی اور کلکتہ
اور اکثر دیگر مقامات میں سوداگروں کی دوکان پر بکسکتی ہیں اور یورپ کے اکثر کاریگر دانتوں کی جگہ دانت اور آنکھ کی
پتلی کی جگہ آنکھ کی پتلی اور ٹانگوں کی جگہ ٹانگ اور بالوں کی جگہ مصنوعی بال لگا کر گذارہ چلا دیتے ہیں۔
بعض حکیموں نے چاند بنا کر اور چڑھا کر محدود حد تک اس کی روشنی سے کام لیا ہے بعض نے پرند
بنا کر کنجی دینے سے ایک حد تک انہیں اوڑا کر دکھلا دیا ہے اور بعض نے مینہ برسنے کی ترکیب
نکالی اور کسی حد کے اندر اندر مینہ برسا دیا ایسا ہی قسم قسم کے پھول اور پھل اور موتی و دیگر
جواہرات ایسے بنائے گئے ہیں جو دیکھنے والوں کو حیران کر دیا ہے اور ابھی انسان کی صانعیت
کی کچھ انتہا نہیں۔ کیونکہ وہ ترقیات غیر محدود کے لئے پیدا کیا گیا ہے جن کی تحصیل کے لئے
وہ فطرتاً مشغول ہے ۔ منہ

بنایا زمین کو عمدگی سے بچھایا انسان کو آنکھیں دیں کان دیئے قوتِ ناطقہ شامہ بخشی سو کیا
ایسے ایسے عجائب کاموں سے اسکی قدرت ثابت نہیں ہوتی اس کا جواب یہ ہے
کہ یہ سب کچھ علمی وسعت پر موقوف ہے ایجادی قدرت جو کسی شے اور اس کے خاصہ
کو عدم سے پیدا کرنے کو کہتے ہیں وہ اسی قدر فعل سے ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی بلکہ وہ
تب ہی ثابت ہوتی ہے کہ جب ساتھ اس کے یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ خدا تعالیٰ صرف
اشیاء کا جوڑنے جاڑنے والا نہیں بلکہ وہ ان تمام اشیاء اور ان کے جمیع خواص کو
پیدا کرنے والا بھی ہے کیونکہ اگر ایسا تسلیم نہ کیا جائے اور خدا تعالیٰ کا صرف اسی قدر اختیار
و اقتدار سمجھا جائے کہ وہ بعض اشیاء کو بعض سے پیوند کرکے ان کے اصلی خواص کو متجلی
کرکے دکھا دیتا ہے تو اس سے صرف اسکے معلومات کی فراخی ثابت ہوتی ہے نہ قدرت
کاملہ وجہ یہ کہ جب جمیع اشیاء خود بخود قدیم سے موجود مان لی جائیں تو ساتھ ہی یہ بھی ماننا
پڑیگا کہ ان اشیاء کے خواص بھی جو بحالت بساطت مخفی طور پر ان میں پائے جاتے ہیں
یا بحالت ترکیب کھلے کھلے طور پر ان سے ظہور میں آتے ہیں وہ بھی سب قدیم ہی ہیں
گو ہم ان پر اطلاع پائیں یا نہ پائیں۔ مثلاً خدا تعالیٰ نے جو آنکھوں کو نہایت عجیب
طور سے بنایا ہے اس میں یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ آنکھوں کی صرف مجموعی ترکیب کے
پیدا ہونے کے بعد خاصہ رویت اس میں پیدا ہوگیا ہے بلکہ صحیح فلاسفی اس میں یہ
ہے کہ جو کچھ مجموعی ترکیب میں رویت پیدا ہونے کا نتیجہ نکلا ہے وہ نتیجہ مخفی طور پر ان
تمام اجزا میں پایا جاتا تھا جو پیچھے سے رطوبات و طبقات اور عصبہ مجوفہ وغیرہ کی شکل پر 155
متشکل ہوگئے جنکو آریہ لوگ قدیم اور انادی اور پرمیشر کے دستِ قدرت سے بالاتر
خیال کرتے ہیں چنانچہ اس بات کو پنڈت دیانند صاحب بھی اپنے وید بھاش میں مانتے
اور اپنا اعتقاد یہی ظاہر کرتے ہیں کہ نیستی سے ہستی کبھی نہیں ہوتی جو ہے وہی ظہور میں
آتا ہے اور جو نہیں وہ کبھی ظہور میں نہیں آسکتا پس اس جگہ انہوں نے آپ ہی تسلیم
کر لیا ہے کہ ترکیب اشیاء یعنے جوڑنے جاڑنے میں کوئی ایسی نئی بات پیدا نہیں ہوتی
جو پہلے نیست محض ہو اور پھر نیستی سے اسکی ہستی ہو گئی ہو بلکہ وہی خواص قدیمہ ظہور
میں آتے ہیں کہ جو اول ہی سے الگ الگ جزوں میں مخفی طور پر موجود تھے۔ اب جبکہ
یہ ثابت ہوگیا کہ ترکیب اشیاء میں انہیں خواص کا ظہور و بروز ہوتا ہے جو پہلے ہی سے الگ

ایجادی قدرت کی تعریف۔

الگ ہونے کی حالت میں اُن اشیا میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں تو اس صورت میں
ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اگر مثلاً پرمیشر نے انسان کے جسم کی آنکھ بنائی اور جو اجزا کار
آمد آنکھ کے الگ الگ موجود تھے اُنہیں ایک جگہ اکٹھا کر کے کام لیا تو ایسے بنانے میں
اس کی کونسی بڑی بھاری خوبی ثابت ہو گئی کیونکہ دراصل سب اجزا جن سے آنکھ بن
سکتی تھی پہلے ہی سے موجود تھے ہاں ظہور اُس خاصیت کا اس خاص ترکیب اور وضع
پر موقوف تھا سو پرمیشر نے اپنے علمی وسعت سے اُس خاص وضع و شکل پر اطلاع
پا کر اُس خاصۂ قدیم کو جو بغیر حاجت پرمیشر کے پایا جاتا تھا ظاہر کر کے دکھلا دیا پس اگر پرمیشر
کا اتنا ہی منصب اور اسی قدر اُس میں لیاقت ہے کہ وہ خواص اشیا پر وسیع اطلاع
ہونے کی وجہ سے تراکیب مختلفہ میں اُن خواص کو ظاہر کرتا رہتا ہے تو اُس میں اور دوسرے
صناعوں میں کونسا بڑا فرق رہا صرف اتنا ہوا کہ وہ کچھ ہنر میں زیادہ اور دوسرے اُسکے
چھوٹے بھائی ہوئے +

ہندی میں مادہ کی تعریف

قولہ :۔ رہا مادہ سو وہ چیز ہے جسکو ہندی میں جڑ پدارتھ کہتے ہیں جس میں ارادہ یا طاقت
ہلنے جلنے کی نہیں غرض دونوں چیزیں (روح و مادہ) جو دنیا میں موجود ہیں جنکو مرزا صاحب
نے ایک دھریہ کی طرف سے پیش کیا تھا ایسی ثابت ہوئیں کہ مرزا صاحب کے جوڑنے ١٥٢
جاڑنے سے بالکل عاجز و بے خبر ہیں اور یا نادی ہونے کی صورت میں خود بخود انکا جوڑ جاڑ
نہیں ہو سکتا سو اس سے کسی تیسرے بڑی شان والے اور جوڑنے والے کی ضرورت
ثابت ہوتی ہے وہ وہی ہے جس کو ہم سچدانند سروپ اور مرزا صاحب خدا تعالے
کہہ رہے ہیں +

اقول اے ماسٹر صاحب آپکی سمجھ اور فہم کی نسبت کیا کہوں اور کیا لکھوں۔
کچھ ایسے سوئے کہ پھر نہ جاگے۔ نکلے بھی ہم پھر جگا جگا کر۔ صاحب من میرا سوال تو یہ
تھا کہ جس حالت میں روح اور جسمی مادہ جن کے ذاتی خواص سے فلسفہ میں کتابیں بھری
پڑی ہیں بقول آپ لوگوں کے خود بخود ہیں تو پھر دوسری چیزیں جو اپنی مصنوعیت
میں روح اور مادہ کے عجائب اور پُر حکمت وجود سے کچھ زیادہ نہیں ہیں کیوں
محتاج صانع سمجھے جائیں آپ اس کا جواب دیتے ہیں کہ جوڑنا جاڑنا بجز پرمیشر کے
خود بخود نہیں ہو سکتا تو گویا آپکا یہ مذہب ہوا کہ پیدا ہونا بجز خدا کے خود بخود ہو سکتا ہے

اشیاء کا جوڑ: اصل ایجاد کی نسبت ایک ناکارہ کام ہے۔

مگر جوڑنا جاڑنا بغیر اسکے ممکن نہیں سو اسی مذہب پر میں اعتراض کر رہا ہوں میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا بڑا بھارا کام پیدا کرنا ہے یا جوڑنا ظاہر ہے کہ پیدا کرنا ہی بڑا بھارا کام ہے سو جب آپ لوگوں کی عقل عجیب نے اس بات کو روا رکھ لیا کہ تمام ارواح و مواد معہ جمیع خواص و عجائبات اپنے کے بغیر پیدا کرنے کسی پیدا کنندہ کے خودبخود قدیم سے ہیں تو آپ پر لازم آتا ہے کہ آپ بعض اشیاء کا بعض سے خودبخود جوڑے جانا بھی روا رکھ لیں کیونکہ جوڑنا جاڑنا اصل اشیاء کی نسبت ایک ناکارہ کام ہے سو وہ بوجہ اولیٰ خودبخود ہونا چاہیئے میرا تو یہ مذہب نہیں ہے کہ جوڑے جانا یا پیدا ہونا خودبخود ہو سکتا ہے تا مجھے آپ بار بار کہیں کہ کوئی دانہ گندم یا دانہ باجرہ ہی بنا کر دکھلاؤ میں تو آپکے ہی مذہب پر رو رہا ہوں کہ جس حالت میں ایک دانہ گندم یا ایک دانہ باجرہ خودبخود بن سکتا ہے نہ اس کو کوئی دوسرا بنا سکتا ہے تو کروڑہا اور بے شمار روحیں اور بے شمار ۱۵۷
جسم کے ٹکڑے کیونکر خودبخود سمجھے جائیں آپ سوچ کر دیکھ لیں کہ آپ نے اتنے ورق تو سیاہ کئے مگر ان چیزوں کے خودبخود ہونے پر دلیل کونسی پیش کی اور جبکہ آپ نے کل پر حکمت وجودوں کا جو عالم میں پائے جاتے ہیں خودبخود بغیر ایجاد پرمیشر کے ہونا بغیر دلیل کے مان لیا ہے تو پھر یہی فتویٰ تالیف اجسام یعنے جوڑنے جاڑنے پر کیوں نہیں لگایا۔ بیشک واقعی امر تو یہی ہے اور کسی عقلمند کا دل اس بات سے انکار کرنے کی طرف مائل نہیں کہ خدائتعالیٰ کے کام بے نظیر ہیں مگر آپ لوگ کب انہیں بے نظیر سمجھتے ہیں۔ آپ لوگوں کے وید پر یہ بات سیاہ سے سیاہ دھبہ سے بڑھ کر ہے کہ جو ذات کل فیضوں کا مبدء ہونا چاہیئے اس کو ایسا گھٹاتے گھٹاتے نکما کر دیا کہ بس خاک میں ملا دیا۔ سوچو اے آریہ صاحبو سوچو! کیا آپ لوگوں میں سے کوئی بھی ایسی روح نہیں کہ جو ذرہ دلکو آلائش تعصب سے پاک کر کے سوچے اس سوال پر غور کرو کہ وہ چیز جسے ربوبیت کہتے ہیں وہ کیا ہے؟ اس بات کو ذرہ دل لگا کر جانچو کہ خدا کس بات کا نام ہے؟ قوم کیا ہے برادری کیا چیز ہے کوئی کسی کا نہیں آؤ خدا سے ڈرو اور ایسی باتیں مونہہ پر مت لاؤ جن میں اس بے انتہا طاقتوں والے کی توہین ہے کیا تمہیں یہ بات کہتے کچھ بھی شرم نہیں آتی کہ ہماری روحیں بھی بلکہ ہمارے جسم کا ذرہ ذرہ پرمیشر کی طرح خودبخود ہے حق ظاہر ہو گیا اور مخلوق ہونے کی تم پر ڈگری ہو چکی اب خدا کا بندہ ہونے سے مت بھاگو +

قولہٗ - کوئی دہریہ یہ عذر پیش کر سکتا ہے کہ جوڑنا جاڑنا پرمیشر کی طرف سے نہیں

بلکہ اتفاقی طور سے ہوگیا ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ اتفاقی طور پر خود بخود یا باہم ملجانا پرکرتی کا سبھاؤ نہیں ہے کیونکہ اُنہیں حرکت کرنے کی طاقت نہیں رہا جیو یہ اگر اتفاقی طور پر مل سکے تو کہیں اس کا نمونہ ظاہر ہوتا واجب ہے اور اگر لوگ موجودہ طریقہ ہی اپنا ثبوت پیش کریں (یعنے یہ کہیں کہ پرمیشر کو جوڑتے جوڑتے کس نے دیکھا ہے جو کچھ ہو رہا ہے طبعی طور پر خود بخود ہو رہا ہے سو یہی نمونہ کے لئے کافی ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ گو پرمیشر کو جوڑتے جاڑتے کسی نے نہیں دیکھا مگر اتفاقی طور پر ملنے والی چیزوں میں انتظام اور کاریگری اور تعلقات ضرور یہ نہیں ہوا کرتے جواب موجود ہیں لہذا ثابت ہے کہ ان چیزوں کا جوڑے جانا خود بخود نہیں بلکہ انکا جوڑنے جاڑنے والا بڑا منتظم کامل قدرت والا ہے +

آریہ کے اعتقاد کے بموجب مادہ میں خود ملنے یا حرکت کرنے کی طاقت نہیں کسی جوڑنے والے کی ضرورت ہے۔

اقول۔ ماسٹر صاحب آپ دہریہ یعنے خدا تعالیٰ کے منکروں سے کیوں جھگڑا لے بیٹھے درحقیقت آپ لوگ تو تمام ارواح اور اجسام کے ذرہ ذرہ کی نسبت یہی مانتے ہیں کہ اُن کا وجود اتفاقی طور سے ہے یہ نہیں کہ کسی وقت پرمیشر نے اُن کو پیدا کیا ہے سو جبکہ آپ نے روحوں اور اجسام کے ذرہ ذرہ کا ہونا خود ہی اتفاقی طور سے مان لیا تو پھر آپ تو دہریوں کے ایسے مددگار ہوئے جنکا انہیں شکر کرنا چاہیئے تو پھر اُن سے جھگڑا کرنے کا کیا موجب اور بحث مباحثہ کی کیا وجہ۔ یار صادق اور دوست موافق سے بھی کوئی لڑتا جھگڑتا ہے؟

کسی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک شخص ایک جگہ سے زنا کرکے یا شراب پیکر نکلا اور نکلتے ہی اُسنے شیطان پر لعنت بھیجی شیطان بھی اُسوقت پاس کھڑا تھا اُس نے بہت محبت اور نرمی کی راہ سے کہا کہ اے بھائی تو تو درپردہ بکلی میرے موافق اور میرا مددگار اور فرمانبردار اور میری مرضی کے موافق کام کرنے والا ہے تو پھر کیا وجہ کہ بظاہر میرے پر لعنت بھیجتا ہے اور مجھ سے ناراض ہوتا ہے اسی طرح آریہ سماج والوں کی حالت ہے کہ درحقیقت وہ لوگ دہریہ مذہب پھیلانے کے لئے بڑی کوشش کر رہے ہیں اور ان کوششوں کے لحاظ سے دہریوں کے بڑے لایق خدمت گذار انہیں سمجھنا چاہیئے لیکن بظاہر دہریوں سے ناراض ہیں یہ ناراضگی اُس قسم کی ہے جو ہم نے مثال مذکورہ بالا میں بیان کی ہے بھلا جس حالت میں جو بات دہریوں کے عین مدعا اور

آریہ خود دہریوں کے مددگار ہیں۔

مراد تھی یعنے کوئی چیز خدا کی پیدا کردہ نہیں سب چیزیں خدا کی طرح قدیم اور غیر مخلوق
ہیں وہ بات تو ان لوگوں نے آپ ہی مان لی اور اپنے مذہب کی بنیاد قرار دی تو ۱۵۹
پھر باقی کیا رہ گیا اونٹ تو نگلا گیا اب اگر دُم باقی رہ گئی ہے تو اس کے اندر جانے
میں کونسی مشکلات ہیں ہاں آپکو اپنے دہریوں بھائیوں سے بلکہ موحد حقیقی کے ماننے
والوں کے ساتھ بحث کرنی چاہئے اور انکو بطور مددگار لانا چاہئے اور دیکھا بھی گیا ۱۵۸
ہے کہ بعض آریہ ناچار ہو کر دہریوں سے مشورہ لیتے ہیں تا کسی طرح خودبخود اور غیر مخلوق
ہونے پر کوئی دلیل نکل آوے مگر اے ماسٹر صاحب آپ لوگ ہزار مخلوق ہونے
سے کنارہ کش ہوں ہم تو آپکو بندۂ خدا بنا کر چھوڑینگے آپ کب تک بھاگیں گے اور
کدہر بھاگیں گے اور کہاں جائیں گے بھلا اس تقریر سے جو مقولہ متذکرۂ بالا میں آپ
نے کی ہے کونسا اثر ہمارے اعتراض پر پڑا بجز اس کے کہ آپ اپنے ہی قول سے
آپ ہی قائل ہو گئے کہ جن چیزوں میں انتظام اور کاریگری اور تعلقات ضروریہ پائے
جاتے ہیں وہ خودبخود نہیں ہو سکتیں پس دیکھو اجزاء لایتجزی میں جن کو ہندی میں
پرکرتی کہتے ہیں خاصیت کشش اتصال پائی جاتی ہے تب ہی تو بجز قسرِ قاسر کسی
جسم کے اجزائے متفرق نہیں ہو سکتے اور کشش اتصال تعلقات ضروریہ کی جڑہ ہے
کیونکہ اگر جزء لایتجزی یعنے پرکرتی میں قوت کشش اتصال نہ پائی جاتی تو پھر جسم
کے اجزاء میں باہمی تعلقات پیدا ہوتا اور بعض جزوں کا بعض سے مل جانا اور ملے
رہنا ممتنع اور محال ہوتا۔ اور روحوں کے وجود میں جسقدر صنعت صانع اور کاریگری
پائی جاتی ہے وہ تو ہم کسی قدر بیان کر چکے ہیں اور آئندہ بھی انشاء اللہ کسی موقع پر
بیان کرینگے اور جیسے خدا تعالیٰ نے اجزاء لایتجزی میں کشش اتصال رکھی ہے ایسا
ہی روحوں میں بھی قبولیت تعلق جسم کے لئے ایک قوت اور استعداد رکھی ہے یعنے
روحوں میں بھی اجسام کی کشش اتصال کی طرح قبولیت تعلق جسم کی ایک قوت پائی
جاتی ہے جس سے وہ بلا نفرت و کراہت جسم سے ایسے طبعی طور پر تعلق پکڑ لیتے ہیں جیسے
ایک محب اپنے محبوب سے یا ایک عاشق اپنے معشوق سے تعلق پکڑ لیتا ہے جس
تعلق کا صدمہ موت ہے چھوڑتا اور مفارقت اختیار کرنا ان پر بالطبع شاق اور ناگوار ۱۶۰
گذرتا ہے سو یہ انتظامی امر ہے جو حکیم مطلق نے روح اور جسم کے باہم ملانے کے لئے

مادہ میں کشش اتصال موجود ہے اور روحوں میں قبولیت تعلق جسم کی قوت پائی جاتی ہے۔

پہلے سے قایم کر دیا ہے اگر روحیں اتفاقی ہوتیں اور کوئی اُنکا پیدا کرنے والا نہ ہوتا تو پھر کوئی وجہ نہیں تھی کہ بے شمار اور کروڑ ہا روحوں میں سے کوئی بھی ایسی روح نہ پائی جاتی جو مناسبت تعلق بالجسم سے خالی اور اُسکے برخلاف ہوتی پھر اگر اتفاق سے یہ عیبت پیش آجاتی کہ پرمیشر کو سب روحیں ایسی ہی ملتیں جن میں قوت قبولیت تعلق جسم پائی نہ جاتی تو اس صورت میں پرمیشر کیا کر سکتا کس کاریگر کو کہتا کہ ان تمام روحوں کو توڑ کر نئے سرے مجھے ایسی روحیں بنا دے جن میں تعلق بالاجسام کی قوت پیدا ہو جائے سو اب لیجئے وہ سب باتیں کاریگری و انتظام وغیرہ کی جو آپ نے ابھی بیان کی تھیں وہ روحوں اور جسم کے ٹکڑوں میں پائی گئیں جس سے بقول آپکے واجب ہوا کہ انکا کوئی موجد ضرور ہو سو لو صاحب ابتو آپ پر اقبالی ڈگری ہو گئی۔

اخیر پر ہم آپکو یہ بھی اطلاع دیدینا مناسب سمجھتے ہیں کہ آپکا یہ دعوی جو آپ کہتے ہیں کہ اگر تمام ارواح اور جسمی مادوں کو معہ جمیع عجائب و غرائب خواص اُن کے کے خود بخود بغیر پیدا کرنے کسی پیدا کنندہ کے سمجھ لیں جیسے اصول آریہ سماج کا ہے یعنے یہ خیال کر لیں کہ ارواح و مواد اجسام معہ جمیع خواص اپنے کے خود بخود ہیں تو اس سے اثبات صانع میں کوئی حرج عائد نہیں ہو سکتا بلکہ جوڑنا جاڑنا جسکے آریہ سماج والے قایل ہیں اثبات صانع کے لئے کافی ہے یہ تقریر آپکی صاف ثابت کر رہی ہے کہ آپ میں فطرتی طور پر مادہ ثبوت غیر ثبوت کی شناخت کرنے کا نہائیت ہی کم ہے ہمیں نے آپکی غلطی اقوال متذکرہ بالا میں کھول دی ہے دانشمند کے لئے تو اسی قدر کافی ہے لیکن میں محض خیر خواہی کے رو سے آپ کو ایک نصیحت کرتا ہوں کہ اگر آپ کو بحث مباحثہ کا شوق ہے تو کسی سے ایک رسالہ منطق کا ضرور پڑھ لیجئے۔ یہ کام مباحثات مناظرات کا بڑا نازک کام ہے اس کے انصرام کے لئے صرف جوش مذہبی کافی نہیں ہے اتنا تو ہو کہ انسان دعویٰ اور دلیل میں فرق معلوم کر سکے اور بیہودہ دعووں کو دلیل کے محل پر استعمال نہ کرے۔ بھلا خیال فرما دیں کہ میرے اعتراض کے جواب میں جو آپ نے لکھا ہے کہ گو ارواح و اجزاء صغار اجسام یعنے جیو اور پرکرتی اور اُنکے تمام خواص اور تمام کاریگری کی باتیں جو اُن میں پائی جاتی ہیں وید کے رو سے سب غیر مخلوق اور انادی ہیں جنکو پرمیشر کا ہاتھ بھی نہیں لگا مگر تاہم

روحوں کے مخلوق ہونے پر ایک منطقی استدلال

فقط جوڑنے جاڑنے سے پرمیشر کا پرمیشر پن ثابت ہوتا ہے یہ کس قسم کی تقریر ہے اگر اسکو قوانین استدلال کی طرف رد کیا جائے تو کونسی شکل صحیح منطقی اس سے پیدا ہو سکتی ہے اگر کچھ یاد ہے تو بھلا پیش تو کریں ماسٹر صاحب آپکو یہ بات بری نہ لگے آپ مدلل غیر مدلل کی شناخت سے بکلی بے خبر ہیں آپکے مونہہ سے کوئی معقول بات کیا خاک اُمید رکھیں آپ تو خواہ نخواہ اپنی قوم کو شرمندہ کر رہے ہیں تو ہم ہی روحوں کے مخلوق ہونے پر شکل اوّل جو بدیہی الانتاج ہے بنا کر سناتے ہیں اس پر غور کرو اور اپنے بیجا دعووں سے باز آؤ اور وہ شکل یہ ہے۔ **موجودات عالم میں سے روحیں ایسی چیزیں ہیں جن میں ہزارہا عجائب قدرت وحکمت پائے جاتے ہیں اور کل ایسی چیزیں عالم کی چیزوں میں سے جن میں عجائب قدرت وحکمت پائے جائیں۔ انکا ایک موجد قادر و کامل وحکیم ہونا ضروری ہے نتیجہ یہ نکلا کہ روحوں کا ایک موجد قادر و کامل وحکیم ہونا ضروری ہے۔** ثبوت مفہوم صغریٰ کا یعنے اس بات کا کہ موجودات عالم میں سے روحیں ایسی چیزیں ہیں جن میں ہزارہا عجائب قدرت وحکمت پائے جاتے ہیں اس طرح پر ہوتا ہے کہ نقیض اس کی یعنے یہ کہ روحوں میں کوئی اعجوبہ حکمت و قدرت کا نہیں پایا جانا بدیہی البطلان ہے اور دنیا کی ذی علم قوموں میں سے کوئی قوم بھی اس بات کی قایل نہیں کہ ارواح عجائبات قدرت وصنعت الٰہی سے خالی ہیں بلکہ علم الہیات کے جاننے والے اس باریک صداقت تک پہنچ گئے ہیں کہ
۱۶۲
دنیا کی تمام مخلوقات میں جو خواص متفرقہ ہیں وہ سب روحوں کے وجود میں یکجائی طور پر پائے جاتے ہیں پس صغریٰ اس شکل کا نہایت بیّن الثبوت ہے۔ ثبوت کبریٰ کا یعنے اس قضیہ کا جو کل ایسی چیزیں عالم کی چیزوں میں سے جن میں عجائب قدرت وحکمت پائے جائیں انکا ایک موجد قادر و کامل وحکیم ہونا ضروری ہے اس طرح پر ہے کہ اگر بعض چیزیں عالم کی چیزوں میں سے جو عجائب قدرت وحکمت سے بھری ہوئی ہیں ایسی بھی ہوں جنکا کوئی موجد ہونا ضروری نہیں تو پھر کسی چیز کو کسی موجد کی ضرورت نہیں رہیگی کیونکہ اس بات کی صحت پر کوئی دلیل قایم نہیں ہو سکتی کہ ہم ایسی چند چیزوں میں سے کہ اپنی وجوہ احتیاج موجد میں بکلی ہمرنگ اور مساوی ہیں بعض چیزوں کو بلا دلیل مستغنی عن الموجد قرار دیدیں اور دوسری بعض چیزوں کو بلا دلیل اپنے وجود میں موجد کی محتاج سمجھ لیں بلکہ ہم پر لازم ہوگا

کہ اگر عالم کی چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی نسبت بھی یہ حکم دیں کہ وہ بوجہ پُرحکمت کاموں کے جو اسکے وجود میں پائے جاتے ہیں کسی موجد کی محتاج ہے تو یہی حکم اُس کے باقی ہم شکل چیزوں کی نسبت بھی جو عالم میں پائی جاتی ہیں صادر کریں ورنہ ترجیح بلامرجح لازم آئیگی پس بالضرورت شکل ہذا کے کبریٰ کا مفہوم بھی سچا ماننا پڑا جس سے صداقت اس نتیجہ کی کھل گئی کہ روحوں کا ایک موجد کامل و قادر و حکیم ہونا ضروری ہے اور یہی مطلب تھا۔ جاننا چاہیئے کہ یہ دلیل مخلوقیت ارواح دہریہ کے مقابل پر نہیں بلکہ آریہ سماج والوں کے الزام اور لاجواب کرنے کے لئے ہے کہ جو عالم کی ہمرنگ و ہم خاصیت چیزوں میں سے بعض کو جو صرف جوڑنا جاڑنا ہے ایک صانع قادر و حکیم کا فعل خیال کرتے ہیں اور بعض دیگر کو جو اُس فعل سے بڑھ کر قدرت و حکمت الٰہی پر دال ہے مصنوع اور مخلوق ہونے سے باہر سمجھتے ہیں لیکن دہریہ کے مقابل پر الگ دلائل ہیں جو ہماری کتاب براہین میں اپنے موقع پر مندرج ہیں اس جگہ تو صرف آریہ سماج والوں کو اُنکی مونہہ زوری پر متنبہ کرنا ہے ✝ کہ وہ کیسے طریقہ مستقیمہ دلائل منطقیہ سے بے راہ چل رہے ہیں اور وید کی محبت میں ایسے مست و مدہوش ہو گئے کہ خداداد عقل اور فہم کو یک لخت کھو بیٹھے مگر انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اب وید پر چلنے چلانے کا

✝ **حاشیہ** اس جگہ اگر کوئی آریہ بطور نقض کے یہ عذر پیش کرے کہ خود خدا تعالیٰ کی ذات بھی عجایب قدرت و حکمت پر مشتمل ہے تو کیا اُسکے لئے بھی کسی موجد کی ضرورت ہے اس کا جواب یہی ہے کہ ہم ابھی شکل اول کے دونوں مقدمات میں جن سے مخلوقیت روحوں کی ثابت ہوتی ہے موجودات کے لفظ کو اسی لحاظ سے عالم کے لفظ سے مشروط اور مقید کر چکے ہیں یعنے موجودات عالم کا لفظ لکھ کر اس بات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ یہ دلیل فقط موجودات عالم کے متعلق ہے یعنے ان چیزوں کے متعلق ہے جو عالم میں داخل ہیں لیکن خدا تعالیٰ عالم سے باہر ہے اور خدا تعالےٰ کی نسبت ایسا خیال کرنا کہ اسکی ذات میں بھی طرح طرح کی طاقتیں اور قوتیں اور عجایب صفتیں پائی جاتی ہیں اس لئے اس کا بھی کوئی موجد چاہیئے یہ خیال اُنہیں لوگوں کے دلوں میں اٹھتا ہے جن کو معرفت الٰہی سے ایک ذرہ بھی حصہ نہیں کیونکہ خدا تعالےٰ کے وجود کی نسبت یہ تو پہلے ہی سے ماننا پڑتا ہے کہ وہ ایک ایسا وجود ہے کہ جسکی ذات اور ذاتی طاقتیں اور قوتیں اور کامل صفتیں غیر محدود اور غیر متناہی ہیں جو کسی تحدید اور کسی دائرہ عقلی یا قیاسی یا وہمی میں نہیں آ سکتیں اور یہ بھی اسی لئے قبول کیا جاتا ہے کہ اُس کا وجود سب وجودوں پر غالب اور سب وجودوں سے افضل اور سب وجودوں کا اول

خدا کی ذات صفات اور طاقتیں غیر متناہی اور غیر محدود ہیں

زمانہ نہیں ہے اب ان باتوں پر تدور دینے سے کہ ہم قدیم سے خود بخود ہیں ہمارا پیدا کرنے والا اور ہمارے جسمی مادہ کا کوئی رب نہیں جلد تردید پر وبال آئیگا حال کی ذریت ایسی موٹی عقل کی نہیں کہ ان تعلیموں پر طفل تسلی دے سکیں کہ بغیر دخل مالک الملک کے تمام روحیں اور ذرہ ذرہ اجسام کا خود بخود قدیم سے چلا آتا ہے بلکہ وہ تو پورا پورا فیصلہ کر لیں گے یا تو اپنے باپ دادوں کے خیالات کو کسی کھڈ کا نہ لگا کر بھٹک بھٹک دہریہ بن جائینگے اور یا اگر سعادت مند ہوئے تو رب العالمین پر ایمان لائیں گے اور اپنی مخلوقیت کا اقرار کر لیں گے مگر دونوں صورتوں میں وید کے پنجہ سے نکل جائیں گے وہ وقت گذر گئے جب لوگ وید کے کہے کہانے سے چاند سورج کی پوجا کرتے

بقیہ حاشیہ:- اور اس کی طاقتیں سب طاقتوں سے بڑھ کر ہیں اور اس کی قوتیں سب قوتوں سے زیادہ تر اور اس کی کامل صفتیں سب صفتوں سے اکمل اور اتم ہیں اور یہ بجائے خود ثابت کیا گیا ہے کہ تمام ایسے وجودوں کے لئے جو محدود اور مقید اور ناقص اور ناتمام ہیں ایک ایسے وجود کی ضرورت ہے جس کو من کل الوجہ کمال تام ہو اور حدود اور قیود سے پاک اور برابر ہو پس جبکہ اس کو کامل تام اور غیر متناہی اور غیر محدود اور سب برتروں سے برتر مان لیا گیا اور تمام ناقصوں کا مبدء فیوض اس کو ٹھہرایا گیا تو پھر اس کی نسبت یہ خیال کرنا کہ اس کا بھی کوئی موجد ہونا چاہئے یہ غایت درجہ کی جہالت اور بُرے طور کی نادانی ہے کیونکہ اگر وہ کسی اور موجد کا محتاج ہے تو پھر وہ اس صورت میں کامل ہو سکتا ہے نہ غیر محدود حالانکہ اُسکی خدائی کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ اسکو کمال تام حاصل ہو اور اسکی ذات حدود اور قیود سے منزہ اور پاک ہو غرض اس بات کا قائل ہو کر کہ وہ غیر متناہی اور سب طاقتوں سے بڑھ کر اور کامل تام ہے پھر یہ خیال کرنا کہ بایں ہمہ اُس کو کسی موجد کی بھی ضرورت ہے گویا نقیضین کو جمع کر لینا ہے کیونکہ جب پہلے ہی اُسکی ذات پر ایمان لانے کے وقت صحت ایمان اسی بات پر موقوف ہے کہ اُسکو اکمل واتم اور بے انتہا اور ہر یک ضعف اور نقصان سے خالی سمجھا جائے تو پھر یہ خیال کہ اس کا کوئی موجد ہونا چاہئے۔ اس صفت ایمان سے بکلی انکار اور کنارہ کشی ہے اور نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ مخلوق کی نسبت خالق کا اعلیٰ ہونا لازم ہے اور جبکہ ہم اسی ذات اکمل واتم کو خدا کہتے ہیں جس سے اعلےٰ کوئی نہیں تو اسکو خود بخود ماننا پڑا غرض انتہائی درجہ کا کامل خیال کرنا تحقق خدائی کے لئے واجب ہے اور انتہائی درجہ کے کمال کو خود بخود ہونا لازم پڑا ہوا ہے یہ قاعدہ کہ ہم پر حکمت چیز کو دیکھ کر جس میں طرح طرح کی عجائب صفتیں پائی جاتی ہیں ایک صانع حکیم کا ایجاد اُسکو سمجھتے ہیں یہ تو ان اشیاء عالم سے متعلق ہے جنکا ناقص ہونا

تھے اور اگنی کے آگے ہاتھ جوڑتے تھے اور ہندوستان کے تمام عجائبات کو معبود بنا رکھا تھا اب ویدکا نیک وقت شاید اُس زمانہ میں آوے کہ جب پھر لوگ ویسی ہی موٹی عقل کے ہوجائیں کہ جیسے وہ وید کے زمانہ میں تھے مگر پھر اس تنگ و تاریک حالت کی طرف زمانہ کا پلٹا کھانا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا اُس زمانہ میں بڑے بڑے بوڑھے پنڈت یہ خیال کرتے تھے کہ کوہ ہمالہ کے پرے اور کوئی ملک ہی نہیں اور یہ اعتقاد کیا گیا تھا کہ چونکہ ہمگی و تمامی جائیداد پرمیشر کی یہی آریہ دیس ہے اس لئے پرمیشر کو اس اپنی جاگیر سے بڑی محبت ہے اور اس نے ہمیشہ کے لئے آریوں کو ٹھیکہ دے رکھا ہے کہ ہمیشہ میرا کلام تم میں ہی اُتریگا سنسکرت میری زبان ہوگی آریہ دیس میرا دیس ہوگا اور وید میرا ہمیشہ کلام ہوگا۔ اوروں سے مجھے کیا غرض اور کیا واسطہ لیکن اس زمانہ میں ایک دس برس کا بچہ بھی کچھ تھوڑا سا جغرافیہ پڑھ کر معلوم کر سکتا ہے کہ خدائتعالیٰ کی زمین

بقیہ حاشیہ :- اوّل ہم ثابت کر لیتے ہیں اور جنکا محدود اور مقید ہونا اور اپنی تکمیل ذات کے لئے غیر کی طرف محتاج ہونا دلائل کاشفہ سے ہم پر کھل جاتا ہے تب جو جو کاریگری کے کام ایسے ناقص وجودوں میں پائے جاتے ہیں انکی نسبت بطور یقین اور قطع کے ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ان عجائب کاموں کا کرنیوالا ضرور در پردہ موجود ہے جو قادر و حکیم و کامل ہے اور یہ بھی ہر ایک پر واضح ہے کہ عالم کی چیزوں میں سے جتنی چیزوں کے وجود پر نظر ڈالکر ایک موجد کامل و قادر کا انہیں محتاج پاتے ہیں یا انکی نسبت حکم صادر کرتے ہیں کہ ان موجودات کا کوئی موجد چاہئے وہ سب ایسی چیزیں ہیں جو کسی نہ کسی طور سے بلا واسطہ وسائل دیگر ہماری نظر اور فکر کے آگے محسوس اور معلوم الوجود ہوتی ہیں بجز ایک ذات پروردگار جلشانہٗ کے جو ہم اُس کے وجود کو بغیر ذریعہ وحی یا مصنوعات کے جو اپنے صانع پر دلالت کرتے ہیں اور کسی طرح شناخت ہی نہیں کر سکتے سو درحقیقت اس کا وجود اور چیزوں کے وجود کی طرح معلوم التعین نہیں تا اُسکے موجد اور تعین کنندہ کا خیال دل میں گذر سکے بلکہ وہ تمام مصنوعات پر غور کرنے کا ایک ضروری نتیجہ ہے جو اپنی ذات میں خیال اور قیاس اور گمان اور وہم سے بلند تر و برتر ہے۔ غرض اس کا وجود اور چیزوں کی طرح نہیں بلکہ اس کے وجود سے مراد وہ آخری وجود ہے جو تمام چیزوں پر نظر ڈالنے کے بعد اُسکی ضرورت ثابت ہوتی ہے سو جس خاص طور سے اُسکا وجود تمام عالم کے اطوار شناخت سے الگ پڑا ہوا ہے وہی طور خاص اس بات کو سمجھا دیتا ہے کہ اُسکے لئے موجد کا ہونا ممتنع اور خلاف عقل ہے

تمام اشیاء سوائے ذات باری کے محسوس اور معلوم الوجود ہیں۔

کیسی کیسی آبادیوں پر مشتمل ہے اور کیونکر کروڑہا رنگا رنگ کی مخلوقات پردہ زمین پر آباد ہو رہی ہے اور خدا تعالیٰ نے کیسی انکو عقل میں فہم میں دنیا میں دین میں آریوں کی نسبت بہت زیادہ ترقیات بخشی ہیں کیا اتنے بڑے جہان کا مالک ایک خسیس اور بخیل آدمی کی طرح ہمیشہ کے لئے ایک خاص ملک تک اپنے فیوض الہامی محدود رکھ سکتا ہے پھر وہ الہام

۱۶۸ جسپر اسقدر ناز ہے یعنے وید عجیب قسم کا الہام ہے کہ اول سے آخر تک بجز مخلوق پرستی کے بات نہیں کرتا پنڈت دیانند نے تاویلات میں بہت کوشش کی مگر کوئی کج کو سیدھا ظاہر کرنے میں کہانتک ٹکریں مارے آخر کچھ بھی نہ ہوسکا وید کی تعلیم مخلوق پرستی کسی

وید کا الہام بجز مخلوق پرستی کے اور کچھ نہیں سکھاتا۔

بقیہ حاشیہ:- اور بجز اُسی کی ذات کامل اور غنی مطلق و غیر محدود کے اور کسی چیز کو ہم ایسا نہیں دیکھتے جو داغ نقصان اور احتیاج الی الغیر سے خالی ہو اور دوسری طرف ہم اس کی غیر میں یہہ بھی دیکھتے ہیں کہ کیا ارواح اور کیا اجسام اپنی ذات اور صفات میں طرح طرح کے پر حکمت خواص اپنے وجود کے اندر رکھتے ہیں اس لئے ہمکو ایسے مصنوعات پر نظر ڈالکر بضرورت ماننا پڑتا ہے کہ کسی صانع قدیم و حکیم و قادر کامل کے ہاتھ سے یہ سب چیزیں نکلی ہیں لیکن خدا تعالیٰ کی نسبت جو اپنی ذات میں کامل اور احتیاج غیر سے منزہ اور غیر محدود اور غیر متناہی طاقتوں والا ہے یہہ خیال

۱۶۷ پیدا نہیں ہوتے کیونکہ غیر متناہی سے بڑھکر اور کون ہوگا جو اُسے پیدا کرنے والا ہوگا اس لئے عالم کی چیزوں کے ساتھ اسکا قیاس نہیں کیا جاتا بلکہ وہ تو لایدرک ذات ہے جو تمام عالم کی چیزوں پر نظر ڈالنے کے بعد ضروری طور پر ماننا پڑتا ہے نہ احاطہ عقلی یا رویت کے طور پر سو جو اس طرح لایدرک طور پر مانا گیا ہے اُسی کامل برتر از عقل و فہم کا نام خدا ہے سوائے اسکے تمام موجودات کی ایجاد کی نسبت تو وہ اپنے الہام کے ذریعہ سے آپ دعویدار ہو گیا اور پاک ملہموں کی روح میں ہوکر اُس نے کلام کیا کہ جو کچھ نظر آتا ہے جو خالی نقصان سے نہیں اُس سب کا موجد میں ہی ہوں جو کامل ہوں اور یہ ملہم لوگ ایسے نادر الوجود نہیں جو صرف چار ہی ہوں اور کوئی پانچواں نہ ہو بلکہ بیشمار ہوئے ہیں اور آئندہ بھی ہمیشہ الہامات کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور ہر یک شخص صراط مستقیم پر قدم مارنے سے جو قانون تحصیل مرضیات الٰہی ہے حسب دائرہ حوصلہ و استعداد اپنے کے الہامات کو پا سکتا ہے اور مکالمہ و مخاطبہ الہیہ سے مستفیض ہو سکتا ہے غرض جس حالت میں خدا تعالیٰ بذریعہ اپنے الہام کے قدیم سے انا الخالق کا دعوی کرتا چلا آیا ہے اور ہر یک روح بوجہ اپنے نقصان ذاتی اور

ایک آدھ مقام میں تو نہیں کہ چھپ سکے وہ تو سارا انہیں خیالات سے بھرا ہوا ہے۔ تمام دنیا
کے پردے میں گھوم آؤ تمام قوموں کو پوچھ کر دیکھ لو کوئی قوم ایسی نہ پاؤ گے کہ جو وید کو پڑھے
اور پھر اس کو موحدانہ تعلیم سمجھے ہم سچ سچ کہتے ہیں اور زیادہ باتوں میں وقت کھونا نہیں
چاہتے کہ جو کچھ قرآن شریف کے دس ورق سے توحید کے معارف آفتاب عالمتاب کی طرح
ظاہر ہوتے ہیں اگر کوئی شخص وید کے ہزار ورق سے بھی نکالکر دکھلا دے تو ہم پھر بھی ہار
جائیں کہ ہاں وید میں توحید ہے اور جو چاہے حسب استطاعت ہم سے شرط کے طور پر مقرر
بھی کرالے ہم قسمیہ بیان کرتے ہیں اور خدائے واحد لاشریک کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم بہر
حال ادائے شرط مقررہ پر جس طور سے فیصلہ کرنا چاہیں حاضر ہیں لیکن ناظرین خوب یاد
رکھیں اور لے آریہ کے زعم و ہو گرفتار رہو؟ تم بھی یاد رکھو کہ وید میں ہرگز توحید محض نہیں
ہے وہ جا بجا مشرکانہ تعلیم سے مخلوط ہے اور ضرور مخلوط ہے کوئی اس کو بری نہیں کرسکتا اور
زمانہ آتا جاتا ہے کہ اس کے سارے پردے کھل جائیں سو تم لوگ اس خدا سے ڈرو جس کی
عدالت سے کسی ڈھب رہائی نہیں ہو سکتی +

169 آریہ سماج والوں میں نانک صاحب کے چیلے بھی کچھ کچھ داخل ہیں انہیں ہم بطور خاص نصیحت
کرتے ہیں۔ کہ تمہارے گورو صاحب نے جا بجا وید سے مخالفت کی ہے اور جہاں تک انکی علمی
حیثیت تھی انہوں نے دین اسلام کے عقائد کو پسند کیا ہے بلکہ ایک صاحب نرائن سنگھ نام
گرنتھ خواں واعظ نے ایک سو سے زیادہ آدمیوں کے مجمع میں ہمارے روبرو بیان کیا
کہ وہ بعض اوقات اعمال عبادت بھی اسلام کے طور پر بجا لاتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے
کہ وہ درپردہ حق کے قبول کرنے کے لئے بہت کچھ تیار ہو گئے تھے۔ وہ اپنے گرنتھ میں فرماتے
ہیں کہ جو ہمیشہ خود بخود بغیر کسی کے پیدا کرنے کے چلا آیا ہے وہی پرمیشر ہے جیسے انکا یہ شبد ہے

(نانک صاحب نے جا بجا وید سے مخالفت کی ہے اور دین اسلام کے عقائد پسند کیا۔)

بقیہ حاشیہ: احتیاج ایک رب کے جو تدارک اس نقصان کا کرے اپنے نفس میں اسکی
ضرورت بھی پاتی ہے تو اس صورت میں اس ذات کامل الصفات کا خالق ہونا بدیہی الثبوت ہے لیکن
اس خالق حقیقی کے لئے کوئی اور خالق تب تجویز کیا جائے جب اول کوئی اس کے سر پر دعویدار اٹھے کہ اس کا
168 میں خالق ہوں اور اسکو مغلوب اور محکوم کرکے دکھلا دے مگر جب کہ ان تمام باتوں میں سے کوئی بات بھی ثابت نہیں اور
من کل الوجوہ خدا تعالیٰ کامل الذات والصفات اور اپنی ذات میں واحد لاشریک اور درحقیقت سب برتروں سے برتر ہے تو پھر یہ خیال سراسر
دیوانگی اور حماقت ہے۔ منہ

تھا پیا نہ جا کیتا نہ ہو۔ آپے آپ نرنجن سو۔ یعنے جو بغیر کسی کے پیدا کرنے کے خود
بخود قدیم سے چلا آیا ہے وہی خدا ہے۔ اب دیکھو کہ اگر روحوں کو قدیم اور خود بخود مانا جائے
تو اس تعریف کے رو سے اُن سب روحوں کا خدا ہونا لازم آتا ہے تو پھر یہ پرمیشر کی کیا
تعریف ہوئی جس میں سارا جہان داخل ہے۔ اور اگر ہم اس تعریف کو غلط اور خلاف عقائد
ہنود سمجھیں اور یہ خیال کریں کہ نانک صاحب نے بوجہ نہ ہونے علم وید کے اپنے پرمیشر کی
ایسی تعریف کر دی ہے جو صریح وید کے اصولوں کے برخلاف ہے تو اس میں نانک صاحب
کی کسر شان ہے کیونکہ وہ اپنے گرنتھ کے کئی مقامات میں صاف صاف لکھتے ہیں کہ میں نے
وید پڑھا ہوا ہے اور چاروں ویدوں کی تعلیمیں مجھ سے پوشیدہ نہیں اور میں خوب جانتا
ہوں کہ وید تناسخ کو مانتا ہے جس کی بنیاد روحوں کا غیر مخلوق ہونا ہے پس اس سے صاف
ظاہر ہے کہ وید کی تعلیم کو اس جگہ نانک صاحب نے قبول نہیں کیا اور جابجا یہ بھی جتلا دیا کہ
میں ویدوں کی تعلیم سے ناواقف نہیں اور نہ بے علم ہوں بلکہ چاروں ویدوں کو میں نے
پڑھا اور خوب کنٹھ کیا ہوا ہے سو اتنے بڑے دعوے سے نانک صاحب کا وید کے اس
اصل الاصول سے دست بردار ہو جانا صاف دلالت کرتا ہے کہ نانک صاحب ویدوں
کے اس بھاری عقیدہ سے جو مدار تناسخ ہے اپنی زندگی میں بیزار ہو چکے تھے اور ہادی مطلق
نے ان کے دل کو یہ ہدایت کر دی تھی کہ یہ تحریر ویدوں کی بالکل جھوٹی اور غلط ہے پس جبکہ ۱۷۰
نانک صاحب حسب تعلیم قرآن شریف خدا تعالیٰ کے خالق اور رب العالمین ہونے پر ایمان
لے آئے تھے اور ویدوں کی ایسی ایسی تعلیموں کو انہوں نے یک لخت چھوڑ دیا تھا اس لئے
اُن صاحبوں کی خدمت میں جو نانک صاحب کے سکھ ہو کر اور کشن سنگھ بشن سنگھ نارائن سنگھ
بھگوان سنگھ وغیرہ نام رکھوا کر پھر اپنے گورو کے گرنتھ سے باہر چلے جاتے ہیں بادب تمام
عرض کیا جاتا ہے کہ وہ بھی وید کی ایسی ایسی تعلیموں سے دست کش ہو جائیں ورنہ اگر نانک
صاحب سے روحانی موافقت نہیں تو پھر خواہ نخواہ ایک لڑکا کیسوں کا سر پر اُٹھائے
رکھنا اور حرارت اور عفونت کی تکلیفیں اُٹھانا ضرورت ہی کیا ہے نانک صاحب روحوں
کے مخلوق ہونے کے بارے میں اپنے گرنتھ میں کافی شہادت دے گئے ہیں چنانچہ وہ ایک
جگہ فرماتے ہیں۔ اینتی کیتی ہور کرے۔ تا آکھ نہ سکے کئی کے یعنی اگر اسقدر ارواح
اور اجسام جو پہلے خدا تعالےٰ پیدا کر چکا ہے اور پیدا کرے تو وہ کر سکتا ہے اور اُسکی قدرت کے

باوا نانک صاحب تناسخ کے قائل نہیں۔

باوا نانک صاحب روحوں کے مخلوق ہونیکے قائل ہیں۔

مقابل اور ہمقدم تعریفیں چل نہیں سکتیں - یہ مقولہ نانک صاحب کا بالکل قرآن شریف
کی ایک آیۃ کا گویا ترجمہ ہے اور سراسر اسکے مطابق ہے چونکہ نانک صاحب اکثر دلی
اخلاص سے علماء اسلام کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور دینی باتیں سنتے تھے
اس لئے کسی مولوی صاحب کی زبانی اُنہوں نے یہ مضمون آیت کا سُن لیا ہوگا - کیونکہ
مسلمانوں سے اکثر انکی صحبت رہتی تھی چنانچہ لکھا ہے کہ بعض اوقات وہ نماز بھی پڑھ
لیا کرتے تھے اور پھر اسکے بعد انکا یہ شبد ہے جو نیچے لکھا جاتا ہے سچے وڈیھاوے
ستے وڈہو - نانک جانے ساچا سو - آفرین اے نانک آفرین یہ شبد بھی
قرآن شریف کی اس آیت کے سراسر مطابق زبان سے نکل گیا ہے اور آیت یہ ہے
الحمد للہ رب العالمین یعنے تمام محامد اور تمام کمالات اور تمام تعریفیں اور تمام بزرگیاں
اور خوبیاں جو مرتبہ جلیلہ خدائی کے لئے ضروری ہیں وہ سب اللہ جل شانہ کو حاصل
اور اس کی ذات میں جمع ہیں جسکی ایجاد کے بغیر کوئی چیز موجود نہیں ہوئی اور وہ تمام عالمین
کا رب اور پیدا کنندہ ہے - پس اسی آیت شریفہ کے مطابق نانک صاحب کا شبد ہے
جسکے یہ معنے ہیں کہ جو بزرگی اور عظمت اور قدرت خدا تعالیٰ کو چاہیئے وہ سب اُسے حاصل
ہے اے نانک جو اس بات کو جانتا ہے وہی صادق ہے - افسوس اس بات کو وید کیوں
نہیں جانتا آریہ لوگ کیوں نہیں جانتے دیانند صاحب کیوں جانے بغیر کوچ کر گئے -
یہ ظاہر ہے کہ پیدا کرنا اور محض اپنی قدرت سے وجود بخشنا ایک کمال ہے جو بڑی تعریف
کے لایق ہے اور خدا وہ ہونا چاہیئے جسمیں سب کمالات اور سب تعریف کی باتیں پائی
جائیں مگر وید کے پرمیشر پر یہ کیا مصیبت نازل ہوئی کہ وہ اس بھاری درجہ کے کمال
سے کہ جو تمام کارخانۂ خدائی کی کنجی ہے بے نصیب رہ گیا - دیکھو اے کیسوں والے آریو
جو نانک صاحب کے چیلہ ہونے کا دعوی کرتے ہو کہ نانک صاحب صاف قرآنی آیت
کی تصدیق کر کے کہتے ہیں کہ صادق وہی ہے کہ جو اُن سب بزرگیوں اور تعریفوں کا قائل
ہے کہ جو خدا تعالیٰ کو اپنے کمال تام کے لئے مطلوب ہیں ورنہ جھوٹا اور دروغگو ہے سو
تم اب تو وید کا پیچھا چھوڑو کہ تمہارے گورو صاحب پکار پکار کہہ رہے ہیں اور اپنے
شبد تمہیں سنا رہے ہیں اور پھر دیکھو کہ وہ مخالفوں پر ناراض ہوکر آگے کیا فرماتے ہیں
جے کو آکھے بول بگاڑ - تا لکھی سر گواراں گوار یعنے اگر کوئی یہ بات تسلیم نہ کرے

اور اس کا مخالف کچھ مونہہ پر لاوے تو اُس کو جاہوں کا سردار لکھنا چاہیئے۔ اے نانک صاحب آپ کہاں اور کدہر ہو اب تو آپ ہی کے چیلے آریہ سماج میں بیٹھ کر بول بگاڑ رہے ہیں اور صاف کہہ رہے ہیں کہ دنیا کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں بلکہ وہ تو وید کی شرتیوں کو سچ مچ درست سمجھ کر خدا تعالیٰ کا خالق اور رب العالمین ہونا غیر ممکن سمجھتے ہیں اور اگر کسی کے مونہہ سے بھولے سے یہ نکل بھی جائے کہ میری روح کا رب اور پیدا کنندہ پرمیشر ہے تو اس کو یہاں پاپی خیال کرتے ہیں اور اپنے پرمیشر کو صرف اسقدر طاقت والا جانتے ہیں کہ اس کو فقط جوڑنا جاڑنا آتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔ آپ نے تو قرآن شریف کے مطابق انہیں یہ سبق پڑھایا تھا کہ وہ تمام انتہائی درجہ کی قدرتیں اور عظمتیں اور تعریفیں جو ذہن میں آسکتی ہیں اور وہ سب کمالات اعلےٰ سے اعلےٰ جو خدا کے لئے زیبا و شایاں ہیں وہ سب پرمیشر کو حاصل ہیں مگر آپکے چیلے تو چار دن آریہ سماج میں بیٹھ کر اور ویدوں کی ملحدانہ شرتیوں کو سُن کر آپ کے اُس گورمنتر کو چھوڑ بیٹھے اور وہ پیڑی ہی بھول گئے جس پر آپ نے انہیں جمایا تھا اب اور تعریفیں پرمیشر کی تو طاق پر رہیں انہوں نے تو وہ پہلا حرف ہی جس سے نام پرمیشر کا دنیا میں ظاہر ہوتا ہے یعنے پیدا کرنا اپنے لوح دل سے ایسا مٹا دیا ہے کہ گویا کبھی سنا ہی نہیں تھا۔

نظم ویدوں کی تعلیم پر۔

اُن کو سودا ہوا ہے ویدوں کا　　اُن کا دل مبتلا ہے ویدوں کا

آریو اسقدر کرو کیوں جوش　　کیا نظر آگیا ہے ویدوں کا

نہ کیا ہے نہ کر سکے پیدا　　سوچ لو یہہ خدا ہے ویدوں کا

عقل رکھتے ہو آپ بھی سوچو　　کیوں بھروسا کیا ہے ویدوں کا

بے خدا کوئی چیز کیوں کر ہو　　یہہ سراسر خطا ہے ویدوں کا

ناستک مت کے وید ہیں حامی　　بس یہی مدعا ہے ویدوں کا

ایسے مذہب (دہریہ مذہب) کبھی نہیں چلتے　　کال سر پر کھڑا ہے ویدوں کا

اور واضح رہے کہ یہ تعلیم ویدوں کی کہ دنیا خود بخود چلی آتی ہے کوئی اُس کے
سر پر پیدا کنندہ و مالک نہیں ہے صرف ایک ادھورا سا جوڑنے جاڑنے والا
۱۷۴ ہے یہ ایک ایسا ناقص اعتقاد ہے جس کے ماننے سے یہ مجبوری یہ ماننا پڑتا ہے کہ
کہ اس جوڑنے جاڑنے والے کو یا تو اپنے ممالک مقبوضہ کا کچھ بھی علم نہیں اور یا شاید
کچھ ہے تو ایک ناقص اور ناتمام سا علم ہے جیسے ایک موتیا بند والے کو جسکی آنکھوں
پر نزول الماء اتر آیا ہو کچھ کچھ اوّل دھندلا سا نظر آتا + اور پھر آخر کار پورا پورا اندھا

+ **حاشیہ** ۔ یہ ایک نہایت باریک صداقت ہے کہ علم باری تعالیٰ جس کی کاملیت کی وجہ
سے وہ ذرہ ذرہ کے ظاہر و باطن پر اطلاع رکھتا ہے کیونکر اور کس طور سے ہے اگرچہ اس کی اصل
کیفیت پر کوئی عقل محیط نہیں ہو سکتی مگر پھر بھی اتنا کہنا سراسر سچائی پر مبنی ہے کہ وہ تمام علم کی قسموں
میں سے جو ذہن میں آسکتی ہیں اشد و اقویٰ و اتم و اکمل قسم ہے جب ہم اپنے حصول علم کے طریقوں
۱۷۵ کو دیکھتے ہیں اور اس کے اقسام پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اپنے سب معمولی علموں میں سے بڑا یقینی
اور قطعی وہی علم معلوم ہوتا ہے جو ہمکو اپنی ہستی کی نسبت ہے کیونکہ ہم اور ایسا ہی ہر ایک انسان کسی حالت
میں اپنی ہستی کو فراموش نہیں کرسکتا اور نہ اسمیں کوئی شک کرسکتا ہے سو جہانتک ہماری عقل کی
رسائی ہے ہم اس قسم کے علم کو اشد و اقوی و اتم و اکمل پاتے ہیں اور یہ بات ہم سراسر خدائتعالیٰ
کی ذات کامل سے بعید دیکھتے ہیں کہ جو اس درجہ اور اس قسم کے علم سے اس کا علم اپنے بندوں کے
بارہ میں کمتر ہو کیونکہ یہ بڑے نقص کی بات ہے کہ جو اعلیٰ قسم علم کی ذہن میں آسکتی ہو وہ خدائتعالیٰ میں نہ پائی جائے
اور اعتراض ہو سکتا ہے کہ کس وجہ سے خدائتعالیٰ کا علم اعلیٰ درجہ کے علم سے متنزل رہا آیا اُسکے
اپنے ہی ارادہ سے یا کسی قاسر کے قسر سے اگر کہو کہ اُسکے اپنے ہی ارادہ سے تو یہ جائز نہیں کیونکہ
کوئی شخص اپنے لئے بالارادہ نقصان روا نہیں رکھتا تو پھر کیونکر خدائتعالیٰ جو بذات خود کمالات کو
دوست رکھتا ہے ایسے ایسے نقصان اپنی نسبت روا رکھے اور اگر کہو کہ کسی قاسر کی قسر سے یہ
۱۷۶ نقصان اُس کو پیش آیا تو چاہئے کہ ایسا قاسر اپنی طاقتوں اور قوتوں میں خدائتعالیٰ پر غالب ہوتا
جو زبردست قوت کی وجہ سے اُسکو اُسکے ارادوں سے روک سکے اور یہ خود ممتنع اور محال ہے کیونکہ
خدائتعالیٰ پر اور کوئی قاسر نہیں جسکی مزاحمت سے اسکو کوئی مجبوری پیش آوے پس ثابت ہوا کہ ضرور
خدائتعالیٰ کا علم کامل تام ہے اور پہلے ہم ابھی ثابت کرچکے ہیں کہ علم کی تمام قسموں میں سے کامل و تام
وہ علم ہے کہ جو ایسا ہو جیسے ایک انسان کو اپنی ہستی کی نسبت علم ہوتا ہے سو ماننا پڑا کہ خدائتعالیٰ کا علم

ہو جاتا ہے پس صاف ظاہر ہے کہ ایسی خراب تعلیم کو جس کے ایسے ایسے خراب نتایج ہیں کسی صاف دل ہندو کی روح بھی قبول نہیں کر سکتی بلکہ پنڈت دیانند کے دل نے بھی
۱۷۴ اس کو قبول نہیں کیا لالہ شرم پت ایک آریہ اسی جگہ قادیان کے رہنے والے نے میرے پاس بیان کیا کہ میں نے روحوں کی پیدائش کے بارے میں دیانند جی سے دریافت کیا تو لگے باتیں بنانے اور فرمایا کہ پہلے جو ہو چکا ہو ہو چکا آئندہ اگر پرمیشر پیدا کرتا ہی چلا جائے

وید وں کی ایسی خراب تعلیم ہے کوئی صاف دل ہندو کی روح بھی قبول نہیں کر سکتی

بقیہ حاشیہ - اپنی مخلوقات کے بارہ میں اسی علم کی مانند اور اسی کے مشابہ ہے گو ہم اس کی اصل کیفیت پر محیط نہیں ہو سکتے لیکن ہم اپنی عقل سے جسکی رو سے ہم مکلف ہیں یہ سمجھ سکتے ہیں کہ بڑا قطعی اور یقینی علم یہی ہے جو عالم اور معلوم میں کسی نوع کا بُعد اور حجاب نہ ہو سو وہ قسم علم کی یہی ہے اور جس طرح ایک انسان کو اپنی ہستی پر مطلع ہونے کے لئے دوسرے
۱۷۵ وسائل کی ضرورت نہیں بلکہ جاندار ہونا اور اپنے تئیں جاندار سمجھنا دونوں باتیں ایسی باہم قریب واقع ہیں کہ ان میں ایک بال کا فرق نہیں سو ایسا ہی جمیع موجودات کے بارہ میں خدا تعالیٰ کا علم ہونا ضروری ہے یعنے اُس جگہ بھی عالم اور معلوم میں ایک ذرہ فرق اور فاصلہ نہیں چاہیئے اور یہ اعلیٰ درجہ علم کا جو باری تعالیٰ کو اپنے تحقق الوہیت کے لئے اسکی ضرورت ہے اسی حالت میں اُسکے لئے مسلّم ہو سکتا ہے کہ جب پہلے اسکی نسبت یہ مان لیا جائے کہ اُسمیں اور اُسکے معلومات میں اسقدر قرب اور تعلق واقع ہے جس سے بڑھ کر تجویز کرنا ممکن ہی نہیں اور یہ کامل تعلق معلومات سے اسی صورت میں اسکو ہو سکتا ہے کہ جب عالم کی سب چیزیں جو اسکی معلومات ہیں اُسکے دست قدرت سے نکلی ہوں اور اُسکی پیدا کردہ اور مخلوق ہوں اور اُسکی ہستی سے انکی ہستی ہو یعنے جب ایسی صورت ہو کہ موجود حقیقی وہی ایک ہو اور دوسرے سب وجود اُس سے پیدا ہوئے ہوں اور اُس کے ساتھ قایم ہوں یعنے پیدا ہو کر بھی اپنے وجود میں اس سے بے نیاز اور اُس سے الگ نہ ہوں بلکہ درحقیقت سب چیزوں کے پیدا ہونے کے بعد بھی زندہ حقیقی وہی ہو اور دوسری
۱۷۶ ہر ایک زندگی اسی سے پیدا ہوئی ہو اور اس کے ساتھ قایم ہو اور بے قید حقیقی وہی ایک ہو اور دوسری سب چیزیں کیا ارواح اور کیا اجسام اُسکی لگائی ہوئی قیدوں میں مقید اور اُسکے ہاتھ کے بندوں سے بندھے ہوئے اور اُس کی مقرر کردہ حدوں میں محدود ہوں اور وہ ہر چیز پر محیط ہو اور دوسری سب چیزیں اسکی ربوبیت کے نیچے احاطہ کی گئی ہوں اور کوئی ایسی چیز نہ ہو جو اُس کے

بڑا قطعی اور یقینی علم یہی ہے کہ عالم اور معلوم میں کسی نوع کا بعد اور حجاب نہ ہو

تو اتنا بڑا وسیع مکان کہاں سے لائے جس میں روحیں رہا کریں اب دیکھو کہ اس تقریر میں ناچار ہو کر دیانند نے اِسقدر مان لیا کہ اول پرمیشر نے ضرور روحوں کو پیدا کیا تھا لیکن آئندہ اس خوف سے پیدا کرنے سے دست کش ہے کہ کوئی ایسا بڑا مکان اُسے نہیں ملتا۔ اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت دیانند کو اپنی عمر کے آخری حصہ میں وید کی ایسی ایسی تعلیموں کی نسبت بہت کچھ شکوک اور شبہات پڑ گئے تھے بلکہ رسالہ دھرم جیون ۱۵ جولائی ۱۸۸۳ء میں لکھا ہے کہ پنڈت دیانند صاحب جاتے وقت اشاروں کنائیوں سے بعض معزز برہمو صاحبوں کو سمجھا گئے کہ اب میرا ایمان ویدوں پر نہیں رہا۔ میں کہتا ہوں کہ پنڈت صاحب تو پنڈت صاحب ہی تھے ایسے ویدوں پر کسی منصف مزاج کا ایمان

بقیہ حاشیہ:- ہاتھ سے نہ نکلی ہو اور اس کی ربوبیت کا اس پر احاطہ نہ ہو یا اُسکے سہارے سے وہ چیز قایم نہ ہو غرض اگر ایسی صورت ہو تب خدا تعالیٰ کا تعلق تام جو علم تام کے لئے شرط ہے اپنے معلومات سے ہوگا۔ اسی تعلق تام کی طرف اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ قرآن شریف میں اشارہ فرمایا جیسے وہ فرماتا ہے ونحن اقرب الیہ من حبل الورید یعنے ہم انسان کی جان سے اسکی رگ جان سے بھی زیادہ تر نزدیک ہیں ایسا ہی اُس نے قرآن شریف میں ایک دوسری جگہ فرمایا ہے ھو الحی القیوم یعنے حقیقی حیات اسی کو ہے اور دوسری سب چیزیں اُس سے پیدا اور اُس کے ساتھ زندہ ہیں یعنے درحقیقت سب جانوں کی جان اور سب طاقتوں کی طاقت وہی ہے لیکن اگر یہ خیال کیا جائے کہ وہ قدیم سے الگ کا الگ چلا آتا ہے اور اُسکی ربوبیت کا کسی چیز پر احاطہ نہیں اور کوئی چیز اُس سے ظہور پذیر نہیں ہوئی تو اس صورت میں علم کائنات تو اُسے کیا ہوگا بلکہ محدود چیزوں میں سے وہ بھی ایک چیز ہوگی جس کا کوئی اور محدد تلاش کرنا پڑیگا اور یہ بھی واضح رہے کہ جو چیز غیر مخلوق فرض کی جائے اُسکی نسبت یہ تو ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو اُس چیز کا علم تام جو اُس سے الگ اور غیر مخلوق اور قدیم ہے کسی طور سے نہیں ہو سکتا اور با ایں ہمہ اُس چیز کے نفس وجود پر نظر ڈالنے سے اسقدر بھی لازم نہیں آتا کہ خواہ نخواہ کسی درجہ کا ناقص علم بھی اُسکے بارہ میں خدا تعالیٰ کو حاصل ہو اور کوئی دلیل اس بات پر قایم نہیں ہو سکتی کہ کیوں حاصل ہو ہاں جو چیز ممکن اور حادث اور مسبوق بالعدم ذاتی ہے وہ ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ کو معلوم ہو اور علم الٰہی سے باہر نہ ہو کیونکہ جو چیز معلوم ہے عطائے وجود اُس کے لئے ممکن نہیں پس علم ممکنات قبل وجود ممکنات خدا تعالیٰ کے لئے ہونا

خدا کے علم کامل پر اعتراض اور اس کا جواب

نہیں رہ سکتا بلکہ کون آدمی ایسا دل کا اندھا ہے جس کو یہ موٹی بات بھی سمجھ میں نہ آسکے کہ جس پرمیشر کو پیدا کرنا بھی نہیں آتا اور یوں ہی جائداد مستعار سے کام چلا رہا ہے وہ کس بات کا پرمیشر ہے اور جس کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ اگر روحیں اور مواد نہ ہوں تو پھر اُس کا سب پرمیشرپن طاق پر رکھا رہ جائے ایسے نالائق کو کون پرمیشر کہہ سکتا ہے۔ یہ بات ایسی صاف صاف اور انسان
۱۷۷ کے فطرتی تقاضا کے موافق ہے کہ ہر یک پاک دل آدمی بلا تردد اِسکی شہادت اپنے دل میں پاتا ہے اور خود ہندو لوگ بھی ہرگز پسند نہیں کرتے کہ انکا پرمیشر ایسے نقصان میں مبتلا ہو مجھے یاد ہے کہ ہوشیارپور کی بحث میں جب میں نے لوگوں کو سنایا کہ آریہ سماج والوں کا یہ اعتقاد ہے کہ انکا پرمیشر روحوں کے پیدا کرنے سے عاجز ہے تو کئی معزز ہندو جو میرے
۱۷۸ پاس بیٹھے تھے وہ یہ سنکر توبہ توبہ کرنے لگ گئے کہ یہ کیسا خراب اعتقاد ہے اور جب لالہ مرلی دہر صاحب اُس اعتراض کا جواب لکھنے بیٹھے تو وہ چند ہندو صاحب اُٹھ کر چلے گئے کہ ہم ہرگز ایسا بیہودہ جواب جس میں پرمیشر کی نندیا یعنے توہین ہے سُننا نہیں چاہتے۔ ایسا ہی ایک صاحب نے میرے پاس بیان کیا کہ امرتسر کے مقام میں کوئی آریہ صاحب کسی گلی بازار میں لکھیاں کے طور پر یہ ذکر کر رہے تھے کہ پرمیشر کا پرمیشرپن صرف جوڑنے جاڑنے تک ختم ہے

بقیہ حاشیہ :- ضروری ہے اور اس سے بالضرور ثابت ہے کہ ممکنات بارزاً معلومات الٰہیہ میں داخل ہیں لیکن جس چیز کو ممکن اور حادث اور مسبوق بعدم ذاتی تسلیم نہ کیا جائے اور ذات علت العلل کا اُسکو معلول اور محاط نہ ٹھہرایا جائے اُسپر کوئی برہان عقلی قائم نہیں ہو سکتی کہ کیوں
۱۷۸ وہ علم الٰہی سے باہر نہیں۔ مثلاً اگر روح کو مخلوق اور حادث تسلیم نہ کیا جائے تو اس بات کے تسلیم کرنے کے لئے کوئی وجہ نہیں کہ ایک بے تعلق شخص جو فرضی طور پر پرمیشر کے نام سے موسوم ہے روح کی حقیقت سے کچھ اطلاع رکھتا ہے اور اُس کا علم اُسکی تہ تک پہنچا ہوا ہے کیونکہ جو شخص کسی چیز کی نسبت پورا پورا علم رکھتا ہے تو البتہ اُسکے بنانے پر بھی قادر ہوتا ہے اور اگر قادر نہیں ہو سکتا تو اُس کے علم میں ضرور کوئی نہ کوئی نقص ہوتا ہے اور اگر پورا علم نہ ہو تو قطع نظر بنانے سے متشابہ چیزوں میں باہم امتیاز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے سو اگر خدا تعالیٰ خالق الاشیا نہیں تو اُس میں صرف یہی نقص نہیں ہے کہ اس صورت میں وہ ناقص العلم ٹھہرا بلکہ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ کروڑہا روحوں کے امتیاز اور تمیز اور شناخت میں روز بروز دھوکے بھی کھایا کرے اور بسا اوقات زید کی روح کو بکر کی روح سمجھ بیٹھے کیونکہ ادھورے علم کو ایسے دھوکے ضرور لگ جایا کرتے ہیں اور اگر کہو کہ نہیں لگتے تو اسکی کوئی دلیل پیش کرنی چاہیئے منہ

اور اس سے آگے اُسے کچھ طاقت نہیں اسپر کسی دوسرے ہندو نے کچھ بحث کرنا شروع کیا
تب وہ لالہ صاحب بات کرتے کرتے گرم ہو کر کہنے لگے کہ ویدوں میں صاف لکھا ہے کہ
جیو پرکرتی انادی یعنے روح و مادہ خود بخود قدیم سے چلے آتے ہیں جنکو کسی نے پیدا نہیں کیا یہ
۱۷۹ بات سنتے ہی اُس ہندو کو بھی جو بمقابل اُس آریہ کے بات کر رہا تھا ایسا جوش آگیا کہ بے اختیار
اُس کے مونہہ سے نکل گیا کہ اگر پرمیشر ایسا ہی عاجز ہے تو وہ پھر تیری ایسی تیسی کا پرمیشر ہے چنانچہ
اس بات پر ان دونوں میں ہاتھو پائی اور دست بگریباں ہونے کی نوبت پہنچ چلی تھی مگر لوگوں
نے درمیان میں ہو کر ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا پس ان عام نفرتوں سے
ظاہر ہے کہ دُنیا میں کوئی بھی ایسا انسان نہیں ہے کہ اگر وہ اپنے تعصبات کو الگ کر کے
سوچے تو وہ اس صاف اور بدیہی اور کُھلی کُھلی سچائی تک نہ پہنچ سکے کہ خدا تعالیٰ کو اگر
اُسکی خوبیوں اور قدرتوں سے الگ کیا جائے تو پھر خود اُس کو اپنی خدائی سے الگ
ہونا پڑتا ہے کیا بجز اس کے کہ خدا تعالیٰ ہر ایک وجود کا موجد ہے کوئی اور بھی بات
چھپی ہوئی ہے جسکے رو سے خدا کو خدا کہا جاتا ہے+

قولہٗ ۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ ارواح کے غیر مخلوق اور خود بخود ماننے میں دوسری
قباحت یہ ہے کہ ایسا اعتقاد خدا تعالیٰ کو خدائی سے جواب دے رہا ہے کیونکہ جو
لوگ علم نفس اور خواص ارواح سے واقف ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جس قدر روحوں
میں عجائب و غرائب خواص بھرے ہوئے ہیں وہ صرف جوڑنے جاڑنے سے پیدا
نہیں ہو سکتے مثلاً روحوں میں ایک کشفی قوت ہے جس سے وہ پوشیدہ باتوں کو بعد
مجاہدات باذنہٖ تعالیٰ دریافت کر سکتے ہیں اور ایک قوت ان میں عقلی ہے جس سے
وہ امور عقلیہ کو معلوم کر لیتے ہیں ایسا ہی ایک قوت محبت بھی ان میں ہے جس سے
وہ خدا تعالیٰ کی طرف جھکتے ہیں اگر ان تمام قوتوں کو خود بخود بلا ایجاد کسی موجد کے مان
لیا جائے تو پرمیشر کی اس میں بڑی ہتک عزت ہے گویا یہ کہنا پڑیگا کہ جو عمدہ اور
اعلےٰ کام تھے وہ تو خود بخود ہیں اور جو ادنےٰ اور ناقص کام تھا وہ پرمیشر کے ہاتھ سے
ہوا اور اس بات کا اقرار کرنا ہوگا کہ جو خود بخود عجائب کام پائے جاتے ہیں وہ پرمیشر
کے کاموں سے کہیں بڑھ کر ہیں یہاں تک کہ پرمیشر بھی ان سے حیران ہے غرض اس
۱۸۰ اعتقاد سے آریہ صاحبوں کے خدا کی خدائی پر بڑا صدمہ پہنچیگا یہاں تک کہ اُس کا ہونا

نہ ہونا برابر ہوگا اور نیز اُس کے وجود پر بھی کوئی عقلی دلیل قایم نہیں ہو سکیگی میں اس کا یہ جواب دیتا ہوں کہ مرزا صاحب خدا کی خدائی قایم رکھنے کے لیئے اُن لوگوں کو شاید مقرر کرتے ہیں جو خواص روح سے واقفیت رکھتے ہوں مگر اسلام میں تو روح کے خواص خدا نے ظاہر ہی نہیں کیئے جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں پھر انکو اسکی کیا خبر ہے۔

اقول اے لالہ صاحب اگر قرآن شریف نے روح کے خواص بیان نہیں کیئے تو پھر کس نے کیئے وید تو صرف اتنا ہی بول کر چپ ہو گیا کہ میرے مصنف کا روحوں پر کچھ دعویٰ نہیں اور روح غیر مخلوق اور خود بخود ہوئے ہیں اُس سے کچھ کم نہیں ہیں لیکن قرآن شریف کے نازل کرنے والے نے روحوں کو اپنی ملکیت ٹھہرایا اور انکے مخلوق اور بندہ ہونے کی نسبت دعویٰ کیا اور پھر اس سے زیادہ عقلی دلیلوں کے ساتھ آپ ثابت کیا کہ تمام بنی آدم اور دوسرے حیوانوں کی روحیں مخلوق اور بندہ خدا ہیں اور پھر کھول کر مفصل طور پر سنایا کہ کیا کیا طاقتیں اور استعدادیں اور خاصیتیں اُن میں رکھی گئی ہیں۔ یہ قرآن شریف ہی نے نہائت باریک صداقت بیان کی ہے کہ جو کچھ متفرق طور پر عالم علوی و سفلی میں خواص عجیبہ پائے جاتے ہیں وہ سب انسانی روح کے وجود میں جمع ہیں لیکن وید کے رو سے تو روح کچھ چیز ہی نہیں اور اسکے خواص بھی ایسے ناکارہ ہیں کہ جنکا عدم و وجود مساوی ہے چنانچہ اس بات کا خود آپکو اقرار ہے اور آگے چلکر ابھی وہ عبارت ناظرین پڑھ لینگے اب فرمایئے کہ جس حالت میں آپکا وید ہی اقرار کرتا ہے کہ ارواح غیر مخلوق ہیں تو پھر وید کے مصنف کو جو اُن سے بالکل بے تعلق ہے انکی اندرونی حقیقت کیا معلوم ہوگی یہ بات تو ہر یک شخص سمجھ سکتا ہے کہ بنانے والے کو جیسی اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیز کی خبر ہوتی ہے دوسرے کو جو کہ اُس کے بنانے والا نہیں اور بالکل بے تعلق ہے ہرگز ایسی خبر نہیں ہو سکتی یہ صداقت نہائت ہی صاف اور روشن ہے اور جبتک کوئی شخص نرا جاہل اور عقل سے بیگانہ نہ ہو تب تک اس صداقت میں کچھ شک نہیں کر سکتا۔ اس جگہ کم سے کم آریہ صاحبوں کو اسقدر اقرار تو ضرور کرنا پڑیگا کہ جسقدر ان کے پرمیشر کو اپنے ہاتھ کے کام کی جو جوڑنا جاڑنا ہے اندرونی حقیقت معلوم ہے یہ حقیقت روحوں کی کیفیت وجود کی نسبت جن سے وہ بالکل بے تعلق ہے ہرگز اس کو حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ جو کام اپنے ہاتھ سے کیا جاتا ہے اس کے جزئیات دقیقہ ۱۸۱

قرآن شریف کے رو سے روحیں مخلوق ہیں اور انسانی روح میں سب چیزوں کے خواص موجود ہیں۔

ہرگز مخفی نہیں رہ سکتے لیکن جو کام اپنے ہاتھ سے نہ کیا جائے اُسکو اگرچہ دوسرے کے ہاتھ سے ہوتے بھی دیکھ لیں تب بھی اُس کا کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن وید کے مصنّف کو روحوں کی حقیقت اور ان کے خواص کیونکر معلوم ہو سکیں اُس نے نہ تو آپ کوئی روح بنائی اور نہ کسی اَور کاریگر کو بناتے دیکھا پس ہندؤں کے پرمیشر کا یہ اقرار کہ میں روح بنانے پر قادر نہیں صاف اس دوسرے اقرار پر بھی مشتمل ہے کہ روحوں کی اندرونی حقیقت بھی مجھے معلوم نہیں کیونکہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ کسی چیز کی نسبت علم کامل اور وسیع اُس چیز کے بنانے پر قادر ہونے کا موجب ہے یعنے جب کسی چیز کی حقیقت پر علم اکمل واتم حاصل ہو جائے اور جن امُور سے ایک چیز کا وجود ظہور پذیر ہے اُن امُور مخفیہ پر اطلاع کلی ہو جائے تو ساتھ ہی اُس چیز کے بنانے پر بھی قدرت حاصل ہوتی ہے چنانچہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں روحوں کی مخلوقیت پر منجملہ اور دلائل کے یہ دلیل بھی پیش کی ہے اور یہ بات بالکل صاف اور ظاہر ہے کہ کسی
۱۸۳ چیز کے بنانے سے عاجز ہونا ہمیشہ بوجہ نقصان علم ہوا کرتا ہے جب تم ایک چیز کی نسبت پورا پورا علم حاصل کر لوگے اور اُس کے کُنہ تک پہنچ جاؤگے اور کوئی حجاب درمیان باقی نہیں رہیگا تو فی الفور تم اُس کے بنانے پر قادر ہو جاؤگے اور اگر وہ اسباب تمہیں میسر آجائیں گے جو بنانے کے لئے ضروری ہیں تو بلاشبہ وہ چیز تم اپنے ہاتھ سے بنا سکوگے ہاں جب تک تمہارے علم میں کچھ نقصان ہے اور ہنوز ایسے امور بھی باقی ہیں
۱۸۲ جو تمہاری نظر سے چھپے ہوئے ہیں تب تک تم اُس چیز کے بنانے پر قادر نہیں ہو سکتے سو ہندؤں کا پرمیشر جو روحوں کو بنا نہیں سکتا تو اس عجز اور ناتوانی کی درحقیقت یہی وجہ ہے کہ وہ علم کیفیت ارواح اور اُنکے خواص سے بالکل بے بہرہ ہے * سو جبکہ ہندؤں
۱۸۴ کا پرمیشر علم روح سے آپ ہی بے بہرہ ہے تو پھر وہ دوسروں کو روح کا علم کیا سکھائیگا۔

ہندؤں کا پرمیشر علم روح سے بے بہرہ ہے۔

* **حاشیہ**:۔ شاید کسی دل کو اس جگہ یہ وسوسہ پکڑے کہ اگر کسی شے پر پورا پورا علمی احاطہ ہونے سے وہ شئے مخلوق ہو جاتی ہے تو علم حق سبحانہٗ تعالیٰ جو اپنی ذات سے متعلق ہے وہ بھی بہرحال کامل ہے تو کیا خدا تعالیٰ اپنی ذات کا آپ خالق ہے یا اپنی مثل بنانے پر قادر ہے اسمیں اعتراض کے پہلے ٹکڑے کا تو یہ جواب ہے کہ اگر خدا تعالیٰ اپنے وجود کا آپ خالق ہو تو اس سے لازم آتا ہے

اس اعتراض کا ازالہ کہ اگر خدا تعالیٰ کو اپنی ذات کا کامل کا علم ہے تو کیا وہ اپنا خالق یا اپنے جیسا خدا بنا سکتا ہے۔

اوخویشتن گم است کرا رہبری کند۔ پس اس سے صاف ثابت ہوگیا کہ وہ الزام عدم علم
روح جو محض عناد کی راہ سے ماسٹر صاحب اسلام پر اور قرآن شریف پر اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلّم پر لگاتے ہیں وہ درحقیقت ہندوؤں کے پرمیشر اور اُس کے وید پر عاید
حال ہوتا ہے بلکہ خود وید نے ضمنی طور پر اُس الزام کو اپنے مصنّف کے ذمّہ مان لیا ہے
کیونکہ وید میں صاف اس بات کا اقرار پایا جاتا ہے کہ اُس کا فرضی پرمیشر روحوں کے
پیدا کرنے سے بکلّی عاجز اور مجبور ہے پس جبکہ خود وید کے اقرار سے روح غیر مخلوق ہوئی

بقیہ حاشیہ ۔ کہ اپنے وجود سے پہلے موجود ہو اور ظاہر ہے کہ کوئی شئے اپنے وجود سے
پہلے موجود نہیں ہو سکتی ورنہ تقدم الشئے علی نفسہٖ لازم آتا ہے بلکہ خدا تعالیٰ جو اپنی ذات کا علم
کامل رکھتا ہے تو اس جگہ عالم اور علم اور معلوم ایک ہی شئے ہے جس میں علیحدگی اور دوئی کی
گنجائش نہیں تو پھر اس جگہ وہ الگ چیز کونسی ہے جسکو مخلوق ٹھہرایا جائے سو ذاتی علم خدا تعالیٰ کا
جو اُسکی ذات سے تعلق رکھتا ہے دوسری چیزوں پر اس کا قیاس نہیں کر سکتے غرض علم ذاتی باری ۱۸۳
تعالیٰ میں جو اُسکی ذات سے متعلق ہے عالم اپنے معلوم سے کوئی الگ چیز نہیں ہے تا ایک خالق
اور ایک مخلوق قرار دیا جاوے ہاں اس کے وجود میں بجائے مخلوق کہنے کے یہ کہا چاہیئے کہ وہ
وجود کسی دوسرے کی طرف سے مخلوق نہیں بلکہ ازلی ابدی طور پر اپنی طرف سے آپ ہی ظہور
پذیر ہے اور خدا ہونے کے بھی یہی معنے ہیں کہ خود آیندہ ہے۔ دوسرا ٹکڑا اعتراض کا کہ تقریر مذکورہ
بالا سے خدا تعالیٰ کا اپنی مثل بنانے پر قادر ہونا لازم آتا ہے اُس کا جواب یہ ہے کہ قدرت الٰہی
صرف اُن چیزوں کی طرف رجوع کرتی ہے جو اُس کی صفاتِ ازلیہ ابدیہ کی منافی اور مخالف
نہ ہوں بے شک یہ بات تو صحیح اور ہر طرح سے مدلل اور معقول ہے کہ جس چیز کا علم خدا تعالیٰ
کو کامل ہو اُس چیز کو اگر چاہے تو پیدا بھی کر سکتا ہے لیکن یہ بات ہرگز صحیح اور ضروری ۱۸۴
نہیں ہے کہ جن باتوں کے کرنے پر وہ قادر ہو اُن سب باتوں کو بلا لحاظ اپنی صفات کاملہ
کے کرکے بھی دکھاوے بلکہ وہ اپنی ہر ایک قدرت کے اجرا اور نفاذ میں اپنی صفات کاملہ
کا ضروری لحاظ رکھتا ہے کہ آیا وہ امر جس کو وہ اپنی قدرت سے کرنا چاہتا ہے اس کی صفت
کاملہ سے منافی و مباین تو نہیں مثلاً وہ قادر ہے کہ ایک بڑے پرہیزگار صالح کو دوزخ
کی آگ میں جلاوے لیکن اُسکے رحم اور عدل اور مجازات کی صفت اس بات کی منافی پڑی

اور پرمیشر کی اُن میں کسی نوع سے مداخلت نہ ہوئی اور روحوں کے پیدا کرنے سے پرمیشر قطعاً عاجز ہوا تو اسی سے دانشمند سمجھ سکتا ہے کہ جس کو روحوں کے پیدا کرنے کا علم یاد نہیں اُسکو روحوں کی نسبت اور دوسرا علم کیا یاد ہوگا - ایک چیز کا پیدا کر لینا اور اس چیز کی حقیقت کامل طور پر جان لینا درحقیقت لازم ملزوم پڑا ہوا ہے بلکہ اگر زیادہ تر غور کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ انتہائی درجہ کا کامل علم اور پیدا کر لینا درحقیقت ایک ہی بات ہے - اس صداقت سے شائد وہ ابلہ مزاج انکار کرے جو ایک ناقص علم کو کامل سمجھ بیٹھے لیکن ایک دانا جس کا خیال اس باریک دقیقہ تک پہنچ جائے کہ کامل علم کسے کہتے ہیں اور کس حالت میں کسی علم کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ کامل ہے وہ ضرور بانشراح قلب سے یقین کریگا کہ ضرور علم تام اور عمل میں تلازم بلکہ اتحاد واقعہ ہے غرض یہ بات ہندوؤں کی پرمیشر کے لئے بالکل غیر ممکن ہے کہ وہ یہہ دعویٰ کرے کہ مجھے کامل طور پر علم روح

بقیہ حاشیہ :- ہوئی ہے کہ وہ ایسا کرے اس لئے وہ ایسا کام کبھی نہیں کرتا ایسا ہی اُسکی قدرت اس طرف میں رجوع نہیں کرتی کہ وہ اپنے تئیں ہلاک کرے کیونکہ یہ فعل اُس کی صفت حیات ازلی ابدی کی منافی ہے پس اسی طرح سے سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ اپنے جیسا خدا بھی نہیں بناتا کیونکہ اُسکی صفت احدیت اور بے مثل اور مانند ہونے کی جو ازلی ابدی طور پر اسمیں پائی جاتی ہے اس طرف توجہ کرنے سے اُسکو روکتی ہے پس ذرہ آنکھ کھول کر سمجھ لینا چاہیئے کہ ایک کام کرنے سے عاجز ہونا اور بات ہے لیکن باوجود قدرت کے بلحاظ صفات کمالیہ امر منافی صفات کی طرف توجہ نہ کرنا یہ اور بات ہے ہاں اس طرح پر وہ اپنی ذات بے مثل و مانند کا نمونہ پیدا کرتا ہے کہ اپنی ذاتی خوبیاں جن پر اُس کا علم محیط ہے عکسی طور پر بعض اپنی مخلوقات میں رکھہ دیتا ہے اور کمالات کا انتہائی درجہ جو حقیقی طور پر اُسکو حاصل ہے ظلی طور پر اُس مخلوق کو بھی بخش دیتا ہے جیسا کہ اسی کی طرف قرآن شریف میں اشارہ بھی ہے ورفع بعضھم درجات اس جگہ صاحب درجات رفیعہ سے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں - جن کو ظلی طور پر انتہائی درجہ کے کمالات جو کمالات الوہیت کے انعکاس و آثار ہیں بخشے گئے اور وہ خلافت حقہ جس کے وجود کامل کے تحقق کے لئے سلسلہ بنی آدم کا قیام بلکہ ایجاد کل کائنات کا ہوا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود سے اپنے مرتبہ اتم واکمل میں ظہور پذیر ہو کر آئینہ خدا نما ہوئے - یہ بحث معارف الہیہ میں سے نہایت

خدائے تعالیٰ اپنی ذاتی خوبیاں عکسی طور پر اپنی بعض مخلوق میں رکھ دیتا ہے +

حاصل ہے اور یا کامل طور پر روح کے خواص کی مجھے خبر ہے بلکہ یہ دعوے تو سراسر قرآن ۱۸
شریف کے اُتارنے والے کو جو رب العالمین ہے پہنچتا ہے اور اُسی کو زیبا ہے کیونکہ
وہ خالق ارواح ہے اور اس کو اپنے پیدا کردہ کی اندرونی حقیقت بخوبی معلوم ہے جس
نے پیدا کیا وہی جانے + دوسرا کیونکر اُس کو پہچانے + غیر کو غیر کی خبر کیا ہو + نظرِ دور رہ
کارگر کیا ہو + چونکہ درحقیقت وہ روحوں کا خالق ہے اس لئے اُس نے اپنے علم ذاتی اور
تعلق خالقیت کی وجہ سے روحوں کی حقیقت اور اُنکے خواص اسقدر بیان کئے ہیں کہ دنیا
میں کوئی بھی ایسی کتاب نہیں کہ اس بارہ میں اس کا مقابلہ کرسکے اور وید تو خود کچھ حقیقت
نہیں رکھتا ناظرین انصافاً شہادت دے سکتے ہیں کہ آیا روحوں کے علم سے بیخبر ہونا کس
کے مناسب حال ہے کیا فی الحقیقت جیسا کہ میں خیال کرتا ہوں ایسے پرمیشر کے مناسب
حال ہے جس نے آپ اقرار کردیا ہے کہ میں روحوں کے بنانے سے عاجز اور انکے طریق پیدا ۱۸۵
کرنے سے محض بیخبر ہوں یا اُس قادر مطلق رب العالمین کے مناسب حال ہو سکتا ہے
جو ذرہ ذرہ کے پیدا کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اور ہر یک روح کا وجود اور ہر یک جان کی
ہستی اپنی قدرت کاملہ کا نقش قرار دیتا ہے میں یقین رکھتا ہوں کہ سب دانشمند یہی شہادت
دینگے کہ جس کو پیدا کرنے کی طاقت نہیں اُس کو غیر مخلوق چیزوں کی اندرونی حقیقت کا بھی
کچھ علم نہیں بلکہ یہ علم کامل اور تام طور پر اُسی کامل القدرت کو حاصل ہے جس کو روحوں
کے پیدا کرنے کی طاقت و قدرت ہے پس اس بیان سے تو ہندوؤں کے پرمیشر اور اُن کے
وید کی ساری حقیقت کھل گئی اور جو کچھ وید کے مصنف کی نسبت آریہ لوگ علم روح کا دعوی

جس کو پیدا کرنے کی طاقت نہیں اسکو غیر مخلوق چیزوں کی اندرونی حقیقت کا بھی کچھ علم نہیں

بقیہ حاشیہ ۔ باریک بحث ہے اور ہمارے مخالفین جو ان نازک نکات عرفانی سے ۱۸۸
بیگانہ اور اس کوچہ اسرار الوہیت سے ناآشنا محض ہیں وہ تعجب کرینگے کہ کیونکر کروڑہا اور بے شمار
مخلوقات میں سے صرف ایک ہی شخص کو مرتبہ کاملہ خلافت تامہ حقہ کا جو ظل مرتبہ الوہیت ہے
حاصل ہو سکتا ہے ۔ سو اگرچہ اس بحث کے طول دینے کا یہ موقع نہیں ہے لیکن تاہم اسقدر
بیان کر دینا طالب حق کے سمجھانے کے لئے ضروری ہے کہ عادت اللہ یا تم یوں ہی سمجھ لو کہ اُس کا ۱۸۹
قانون قدرت جو اُس کی صفت وحدت کے مناسب حال ہے یہی ہے کہ وہ بوجہ واحد ہونے کے اپنے
افعال خالقیت میں رعایت وحدت کو دوست رکھتا ہے ۔ جو کچھ اُس نے پیدا کیا ہے اگر ہم اس

صرف رسول اللہ صلعم کو خلافت تامہ حقہ جو ظل مرتبہ الوہیت ہے حاصل ہو سکتی ہے +

کرتے ہیں وہ بھانڈا یک بارگی پھوٹ گیا - اب بھی اگر ماسٹر صاحب کو وید کے زیادہ تر
پردہ ظاہر کرانے کا شوق ہے اور نہیں چاہتے کہ اس کے عیوب عام لوگوں سے چھپے رہیں
تو جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں یہی طریق عمدہ ہے کہ اس نہایت دقیق اور لطیف بحث
کے بارہ میں الگ الگ رسالے لکھے جائیں یعنے میں الگ ایک رسالہ مستقلہ علم روح
کے بارہ میں لکھوں اور ماسٹر صاحب الگ لکھیں اور ہم دونوں فریق جیسا کہ بیان ہو
چکا ہے اپنی اپنی الہامی کتابوں کی ہر یک دلیل اور دعویٰ کے بیان کرنے میں پابند
رہیں اور میں قسمیہ بیان کرتا ہوں کہ میں ماسٹر صاحب کی تحریک پر رسالۃ الروح لکھنے
کو طیار اور مستعد ہوں مگر انہیں شرائط سے جو اس رسالہ میں اندراج پا چکی ہیں ماسٹر
صاحب بُرا نہ مانیں میں سچ سچ کہتا ہوں بالکل سچ جس میں ذرا مبالغہ کی آمیزش نہیں
کہ قرآن شریف نے جسقدر خوبی اور عمدگی اور صفائی اور سچائی سے روحوں کے خواص اور
انکی قوتیں اور طاقتیں اور استعدادیں اور اُنکے دیگر کوائف عجیبہ بیان کئے ہیں اور پھر
ان سب بیانات کا ثبوت دیا ہے وہ ایسا عالی اور باریک اور پُر حکمت بیان ہے اور
ایسے کامل درجہ کی وہ صداقتیں ہیں کہ اگر وید کے چاروں رشی دوبارہ جنم لیکر بھی دنیا میں
آویں اور جہانتک ممکن ہو خوض اور فکر سے زور لگاویں تب بھی یہ مقام وسعت علمی اور یہ
معارف عالیہ اُنہیں میسر نہیں آسکتے اگرچہ فکر کرتے کرتے مر ہی جاویں۔ غصہ منانے
کی کیا بات ہے اور ناراض ہونے کا کونسا محل - ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے - آؤ وید
اور قرآن کا مقابلہ کر کے دیکھ لیں - اِن دونوں کتابوں کی طاقت علمی آزمالیں - دیکھو
ہم محض سچائی کی راہ سے دونوں فریق میں سے اُس فریق پر لعنت کرتے ہیں کہ جواب
حق پوشی کی راہ سے اس بحث سے گریز کر جائے اور ادھر اُدھر کے بہانوں سے یا بیجا
عذروں سے بات کو ٹال دے - مگر یاد رہے کہ اس بحث میں کسی دلیل یا دعوے

بقیہ حاشیہ :- کی طرف نظر غور سے دیکھیں تو اس ساری مخلوقات کو جو اُس
دست قدرت سے صادر ہوئی ہے ایک ایسے سلسلہ وحدانی اور باترتیب رشتہ میں منسلک
پائینگے کہ گویا وہ ایک خط مستقیم ممتد محدود ہے جسکی دونوں طرفوں میں سے ایک طرف ارتفاع
اور دوسری طرف انخفاض ہے اس طرح پر طرفِ ارتفاع طرفِ انخفاض اس قدر بیان میں تو ایک موٹی سمجھ کا

میں وید کی شرتی سے باہر نہ جاتا ہوگا جیسا کہ ہم بھی آیات قرآن شریف سے باہر نہ جائینگے اور یہ بھی آپ پر
لازم ہوگا کہ ہر یک شرتی ٹھیک ٹھیک سنسکرت کی زبان میں گو فارسی خط میں مع اسکے لفظی ترجمہ و پتہ ونشان کے تحریر ۱۸۷
کریں اور انہیں باتوں کا التزام آیات قرآنی کے بیان کرنے میں ہم پر بھی واجب ہوگا +

قولہ:- ایک دو خواص مرزا صاحب نے روحوں کے لکھے ہیں مثلاً پوشیدہ باتوں کے دریافت کرنے کی طاقت پیدا کر لینا جس کا مرزا صاحب خود بھی دعویٰ کرتے ہیں اور آجتک کوئی نہیں دکھلایا +

اقول:- یہ برکات مکاشفات و مکالمہ و مخاطبہ الہی وغیرہ خوارق صراط مستقیم پر چلنے سے بیشک خدا تعالیٰ کی طرف سے فرمان بردار روحوں کو اصلی و اجلی طور پر عطا کی جاتی ہیں۔ ۱۸۸
اور جو کچھ راقم رسالہ ہذا پر پیشگوئیاں منجانب اللہ ظاہر ہوئی ہیں ان میں سے قریب بستر پیش گوئیوں کے گواہ تو خود آریہ سماج والے ہیں جو آپکے بھائی بند قادیان میں رہتے ہیں بلکہ آپ بھی تو انہیں میں داخل ہیں دلیپ سنگھ کے ابتلا کا حال جو آپ نے پیش از وقوع اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں پڑھ لیا تھا اور پھر میری زبانی بھی ایک مجمع عام میں جس میں کئی ہندو صاحب آپکے رفیق بھی شامل تھے سُن لیا تھا یہ تازہ ماجرا امید نہیں کہ اسقدر جلد تر عرصہ میں آپکو بھول گیا ہو اب آپ ذرا بیدار ہو کر دیکھیں کہ یہ پیش گوئی کیسی ہو بہو پوری ہوگئی اور دلیپ سنگھ کو قصد سفر پنجاب میں کیا کچھ غم و غصہ و تلخی و رنج اٹھانا پڑا اور کیسے وہ ناکامی سے خفیف کر کے واپس لُٹایا گیا کیا آپ حلف اٹھا کر کہہ سکتے ہیں کہ ۱۸۸
آپ کو پیش از وقوع دلیپ سنگھ کے ابتلا کی خبر نہیں دی گئی۔ کیا آپ قسم کھا کر بیان کر سکتے ہیں کہ آپکو جلسہ عام میں یہ نہیں بتلایا گیا کہ وہ فقرہ اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء جس میں لکھا ہے کہ ایک امیر نووارد پنجابی الاصل کی نسبت متوحش خبریں اُس سے مراد دلیپ سنگھ ہی ایسا ہی یہ خبر جا بجا صدہا ہندوؤں اور مسلمانوں کو جو پانچ سو سے کسی قدر زیادہ ہی ہونگے کئی شہر دن

دلیپ سنگھ کی بابت پیشگوئی +

بقیہ حاشیہ:- آدمی بھی میرے ساتھ اتفاق رائے کر سکتا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور دایرۂ انسانیت میں بہت سی متفاوت اور کم و بیش استعدادیں پائی جاتی ہیں کہ اگر کمی بیشی کے لحاظ سے انکو ایک با ترتیب سلسلہ میں مرتب کریں تو بلا شبہ اُس سے ایک ہی ۱۸۹
خط مستقیم محدود کی صورت نکل آئیگی جو اوپر ثبت کیا گیا ہے۔ طرف ارتفاع کے اخیر نکتہ پر

میں پیش از وقوع بتلائی گئی تھی اور اشتہارات ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء بھی دور دور ملکوں
تک تقسیم کئے گئے تھے پھر آخر کار جیسا کہ پیش از وقوع بیان کیا گیا اور لکھا گیا تھا وہ سب باتیں
دلیپ سنگھ کی نسبت پوری ہوگئیں اور یہ پیش گوئی ایسے وقت میں یعنے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء
میں لکھی گئی اور شہرت دی گئی کہ جب دلیپ سنگھ کی پنجاب میں بالضرور آجانے
کی ایک دہوم مچی ہوئی تھی اور بعض دوست اور بہائی بند اسکی اسی خیالی خوشی
میں پیشوائی کے لئے بمبئی تک بھی جا پہنچے تھے سو یہ پیش گوئی کروڑہا شخصوں کے
خیالات کے مخالف اور حالات موجودہ کے برعکس کی گئی اور سب نے دیکھ لیا کہ
کیسی ٹھیک ٹھیک ظہور میں آئی اب فرمائیے آپکا یہ کہنا کہ آج تک کوئی پیش گوئی
ہم نے نہیں دیکھی جھوٹ ہے یا نہیں اسی طرح صاحب اخبار عام لاہور کی خدمت
میں بھی عرض کیا جاتا ہے کہ جو کچھ انہوں نے اپنے پرچہ ۲۱ جولائی ۱۸۸۶ء میں
اس پیش گوئی کے انکار میں لکھا ہے اس کے پڑہنے سے ہمیں ان کے تعصب اور
نافہمی پر بہت ہی افسوس آتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء سے بہت
عرصہ پہلے دلیپ سنگھ صاحب کا عزم ہندوستان کو خاص وعام میں مشہور ہوچکا تھا مگر افسوس
کہ انہوں نے نہیں سمجھا کہ اس مشہوری سے پیش گوئی کے مضمون کو کیا تعلق ہے بلکہ
پیش گوئی کا مضمون تو صرف اس بات سے مخصوص ہے کہ دلیپ سنگھ صاحب کو
قصد پنجاب میں ناکامی ہے اور انکی عزت یا جان یا آسایش پر اس سفر میں صدمہ
پہنچیگا اب منصفین خیال کریں کہ اخبار عام لاہور کی یہ نکتہ چینی پیش گوئی پر کیا اثر پہنچا سکتی
ہے اور ان کا انصاف اور فہم جو منصب اخبار نویسی کے لئے ایک ضروری شرط
ہے کس درجہ کا ہے افسوس کہ بہت لوگ حسد اور عناد کے اشتعال میں پڑ کر حقیقت
حال کو نہیں سوچتے جیسا کہ انہیں پیشگوئیوں کے متعلق ایک صاحب پنڈت لیکھرام
نے ناحق اپنا اندرونی بخل اور ناانصافی اور ہٹ دہرمی ظاہر کرنے کے لئے جابجا

بقیہ حاشیہ وہ اس استعداد کا انسان ہوگا جو اپنی استعداد انسانی میں سب نوع
انسان سے بڑھ کر ہے۔ اور طرف انخفاض میں وہ ناقص الاستعداد روح ہوگی جو اپنے غایت درجہ
کے نقصان کی وجہ سے حیوانات لایعقل کے قریب قریب ہے اور اگر سلسلہ جمادی کی طرف نظر

اشتہارات شایع کئے اور این جانب پر یہ الزام رکھا کہ گویا ہم نے کسی اشتہار میں یہ
پیش گوئی کی تھی کہ وہ لڑکا موصوف بصفات جس کا اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں
ذکر ہے ضرور حمل موجودہ میں ہی پیدا ہو جائیگا ہرگز اُس سے تخلف نہیں کریگا وہ ظہور
میں نہیں آئی حالانکہ ایسا اور اِن شرائط سے کوئی اشتہار اِس طرف سے شایع نہیں
ہوا اور اگر ہے تو کیوں پیش نہیں کیا حقیقت حال تو یہ ہے کہ آنکھوں کی نابینائی کچھ ضرر
نہیں کر سکتی بلکہ دلوں کی نابینائی جو تعصب کے بخارات سے پیدا ہوتی ہے وہی ضرر
کرتی ہے یہ شخص جس کا نام ہم نے ابھی بیان کیا ہے اِس نے چالیس دن تک بھی ہماری ١٩٠
آزمائش کے لئے ہماری صحبت میں رہنا منظور نہیں کیا حالانکہ اِن پنڈت صاحب کو تنخواہ
دینا بھی قبول کیا گیا تھا اِن صاحبوں کو بجز دشنام دہی اور بد زبانی اور آلائش کی
باتوں کے جو اِنکے اندر بھری ہوئی ہیں اور کوئی حرف صلاحیت و معقولیت یاد نہیں
اگر اب بھی یہ صاحب چالیس دن تک ہمارے پاس رہنا منظور کریں اور ہم الہامی پیش
گوئیوں میں جھوٹے نکلیں تو جو ذلیل تر سزا تجویز کیجائے اُسی کے ہم لایق ہیں ورنہ
چوٹی کٹانا اور مسلمان ہونا اُن پر واجب ہوگا۔ ماسوا اِس کے جو کچھ ہمارا دعویٰ پیش گوئیوں
کی نسبت ہے وہ ایسا نہیں ہے کہ صرف ایک دو پیش گوئیوں سے اُس کا ثبوت دیا جاتا
ہے بلکہ اس دعویٰ کے اثبات کے بارے میں عنقریب رسالہ سراج منیر بفضل خداوند
قدیر چھپ کر شایع ہونے والا ہے اور وہ تمام رسالہ الہامی پیش گوئیوں پر مشتمل ہے
تب سب لوگ دیکھ لیں گے کہ جو کچھ ہمارے مخالفیں ہماری نسبت طرح طرح کی
رائیں لگاتے ہیں اُنکی کیا اصلیت و حقیقت ہے ہم اُس رسالہ میں مرزا امام الدین

مرزا امام الدین کی نسبت پیشگوئی

جو ہماری برادری میں سے ہے اور دین اسلام سے مرتد ہے اور اب آریہ سماج میں
داخل ہو گیا ہے اُس کی نسبت بھی کئی پیش گوئیاں لکھیں گے ہم یہ آج بھی جو تیسری
اگست ۱۸۸۶ء ہے منجانب اللہ اُس کی نسبت معلوم ہوا ہے کہ اگر وہ توبہ نہ کرے
تو اُس کی بیراہیوں کا وبال جلد تر اُسے درپیش ہے اور اگر یہ معمولی رنجوں میں ہی کوئی ١٩١

بقیہ حاشیہ ذاکر دیکھیں تو اِس قاعدہ کو اور بھی اُس سے تائید پہنچتی ہے
کیونکہ خدا تعالیٰ نے چھوٹے سے چھوٹے جسم سے جو ایک ذرہ ہے لیکر ایک بڑے سے
بڑے جسم تک جو آفتاب ہے اپنی صفت خالقیت کو تمام کیا ہے اور بلاشبہ خدا تعالیٰ نے

رنج ہو تو اس کو پیش گوئی کا مصداق مت سمجھو لیکن اگر ایسا رنج پیش آیا جو کسی کے خیال
گمان میں نہیں تھا تو پھر سمجھنا چاہئے کہ یہ مصداق پیش گوئی ہے لیکن اگر وہ باز آنے
والا ہے تو پھر بھی انجام بخیر ہوگا یا تنبیہ کے بعد راحت پیدا ہو جائیگی۔ اور یہ دعوی
ہمارا بالکل صحیح اور نہایت صفائی سے ثابت ہے کہ صراط مستقیم پر چلنے سے طالب
صادق الہام الٰہی پا سکتا ہے کیونکہ اول تو اس پر تجربہ ذاتی شاہد ہے ماسوائے اس کے
ہریک عاقل سمجھ سکتا ہے کہ اس دنیا میں اس سے بڑھ کر اور کوئی معرفت الٰہی کا
اعلیٰ رتبہ نہیں ہے کہ انسان اپنے رب کریم جل شانہٗ سے ہم کلام ہو جائے یہی درجہ
ہے جس سے روحیں تسلی پاتی ہیں اور سب شکوک و شبہات دور ہو جاتے ہیں اور
اسی درجہ صافیہ پر پہنچکر انسان اُس دقیقہ معرفت کو پالیتا ہے جس کی تحصیل کے لئے وہ
پیدا کیا گیا ہے اور اصل نجات کی کنجی اور ہستی موہوم کا عقدہ کشا یہی درجہ ہے جس
سے ثابت ہوتا ہے اور کھل جاتا ہے کہ خالق حقیقی کو اپنی مخلوق ضعیف سے کس قدر
قرب واقعہ ہے اس درجہ تک پہنچنے کی خبر ہمیں اُسی نور نے دی ہے جس کا نام قرآن
ہے وہ نور صاف عام طور پر بشارت دیتا ہے کہ الہام کا چشمہ کبھی بند نہیں ہو سکتا جب
کوئی مشرق کا رہنے والا یا مغرب کا باشندہ دلی صفائی سے خدا تعالیٰ کو ڈھونڈھیگا اور
اس سے پوری پوری صلح کریگا اور درمیان کے حجاب اُٹھائے گا تو ضرور اُسے پائیگا ۱۹۲
اور جب واقعی اور سچے اور کامل طور پر پائیگا تو ضرور خدا اُس سے ہم کلام ہوگا۔ مگر
ویدوں نے انسان کے اس درجہ تک پہنچنے سے انکار کیا ہے اور صرف چار رشیوں
تک جو ویدوں کے مصنف ہیں (بقول آریہ سماج والوں کے) اس درجہ کو محدود
رکھا ہے یہ ویدوں کی ایسی ہی غلطی ہے جیسے اور بڑی بڑی غلطیوں سے وہ پر ہے یہ

معرفت الٰہی کا اعلیٰ رتبہ اللہ جل شانہٗ سے ہمکلام ہونا ہے۔

بقیہ حاشیہ:۔ اس جمادی سلسلہ میں آفتاب کو ایک ایسا عظیم الشان اور نافع
اور نیز برکت وجود پیدا کیا ہے کہ طرف ارتفاع میں اس کے برابر کوئی دوسرا ایسا وجود نہیں ۱۹۳
ہے سو اس سلسلہ کے ارتفاع اور انخفاض پر نظر ڈالکر جو ہر وقت ہماری آنکھوں کے سامنے
ہے روحانی سلسلہ جو اسی ہاتھ سے نکلا ہے اور اسی عادت اللہ سے ظہور پذیر ہوا ہے
خود بلا تامل سمجھ میں آتا ہے کہ وہ بھی بلا تفاوت اسی طرح واقع ہے اور یہی ارتفاع اور انخفاض

یہ بات ظاہر ہے کہ سب بنی آدم متحد الفطرت ہیں اور جو بات ایک آدمی کے لئے ممکن ہے وہ سب کے لئے ممکن ہے اور جو قرب و معرفت ایک فرد بشر کیلئے جائز ہے وہ سب کیلئے جائز ہے کیونکہ وہ سب اصل طینت میں ایک ہی جوہر سے ہیں ہاں کمالات میں کمی بیشی ہے مگر جنس کمالات میں سرے سے جواب تو نہیں اور اگر کوئی ایسا شخص ہو کہ اُسیں تحصیل کمالات انسانی کے ایک ذرہ بھی استعداد نہ ہو تو وہ خود انسان ہی نہیں ہو سکتا غرض تھوڑے بہت کا تو انسانی استعدادوں میں فرق ضرور ہوتا ہے مگر انسان ہو کر یک لخت فقدان استعداد نہیں ہو سکتا بھلا ہم پوچھتے ہیں کہ ہندؤں کے ایشر کو ویدوں کے اُتارنے سے مقصد اور علت غائی کیا ہے اگر یہ مقصد ہے کہ تا لوگ ویدوں کو پڑھ کر اور اُنکے ٹھیک ٹھیک پابند ہو کر اپنے کمال مطلوب تک پہنچ جائیں تو پھر اس کمال تک پہنچنے کا راہ کیوں آپ ہی بند کرتا ہے اگر اُن رشیوں کا وجود جن پر وید نازل ہوئے تھے بطور
۱۹۳ نمونہ کے نہیں تھا کہ تا لوگ اُسی نمونہ کے موافق ویدوں پر چلنے سے اپنے وجودوں کو بنالیں تو ایسے رشیوں کے بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی یہ بات ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی کتابیں اور خدا تعالیٰ کے نبی اسی غرض اور مدعا سے آیا کرتے ہیں کہ تا وہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے نمونہ کی طرح ہو کر اُنکو یہ ترغیب و تحریک دیں کہ جو شخص اُن کے نقش قدم پر چلے اور اُنکے طریق میں محو ہو جائے وہ آخر اُنہیں کا روپ ہو جائیگا اور اُنہیں کے رنگ میں آجائیگا لیکن اگر ہندؤں کے پرمیشر نے ایسا ارادہ ہی نہیں کیا کہ اُن چار رشیوں کے رنگ سے جو نمونہ کے طور پر بھیجے گئے تھے کوئی طالب حق رنگین ہو جائے تو پھر یہ کام اُنکے پرمیشر کا سراسر بیہودہ اور فضول ہوگا اس جگہ اس سوال کے کرنے کی کچھ ضرورت نہیں کہ اگر ہندؤں کے پرمیشر نے ویدوں کو تکمیل نفوس ناقصہ کے لئے بھیجا تھا تو ویدوں نے نازل ہو کر کس قدر خلقت کو کمال کے درجہ تک پہنچایا ہے کیونکہ اس بارے میں ہندو لوگ آپ ہی قایل ہیں کہ کسی شخص کو ویدوں نے مرتبۂ کمال تک نہیں پہنچایا۔ ظاہر ہے کہ کیفیت و حقیقت

سب بنی آدم متحد الفطرت ہیں ہاں کمالات میں کمی بیشی ہو

انبیاء کے آنے کی غرض لوگوں کو اپنا ہم رنگ بنانا ہوتی ہے +

بقیہ حاشیہ:- اس میں بھی موجود ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے کام یکرنگ اور یکساں ہیں اس لئے کہ وہ واحد ہے اور اپنے اصدار افعال میں وحدت کو دوست رکھتا ہے پریشانی اور اختلاف اُس کے کاموں میں راہ نہیں پاسکتا اور خود یہ کیا ہی پیارا اور موزوں طریق معلوم ہوتا ہے

کمال کی ہندوؤں کے پرمیشر کے نزدیک یہی ہے جس کا نمونہ اُس نے ویدوں کے رشیوں میں قایم کیا تھا اور وہ یہی ہے کہ بزعم آریہ لوگوں کے اُن رشیوں کو الہام الٰہی سے سرافراز فرمایا گیا اب جبکہ کمال معرفت کی حقیقت یہ ٹھہری اور دوسری طرف اُن کے
۱۹۴ پرمیشر نے یہ بھی صاف صاف سُنا دیا کہ کوئی شخص ابدالآباد تک بجز چار رشیوں کے الہام نہیں پا سکتا تو یہ عجیب اوباشانہ کارروائی ہے بھلا اگر کوئی ان چار رشیوں کی پیروی سے اُنکا رنگ و بوئے حاصل نہیں کر سکتا تو پھر ایک عقلمند ویدوں کے ماننے اور اُن پر عمل کرنے میں کیوں ناحق کی ٹکریں مارے یہ کس قسم کی رندانہ حرکت ہے جو ہندوؤں کے پرمیشر سے ظہور میں آئی کہ اوّل چار رشیوں کو نمونہ کے طور پر بھیجا تا لوگ اُس نمونہ کے موافق چل کر اُن رشیوں کے ہمرنگ ہو جائیں اور وہی نعمت حاصل کرلیں جو ان کو دی گئی تھی اور پھر دوسری طرف یہ بھی سُنا دیا کہ یہ بات ہرگز ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص ان رشیوں کے رنگ میں آکر الہام پانے کا لائق ٹھہر جائے۔ ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اگر وید کمال مطلوب تک کسی کو نہیں پہنچا سکتے تو پھر اُنکا بھیجا جانا بالکل عبث اور بیہودہ ہوا اور بجز اس بداثر کے کہ کروڑہا آدمیوں کو انکی پُرشرک تعلیم نے مشرک بنا دیا اَور کونسا نیک ثمرہ ہے جو اُن کے آنے سے مترتب ہوا اور وہ چار
۱۹۶ آدمی جن پر آریوں کے خیال میں وید نازل ہوئے وہ بھی درحقیقت ویدوں کے ممنون احسان نہیں ہو سکے بلکہ وہ بقول آریہ لوگوں کے کسی پہلے جنم کے اعمال کی باعث الہام پانے کے لائق ٹھہر گئے تھے۔

قولہٗ:- رہا باقی دوسری صفات کا ذکر بیشک وہ جیو میں تخم کی طرح موجود ہیں جو بغیر خدائیتعالیٰ کی کاریگریوں کے (جن کا مرزا صاحب جوڑنا جاڑنا نام رکھتے ہیں) بالکل نہ ہونے کے برابر ہیں۔

بقیہ حاشیہ:- کہ خدائیتعالیٰ کے کام باقاعدہ اور ایک ترتیب سے اور ایک سلک میں منسلک ہوں۔

۱۹۶ ۱۵ اب جبکہ ہم نے ہر طرح سے ثبوت پاکر بلکہ بہ بداہت دیکھ کر خدائیتعالیٰ کے اِس قانون قدرت کو مان لیا کہ اُس کے تمام کام کیا رُوحانی اور کیا جسمانی پریشان اور مختلف طور پر نہیں ہیں جن میں یوں ہی گڑبڑ پڑی ہو بلکہ ایک حکیمانہ ترتیب سے مرتب اور ایک ایسے باقاعدہ سلسلہ میں بندھے

اقول میں کہتا ہوں کہ جو خاصیتیں اور قوتیں باقرار ماسٹر صاحب روحوں میں ضرور موجود ہیں گو بزعم اُنکے بیج کی طرح ہی سہی مگر وہ موجود ہو کر معدوم کے برابر کیوں ہیں اسکی وجہ بھی تو کوئی بیان کی ہوئی کیا وہ قوتیں اور خاصیتیں روحوں میں بیفائدہ طور پر ہیں جن کے وجود سے پرمیشر کو جوڑنے جاڑنے کے وقت کچھ مدد نہیں ملی۔ ظاہر ہے کہ پرمیشر کو اُن خاصیتوں اور عجیب قوتوں سے جوڑنے جاڑنے کے وقت بڑی بھاری مدد ملی جس نے پرمیشر کا نام رکھ لیا اور اُس کا پرمیشر پن ثابت کر دکھایا اور اگر وہ خاصیتیں روحوں میں نہ ہوتیں تو بتلاؤ کہ پرمیشر کر کیا سکتا تھا کونسی روحانی خاصیت اپنے گھر سے لاتا اور کیونکر ایک بیجان جسم کو ایک زندہ انسان بنا کر دکھلاتا بھلا ننگی نہائی کیا اور نچوڑے گی کیا۔ یہ تو روحوں کا اُسپر سراسر احسان ہے جو بنے بنائے اور گھڑے گھڑائے معہ تمام اپنی عجیب خاصیتوں اور قوتوں کے اُسکے ہاتھ آ گئے قسمت اچھی تھی مفت کا نام ہو گیا پرمیشر بن بیٹھا ورنہ غور کرنے والی عقلوں پر ظاہر ہے کہ جوڑنا جاڑنا بغیر اُن عجیب خواص اور طاقتوں کے جو روحوں اور مادوں میں پائی جاتی ہیں کچھ چیز نہیں ہیں بلکہ اگر وہ خواص روحوں اور مادوں میں پائے نہ جاویں تو ممکن ہی نہیں کہ ہندوؤں کے پرمیشر سے جوڑنے جاڑنے کا کام بھی انجام پذیر ہو سکے مثلاً اگر جسموں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں ایک اتصالی قوت نہ پائی جائے جسکو قوت کشش اتصال کہتے ہیں تو ہندوؤں کے پرمیشر کو ہرگز یہ طاقت نہیں ہے کہ کم سے کم دو ذرّوں میں بھی پیوند کر کے دکھلا دے اسی طرح جو جوڑنے جاڑنے میں روحانی خواص نمایاں ہوتے ہیں اُن میں بھی ہندوؤں کے پرمیشر کی ہرگز مجال نہیں ہے کہ بغیر حیات و مدد روحوں اور انکی عجیب خاصیتوں اور صفتوں کے جن کو ماسٹر صاحب بیج کی طرح خیال کرتے ہیں کوئی صنعت بنا کر دکھلا سکے۔ یہ بات تو نہایت درجہ پر ظاہر ہے کہ

اگر روحوں اور مادوں میں خواص نہوں تو پرمیشر انکو جوڑ جاڑ بھی نہیں سکتا۔

بقیہ حاشیہ:- ہوئے ہیں جو ایک ادنیٰ درجہ سے شروع ہو کر انتہائی درجہ تک پہنچتا ہے اور یہی طریق وحدت اُسے محبوب بھی ہے تو اس قانونِ قدرت کے ماننے سے ہمیں یہ بھی ماننا پڑا کہ جیسے خدا تعالیٰ نے جمادی سلسلہ میں ایک ذرہ سے لیکر اس وجودِ اعظم تک یعنے آفتاب تک نوبت پہنچائی ہے جو ظاہری کمالات کا جامع ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی

ایسے پرمیشر کی جس نے نہ روحوں اور نہ اُن کے خواص کو پیدا کیا اور نہ ذرات اجسام اور اُن کی خاصیتوں کو خلعت وجود بخشا صرف جوڑنے جاڑنے میں کچھ بھی ہینگ پھٹکری خرچ نہیں آتی بلکہ خواص پہلے ہی جدا جدا چیزوں میں کچھ پوشیدہ تھے وہ باہم روح اور جسم کے ملنے سے خود بخود نمایاں طور پر نظر آجاتے ہیں کیونکہ اُن میں پہلے ہی سے یہ خاصیت چھپی ہوئی ہوتی ہے کہ باہم ملنے سے خواہ نخواہ انکا ظہور ہو جاتا ہے جیسے دنیا کی لاکھوں چیزوں میں یہی خاصہ پایا جاتا ہے کہ اُنکے باہمی امتزاج اور اختلاط سے ایک عجیب قسم کا خاصہ پیدا ہو جاتا ہے کہ جو الگ الگ ہونے کی حالت میں مخفی و محجوب ہوتا ہے سو یہ بات ہرگز نہیں کہ جو شخص اُن دو چیزوں کو باہم ملاتا ہے وہ اپنے گھر سے ایک خاصہ لاکر اُن میں ڈال دیتا ہے بلکہ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے وہ دونوں چیزیں الگ الگ طور پر وہ خاصہ اپنے اندر رکھتی ہیں جو اُنکے اکٹھے ہو جانے سے وہ ظاہر ہو جاتا ہے مثلاً گھی اور شہد اور سوہاگہ میں یہ خاصیت ہے کہ ان تینوں کے ملانے سے یہ خاصہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر کسی کشتہ زر یا نقرہ وغیرہ کو جو بالکل خاکستر و خاک ہو گیا ہو اسمیں رکھکر بوتہ میں آگ دیجائے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے یعنے اپنی اصلی صورت سونا چاندی یا جو کچھ ہو قبول کر لیتا ہے پس یہ خاصیت جو ان تینوں جزوں کی ترکیب سے کشتہ کے زندہ کرنے کے لئے پیدا ہو جاتی ہے یہ ایسی خاصیت ہے کہ خواہ ہندوؤں کا پرمیشر ان تینوں چیزوں کو باہم ملاوے اور خواہ ایک دس برس کا بچہ انکو باہم مخلوط کرے دونوں کے ہاتھوں سے یہ خاصیت پیدا ہو گی یہ نہیں کہ ضرور پرمیشر کے ہاتھ سے ہی پیدا ہو اور دوسرے کسی شخص کے ہاتھ سے پیدا نہ ہو سکے روحوں میں بہت سے خواص اور عجیب طاقتیں اور استعدادیں

بقیہ حاشیہ :- جسم جمادی نہیں ایسا ہی روحانی آفتاب بھی کوئی ہو گا جس کا وجود خط مستقیم مثالی میں ارتفاع کے اخیر نقطہ پر واقعہ ہو اب تفتیش اس بات کی کہ وہ انسان کامل جس کو روحانی آفتاب سے تعبیر کیا گیا ہے وہ کون ہے اور اس کا کیا نام ہے یہ ایسا کام نہیں ہے جس کا تصفیہ مجرد عقل سے ہو سکے کیونکہ بجز خدا تعالیٰ کے یہ امتیاز کس کو حاصل ہے اور کون مجرد عقل سے ایسا کام کر سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے کروڑہا اور بے شمار بندوں کو نظر کے سامنے

پائی جاتی ہیں جنکو قرآن شریف نے استیفا سے ذکر کیا ہے مثلاً اُن میں چند قوتیں اور استعدادیں یہ ہیں جو ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔

روحوں کی چند قوتوں اور استعدادوں کا ذکر +

(۱) علوم اور معارف کی طرف شایق ہونے کی ایک قوّت۔
(۲) علوم کو حاصل کرنے کی ایک قوّت۔
(۳) علوم حاصل کردہ کے محفوظ رکھنے کی ایک قوت۔ ۱۹۸
(۴) محبّت الٰہی کی ایک قوّت۔
(۵) لذّت وصال الٰہی اُٹھانے کی ایک قوت۔
(۶) مکاشفات کی ایک قوت۔
(۷) موثر اور متاثّر ہوتے کی یا یوں کہو کہ باہم عامل اور معمول ہونے کی ایک قوّت۔
(۸) تعلق اجسام قبول کرنے کی ایک قوّت۔
(۹) تخلق باخلاق اللہ کی ایک قوت۔
(۱۰) مورد الہام الٰہی ہونے کی ایک قوت۔
(۱۱) بسطی و قبضی حالت پیدا ہوتے کی ایک قوّت۔
(۱۲) معارف غیر متناہیہ کے قبول کرنے کی ایک قوت۔
(۱۳) رنگین برنگ تجلی الوہیت ہونے کی ایک قوّت۔
(۱۴) عقلی قوت جس سے امتیاز حسن و قبح اُن پر ظاہر ہوتا ہے۔
(۱۵) القائے اثر و قبول اثر کی ایک قوت بمقابلہ اپنے اجسام متعلقہ کے۔

بقیہ حاشیہ:- رکھ کر اور اُن کی روحانی طاقتوں اور قوتوں کا موازنہ کرکے سب سے بڑے کو الگ کرکے دکھلا دے بلاشبہ عقلی طور پر کسی کو اس جگہ دم مارنے کی جگہ نہیں ہاں ایسے بلند اور عمیق دریافت کے لئے کُتب الہامی ذریعہ ہیں جن میں خود خدا تعالیٰ نے پیش از ظہور بلکہ ہزار ہا برس پہلے اس انسان کامل کا پتہ و نشان بیان کر دیا ہے پس جس شخص کے دل کو خدا تعالیٰ اپنی توفیق خاص سے اس طرف ہدایت دیگا کہ وہ الہام اور وحی پر ایمان لاوے اور اُن پیش گوئیوں پر غور کرے کہ بائبل میں درج ہیں تو اُسے ضرور ماننا پڑیگا کہ ۱۹۸ وہ انسان کامل جو آفتاب روحانی ہے جس سے نقطہ ارتفاع کا پورا ہوا ہے اور جو دیوار نبوت

(۱۶) اقرار بوجود خالق حقیقی کی ایک قوت۔ ۱۹۹
(۱۷) اجسام کے ساتھ اور اُن کے اشکال خاصّہ کے ساتھ ملکر بعض نئے خواص کے
ظاہر کرنے کی قوّت۔
(۱۸) ایک قوت کشش باہمی جس کو مقناطیسی قوت کہنا چاہیئے +
(۱۹) ابدی طور پر قایم رہنے کی ایک قوّت۔
(۲۰) جسم مفارق کی خاک سے ایک خاص تعلق رکھنے کی قوت جو کشفی طور پر ارباب
کشف قبور پر ظاہر ہوتی ہے۔

ایسا ہی اور بھی بہت سی ایسی قوتیں ہیں جنکا مفصل بیان نہایت لطافت
اور خوبی سے قرآن شریف میں مندرج ہے اور ہم کو اگر شرطی رسالہ کے لکھنے کا موقع
ملا تو ہم ان سب قوتوں اور روحانی خواص کو بحوالہ آیات بینات قرآنی معقول اور
مفصل اور مدلّل طور پر اُسی رسالہ میں جو وید اور قرآن کے موازنہ کی غرض سے ہوگا
درج کرینگے اب اس جگہ ہم مکرّر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ماسٹر صاحب کا یہ بیان
کہ یہ سب قوتیں روحوں میں بیج کی طرح موجود ہیں اور جب تک جسم کا روح کے
ساتھ تعلق نہ ہو تب تک انکا عدم و وجود برابر ہے اس بیان میں ماسٹر صاحب ۲۰۰
نے بڑا دھوکا کھایا ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ جو کچھ روحوں اور جسموں کے ملنے کے
بعد روحانی اور جسمانی خاصتیں وجود انسان میں چمکتی ہیں وہ گویا انکے پرمیشر کی
کاریگری سے ظہور پذیر ہوتی ہیں حالانکہ یہ خیال بالکل غلط اور نا معقول ہے
جو موٹی سمجھ سے پیدا ہوا ہے بلکہ اصل بات تو وہی ہے جس کو ہم پہلے تحریر کر چکے
ہیں کہ جو مخفی طور پر روحوں اور جسموں میں الگ الگ خواص پائے جاتے ہیں وہی
باہم ترکیب اور امتزاج سے نمایاں ہو جاتے ہیں اور حالت تعلق جسم و روح تک

بقیہ حاشیہ:- کی آخری اینٹ ہے وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ
علیہ وسلم ہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اب بھی مکرر ظاہر کرتے ہیں کہ انسان کامل خدا تعالیٰ ۱۹۹
کی ذات کا نمونہ ہے۔ خدا تعالیٰ دوسرا خدا ہرگز نہیں پیدا کرتا کہ یہ بات اسکی صفت احدیث
کے مخالف ہے ہاں اپنی صفات کمالیہ کا نمونہ پیدا کرتا ہے اور جس طرح ایک مصفّا اور وسیع شیشہ میں

قائم رہتی ہیں۔ یہ بات فی الحقیقت صحیح اور راست راست ہے جس کو میں بھی تسلیم کرتا ہوں
کہ جو خواص بعد ترکیب اور تعلق ارواح و اجسام ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ سب خواص
نہ مجرّد اجسام سے کھلے کھلے طور پر مترتب ہو سکتے ہیں نہ مجرّد ارواح سے بلکہ اُن کا
ظہور و بروز کامل طور پر اجسام و ارواح کے باہمی تعلق پر موقوف ہوتا ہے اور اسی
وجہ سے میں اس رسالہ میں اس سے پہلے تحریر کر آیا ہوں کہ ارواح کو اپنی سعادت
تامہ تک پہنچنے کے لئے عالم آخرت میں کوئی ابدی جسم ملنا ضروری ہے تا اُس
تعلق جسم کی وجہ سے وہ خواص کامل طور پر ظاہر ہو جائیں کہ جو مجرّد روحوں میں بدیں
٢٠١ صفائی و کمال ظاہر نہیں ہو سکتے مگر افسوس کہ اس ابدی تعلق جسم و روح کو وید نہیں
مانتا اور صرف روح کو جس میں بقول ماسٹر صاحب بجز تعلق جسم کوئی روحی خاصہ نمایاں
طور پر جلوہ پذیر نہیں ہو سکتا لذاتِ کاملہ نجات و وصال الٰہی کے اُٹھانے کے لئے
کافی سمجھتا ہے حالانکہ ابھی بیچارہ ماسٹر صاحب اقرار کر چکا ہے کہ روحانی صفات
بجز تعلق موجودہ جسم کے کسی قسم کی کمالیت ظاہر نہیں کر سکتیں اب وید کو کون سمجھاوے
اور دیانند کی روح تک اس خبر کو کون پہنچا دے تا وہ ماسٹر صاحب سے سبق لیکر
اپنے وید بھاش کی غلطیوں کو درست کر دیں +

بقیہ حاشیہ:۔ صاحب روئت کی تمام و کمال شکل منعکس ہو جاتی ہے ایسا ہی
انسان کامل کے نمونہ میں الٰہی صفات عکسی طور پر آجاتے ہیں سو خدا تعالیٰ کا اس طرح پر اپنی
مثل قائم کرنا معترض کی تسلی کے لئے کافی ہے اس جگہ واضح رہے کہ اس انتہائی کمال کے
٢٠٠ وجود با جود کو خدا تعالیٰ کی کتابوں میں مظہر تام الوہیت قرار دیا گیا ہے اور چونکہ اس مطلب کو
کچھ زیادہ تفصیل سے لکھنا موجب افادہ طالبین ہے اس لئے ہم کسی قدر اور تحریر کرنا مناسب
سمجھتے ہیں +

اوّل ہم بیان کر چکے ہیں کہ صاحب انتہائی کمال کا جس کا وجود سلسلہ خط خالقیت میں انتہائی
نقطہ ارتفاع پر واقعہ ہے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور اُن کے مقابل پر وہ جس
وجود جو انتہائی نقطہ انخفاض پر واقعہ ہے اُسی کو ہم لوگ شیطان سے تعبیر کرتے ہیں اگرچہ بظاہر شیطان
٢٠١ کا وجود مشہود و محسوس نہیں لیکن اس سلسلہ خط خالقیت پر نظر ڈالکر اس قدر تو عقلی طور پر ضرور

میں نے پہلے سے اسی رسالہ میں درج کر دیا ہے کہ جو جو صفات خداوند کریم جل شانہٗ نے ارواح میں رکھے ہیں یا جو جو خاصیتیں ذرات اجسام میں مودع کی ہیں وہ اگرچہ بجائے خود الگ الگ بھی ثابت و متحقق ہیں مگر انکا ظہور بیّن اُسوقت ہوتا ہے اور اُن کے فوائد اُسوقت بطور اتم و اکمل کھلتے ہیں جس وقت جسم اور روح کا باہم تعلق ہوتا ہے اسکی مثال بھی اسی پہلے موقع میں میں نے یہ دی تھی کہ جیسے تصویر کو آئینہ میں رکھنے میں تصویر کا رنگ و روپ زیادہ تر نظر آجاتا ہے یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ آئینہ تصویر میں کوئی نقش بڑھا کر دکھا دیتا ہے بلکہ نقوش تو وہی ہوتے ہیں جو ہیں ہاں البتہ آئینہ میں وہ سب نقوش صاف طور پر نظر آجاتے ہیں ایسا ہی جو خواص ارواح میں ہیں ان کا آئینہ جسم اور جسمی شکلیں ہیں۔ اور جو خواص ذرّات اجسام میں ہیں اُنکا آئینہ ترکیب جسمی اور وہ روحیں ہیں جو اُنکے ساتھ تعلق پکڑتی ہیں اور درحقیقت ان چیزوں کا باہم آئینہ کا کام دینا یہ بھی ایک فطرتی خاصہ ہے اور اگر خدا تعالےٰ ارواح اور ذرات اور اجسام کا خالق نہیں تو اُس کو اِس خاصہ کے پیدا کرنے میں ذرا دخل نہیں کیونکہ خواص اشیاء کے تو خواہ نخواہ اپنے موقع پر ظہور میں آجاتے ہیں اور درحقیقت یہ خاصہ بھی اُنہیں خواص ارواح و اجسام میں سے ہے جنکو آریہ لوگ غیر مخلوق اور انادی کہتے ہیں لیکن اب ماسٹر صاحب اپنے پرمیشر کی پردہ پوشی کے لئے اُسپر یہ احسان کرنا چاہتے ہیں کہ تا اِس خاصہ کی پیدائش اُس کی طرف منسوب کی جائے سو یہ کسی طرح منسوب نہیں ہو سکتی پنڈت دیانند صاحب اپنے وید بھاش اور ستیارتھ پرکاش میں صاف اقرار کر چکے ہیں کہ نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی جو ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں وہ پیچھے سے کبھی نہیں

روح اور جسم کے باہم تعلق سے انکے فوائد بطور اتم و اکمل کھلتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ :۔ ماننا پڑتا ہے کہ جیسے سلسلہ ارتفاع کے انتہائی نقطہ میں ایک وجود خیر مجسّم ہے جو دنیا میں خیر کی طرف ہادی ہو کر آیا اسی طرح اُسکے مقابل پر ذوالعقول میں انتہائی نقطہ انخفاض میں ایک وجود شر انگیز بھی جو شر کی طرف جاذب ہو ضرور چاہیئے اسی وجہ سے ہر یک انسان کے دل میں باطنی طور پر بھی دونوں وجودوں کا اثر عام طور پر پایا جاتا ہے پاک وجود جو روح الحق اور نور بھی کہلاتا ہے یعنے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا پاک اثر بجذبات قدسیہ و توجہات باطنیہ ہر ایک دل کو خیر اور نیکی کی طرف بلاتا ہے جس قدر کوئی اُس سے محبت اور مناسبت

ہو سکتا۔ سو اگر یہ خاصہ پہلے الگ الگ دو چیزوں میں مخفی طور پر موجود نہیں تھا تو پھر بعد
میں کہاں سے آ گیا دنیا میں صدہا صورتیں ایسی پائی جاتی ہیں کہ اول دو چیزوں میں ۲۰۳
کوئی خاصیت چھپی ہوئی موجود ہوتی ہے اور پھر اُن دو چیزوں کے باہم ملا دینے سے
وہی خاصیت بڑی تیزی اور شوخی سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ دو دواؤں کی ترکیب سے
ایک نئی مزاج اور خاصہ کی دوا نکل آتی ہے مگر درحقیقت وہ مزاج اور خاصہ کچھ نیا
نہیں ہوتا بلکہ اُن دونوں دواؤں میں الگ الگ طور پر مخفی ہوتا ہے۔ ایسا ہی دو
رنگوں کے ملانے سے ایک نیا رنگ نکل آتا ہے مگر وہ درحقیقت نیا نہیں ہوتا بلکہ
ان دونوں رنگوں میں اس حالت علیحدگی میں چھپا ہوا ہوتا ہے ایسا ہی دو مختلف
مزہ کے طعام کو ملا کر تیسرا مزہ جو نیا دکھائی دیتا ہے نکل آتا ہے مگر وہ بھی درحقیقت
نیا نہیں ہوتا سو میں کہتا ہوں کہ اگر انہیں اجزاء متفرقہ و خواص متفرقہ کو ملا کر کوئی
مشترک خاصہ پیدا کرنا جو حقیقت میں پہلے ہی مخفی تھا پرمیشر ہونے کی نشانی ہے
تو پھر آریہ لوگ انگریزوں اور دوسرے یُوروپ کے صناع لوگوں کو کیوں سجدہ
نہیں کرتے اور انکو اپنا ایشر کیوں نہیں سمجھتے کیا ان لوگوں کے کام ایسے پرمیشر
کے مشابہ نہیں ہیں۔ کیا ان لوگوں نے بھی ہندوؤں کے پرمیشر کی طرح خواص
متفرق اشیاء عالم پر اطلاع پا کر صدہا صنعتیں نہیں نکالیں بلاشبہ نکالی ہیں اور ۲۰۴

بقیہ حاشیہ:۔ پیدا کرتا ہے اُسی قدر وہ ایمانی قوت پاتا ہے اور نورانیت
اس کے دل میں پھیلتی ہے یہاں تک کہ وہ اُسی کے رنگ میں آ جاتا ہے اور ظلّی طور پر اُن سب
کمالات کو پا لیتا ہے جو اُس کو حاصل ہیں اور جو وجود شر انگیز ہے یعنے وجود شیطان جس کا مقام
ذوالعقول کے قسم میں انتہائی نقطہ انخفاض میں واقع ہے اس کا اثر ہر یک دل کو جو اُس سے
کچھ نسبت رکھتا ہے شرک کی طرف کھینچتا ہے جس قدر کوئی اُس سے مناسبت پیدا کرتا ہے اسی
قدر بے ایمانی اور خباثت کے خیال اُس کو سوجھتے ہیں یہاں تک کہ جسکو مناسبت تام ہو جاتی ہے۔
وہ اُسی کے رنگ اور روپ میں آ کر پورا پورا شیطان ہو جاتا ہے۔ اور ظلّی طور پر اُن سب کمالات ۲۰۴
خباثت کو حاصل کر لیتا ہے جو اصلی شیطان کو حاصل ہیں اسی طرح اولیاء الرحمٰن اور اولیاء الشیطان
اپنی اپنی مناسبت کی وجہ سے الگ الگ طرف کھینچے چلے جاتے ہیں۔ اور وجود خیر مجسم جس کا نفسی نقطہ

ابتک ہریک پیشہ اور کارخانہ کے متعلق ہزار ہا جدید صنعتیں نکالتے جاتے ہیں سو اگر ہندؤں کے پرمیشر کا بھی اتنا ہی کام ہے کہ علم خواص اشیاء حاصل کرکے طرح طرح کی صنعتیں بمنصۂ ظہور لاوے تو پھر ان لوگوں اور ایسے پرمیشر میں صرف کمی بیشی علم کا فرق ہوگا اگر اِن لوگوں کو وہ اعلیٰ قسم کا علم معلوم ہوجائے تو یہ بھی ایک طور کے پرمیشر بن جائیں گے +

قولہ:- اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ خود بخود ہونیوالا کام پرمیشر کے کاموں سے بڑھ کر ہے تو اگر ایسا ہوا تو پرمیشر کی اسمیں کونسی ہتک ہوئی +

اقول:- سچ ہے آپکے پرمیشر کی عزت بڑی پکی ہے کسی قسم کی ہتک سے دور نہیں ہوسکتی - یہ ہمیں آج ہی معلوم ہوا کہ آپکا پرمیشر اس قسم کی درویشانہ سیرت رکھتا ہے کہ اگرچہ کروڑ ہا چیزیں اُس کے کاموں اور صنعتوں سے بڑھ چڑھ کر ہوں تب بھی اس کو اپنی کسرشان کی کچھ پرواہ نہیں یہ خوب پرمیشر ہے اور آپ لوگوں کا وید بھی خوب اور وید ودیا اور اُس کا گیان بھی جسپر اتنا ناز تھا خوب ہی نکلا ہزار ہاتھ کنواں کھودا آخر چشمہ آب کی جگہ ایک مری ہوئی مینڈک نکلی اگر پرمیشر اسی حیثیت اور کرتوت کا مالک ہے تو پھر کسی کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ خواہ نخواہ اُس کے لئے تکلیفیں اُٹھاوے - یہ بات صاف ظاہر ہے کہ ہتک ایک ایسا لفظ ہے جس کا اثر اس کے دل پر ضرور ہوتا ہے جس کو کچھ شرم و غیرت بھی ہو سو اگر آپ کے پرمیشر میں کچھ شرم اور غیرت

بقیہ حاشیہ:- انتہائی درجہ کمال ارتفاع پر واقعہ ہے یعنے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کا مقام معراج خارجی جو منتہائی مقام عروج (یعنے عرش رب العلمین ہے) بتلایا گیا ہے یہ درحقیقت اُسی انتہائی درجہ کمال ارتفاع کی طرف اشارہ ہے جو اس وجود باجود کو حاصل ہے گویا جو کچھ اُس وجود خیر مجسّم کو عالم قضاء و قدر میں حاصل تھا وہ عالم مثال میں مشہود و محسوس طور پر دکھایا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اُس نبی کریم کی شان رفیع کے بارہ میں فرماتا ہے ورفع بعضھم درجات پس اس رفع درجات سے وہی انتہائی درجہ کا ارتفاع مراد ہے جو ظاہری اور باطنی طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے - اور یہ وجود باجود جو خیر مجسم ہے مقربین کی تین قسموں سے اعلیٰ واکمل ہے جو الوہیت کا مظہر اتم کہلاتا ہے +

ہوتی تو اس سے زیادہ ہتک ہونے کی اَور کیا بات تھی کہ جن کاموں کے کرنے پر وہ فخر کرتا ہے اور اپنے پرمیشر ہونے کی انہیں دلیل ٹھہراتا ہے یعنے جوڑنا جاڑنا ان کاموں کی نسبت دوسرے کام جو خود بخود بغیر دست اندازی پرمیشر کے تسلیم کئے گئے ہیں ۔ ایسے اعلےٰ درجہ کے نکلے کہ پرمیشر کے کاموں کو اُن سے کچھ بھی نسبت نہیں پس اس صورت میں اگر پرمیشر کی ہتک نہیں ہوئی تو کیا اس سے عزّت ہوگئی اور اگر یہ باتیں پرمیشر کی کسر شان کا موجب نہیں ہیں تو کیا اُسکی عظمت اور جلال ظاہر ہونے کا باعث ہے۔ سوچنا چاہیئے کہ جس حالت میں تمام عجیب کام اور بے نظیر قدرتیں اور رنگارنگ کے خواص خود بخود ہوئے تو کیا مجرد جوڑنے جاڑنے سے ایک بڑا درجہ پرمیشر ہونے کا ایسے ضعیف اور کمزور کو مل سکتا ہے بلکہ اگر غور کرو اور کچھ خداداد عقل کو کام میں لاؤ تو تمہیں معلوم ہوگا کہ جوڑنا جاڑنا درحقیقت ارواح اور اجسام کے پیدا کرنے کی فرع ہے یعنے ۲۰۰
جوڑنا بھی اُسی قادر مطلق کے ہاتھ سے انجام پذیر ہو سکتا ہے جو عدم سے وجود بخشنے پر قادر ہو اور اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کرلیں کہ ایک ایسے کمزور اور نکمے کے ہاتھ سے جوڑنا جاڑنا ممکن ہے جس نے نہ کسی روح کو پیدا کیا اور نہ کسی مادہ کو اور نہ وہ صدہا خواص اور طاقتیں اور استعدادیں جو روحوں اور مادوں میں پائی جاتی ہیں اُسکی پیدا کردہ ہیں تو پھر مجرد جوڑنا جاڑنا اُس کو قابل تعریف بنا نہیں سکتا بلکہ یہ سب تعریفیں روحوں اور ذات اجسام کی طرف عاید ہونگی اور اس صورت میں پرمیشر پر لازم و واجب ہوگا کہ روحوں اور مادوں کا شکرگذار اور ثناخوان ہو جنہوں نے مفت میں اُسکو نیکنامی دلائی۔

قرب الہی کی تین قسمیں

بقیہ حاشیہ ۔ جاننا چاہیئے کہ قرب الٰہی کی تین قسمیں تین قسم کی تشبیہ پر موقوف ہیں جنکی تفصیل سے مراتب ثلاثہ قرب کی حقیقت معلوم ہوتی ہے ۔ اول قسم قرب کی خادم اور مخدوم کی تشبیہ ۲۰۵
قسم اول
سے مناسبت رکھتی ہے ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے والذین اٰمنوا اشدّ حبًّا للّٰہ ۔ یعنے مومن جنکو دوسرے لفظوں میں بندہ فرمان بردار کہہ سکتے ہیں سب چیز سے زیادہ اپنے مولیٰ سے محبت رکھتے ہیں تفصیل اسکی یہ ہے کہ جیسے ایک نوکر با اخلاص و باصفا و باوفا بوجہ مشاہدہ احسانات متواترہ و انعامات متکاثرہ و کمالات ذاتیہ اپنے آقا کی اسقدر محبت و اخلاص و یکرنگی میں ترقی کر جاتا ہے جو بوجہ ذاتی محبت کے جو اُس کے دل میں پیدا ہوجاتی ہے اپنے آقا سے ہم طبیعت و ہم طریق ہوجاتا ہے اور اسکی مرادات کا

گھی سنوارے سالنا بڑی بہو کا ناٹوٗ۔

قولہ ۔ پرمیشر کی اُس صورت میں ہتک ہوتی کہ جب اُس سے زیادہ تر کاریگر پیش کیا جاتا +

آریہ کے پرمیشر اور مسلمانوں کے خدا کا مقابلہ

اقول تو صاحب اب تو آپکی پرمیشر کی آپ ہی کے مونہہ سے ہتک ثابت ہو گئی کیونکہ آپکے خیالی اور وہمی اور فرضی پرمیشر سے اور زیادہ تر کاریگر نکل آیا جس کے وجود کے سامنے ۱۰۷
آپ کے وہمی پرمیشر کا وجود حقیقت میں معدوم اور بے نشان ہے کیونکہ آپکا پرمیشر تو بوجہ اپنی کمزوری اور ناطاقتی اور ناداری اور لاچاری کے آریہ دیس میں چھپا ہوا بیٹھا تھا اور انہیں لوگوں سے اپنے کلام کا ٹھیکہ دے رکھا تھا اور باہر قدم رکھنے سے ڈرتا تھا اور اپنے مونہہ سے قائل تھا کہ میں اپنی ذات سے کچھ نہیں کر سکتا دوسروں کے سہارے سے میرا کام چل رہا ہے سو آریہ لوگ اسی فرضی پرمیشر پر کہ در اصل ایک چورانہ پرمیشر خوش ہو رہے تھے اتنے میں آفتاب صداقت اُن پر چمکا اور اس سچے کامل خدا کا کلام جس سے آریہ لوگ ناواقف تھے یعنے قرآن شریف آریہ دیس میں جلوہ گر ہوا اور کروڑ ہا آریوں کو سچائی کی طرف کھینچ لایا سو اسطرح پر اُسنے اپنے قادر اور کامل وجود سے اُن کو اطلاع دیدی اور اپنی خدائی اُن پر ظاہر کر دی اور اپنے قوی ہاتھ سے اپنا قادر مطلق ہونا ثابت کر دیا اور سب روحوں اور مادوں کی نسبت بیان کیا کہ یہ سب میرے ہی پیدا کردہ ہیں سو جن چیزوں کی نسبت آریہ لوگ اور انکا ناکارہ پرمیشر حیران ہو رہے تھے کہ یہ چیزیں کس نے پیدا کی ہیں پیدا کرنے والے نے اپنا کلام اُن تک پہنچا کر اور اپنے روشن نشان دکھلا کر صاف بتلا دیا کہ انکا پیدا کنندہ

بقیہ حاشیہ : ۔ ایسا ہی طالب اور خواہاں ہوتا ہے جیسے آقا خود اپنی مرادات کا خواہاں ہے۔ اسی طرح بندہ وفادار کی حالت اپنے مولا کریم کے ساتھ ہوتی ہے یعنے وہ بھی اپنے خلوص اور صدق وصفا میں ترقی کرتا کرتا اُس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اپنے وجود سے بکلی محو و فنا ہو کر اپنے مولی کریم کے رنگ میں مل جاتا ہے +

آنجا کہ محبتے نمک میریزد + ہر پردہ کہ بود از میاں برخیزد + این نفس دنی کہ صد ہزارش دہن است +
خاموش شود چو عشق شور انگیزد + چون رنگ خودی رود کسی را از عشق + یارش زکرم برنگ خویش آمیزد +

میں ہی ہوں۔ وہ کون ہے؟ وہ وہی کامل اور قادر خدا مُنزل الفرقان ہے جس
نے اپنے بے مثل الہام اور بے نظیر کام کے ذریعہ سے اپنی خدائی کو ثابت کر دکھایا ہے
جس کی ایجاد کے بغیر کوئی چیز موجود نہیں ہوئی جسکی تعریف میں قرآن شریف میں جو اُسکا
کلام ہے یہ پاک حمد درج ہے کہ وہ مبدا ہے تمام فیضوں کا اور مستجمع ہے تمام صفات کاملہ
کا اور جامع ہے تمام خوبیوں کا اور مرجع ہے ہریک چیز کا اور واحد لاشریک ہے اپنی
ذات میں اور صفات میں اور معبودیت میں سو سچا اور کامل خدا وہی خدا ہے جس نے
ہزاروں مقدس نبیوں کی روحوں میں اس تعلیم کا القا کیا۔ جسکا قول اور فعل دونوں برابر شہادت
دے رہے ہیں کہ وہ ہریک قسم کی ناطاقتی اور نقصان اور ادھورپن سے پاک ہے
غرض جس حالت میں ایک ذات کامل الصفات نے جسکے ماننے والے دنیا میں کروڑہا
لوگ پائے جاتے ہیں اور جسکی برکات تعلیم اور آسمانی نشان تمام روئے زمین پر پھیل
چکے ہیں اُس نے اپنے پاک اور مقدس صحیفوں میں صاف دعویٰ کر دیا ہے کہ میں
کامل اور قادر خدا ہوں اور روحوں اور ذرہ ذرہ جسم کا میں ہی خالق ہوں تو کیا اس
۲۰۹ صورت میں آپ لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے پرمیشر سے زیادہ تر کاریگر پیش نہیں

بقیہ حاشیہ:۔ سو ایسا خادم جو ہمرنگ اور ہم طبیعت مخدوم ہو رہا ہے طبعی
۲۰۷ طور پر اُن سب باتوں سے متنفر ہو جاتا ہے جو اُس کے مخدوم کو بُری معلوم ہوتی ہیں۔ وہ نافرمانی کو
اس جہت سے نہیں چھوڑتا کہ اُسپر سزا مترتب ہوگی اور تعمیل حکم اس وجہ سے نہیں کرتا کہ اُس سے انعام ملیگا
اور کوئی قول یا فعل اُس کا اپنے اخلاق کاملہ کے تقاضا سے صادر نہیں ہوتا بلکہ محض اپنے مخدوم حقیقی کی
اطاعت کی وجہ سے جو اُس کی سرشت میں رچ گئی ہے صادر ہوتا ہے اور بے اختیار اُسی کی طرف اور اسکی رضیات
کی طرف کھینچا چلا جاتا ہے وہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری گال کا پھیرنا خواہ نخواہ واجب نہیں جانتا اور نہ طمانچہ
کی جگہ طمانچہ مارنا اسکو لابداً ضروری معلوم ہوتا بلکہ وہ اپنے یکرنگ دل سے فتوی پوچھتا ہے کہ اُس وقت خاص
۲۰۸ میں اسکے محبوب حقیقی کی مرضی کیا ہے اور اس بات کے لئے کوئی معقول وجہ تلاش کرتا ہے کہ کس طریق کے اختیار کرنے
میں زیادہ تر خیر ہے جو موجب خوشنودی حضرت باری جل شانہ ہے آیا عفو میں یا انتقام میں سو جو عمل موجودہ
حالت کے لئے قرین الصواب ہو اُسی کو بروئے کار لاتا ہے اسی طرح اُسکی بخشش اور عطا بھی سخاوت جمیلہ کے تقاضا
سے نہیں ہوتی بلکہ اطاعت کامل کی وجہ سے ہوتی ہے اور اسی اطاعت کے جوش سے وقت موجودہ میں خوب سوچ لیتا ہے

کیا گیا جس نے خالق الارواح والاجسام ہونے کا دعوی کیا ہو سو اب اے ماسٹر صاحب آنکھ کھولکر دیکھیں کہ وہ زیادہ تر کاریگر پیش تو کیا گیا اور اُسی کی طرف تو ہم آپکو دعوت کر رہے ہیں کہ آؤ فرضی پرمیشر سے زیادہ تر کاریگر اور اُس سے زیادہ تر جاننے والا اپنے کامل نشانوں کے ساتھ جلوہ گر ہؤا ہے اس زیادہ تر عزت وحکمت وقدرت والے پر ایمان لاؤ جس نے اپنی عام قادریت ظاہر کی ہے جن چیزوں کو آپ لاوارث اور غیر مخلوق سمجھتے تھے انکا وارث ظاہر ہو گیا ہے سو اُدہو رہے اور وہمی پرمیشر کو چھوڑ دو اور سچے اور کامل اور پورے پورے قادر کی فرمان برداری اختیار کرو جس کی سچائی اُسکی قدرتوں سے ثابت ہو رہی ہے آپ لوگوں کا پہلا پرمیشر حقیقت میں پرمیشر نہیں ہے اور جوڑتے جاڑنے کی بھی در اصل اس کو طاقت نہیں ہے بلکہ وہ کچھ بھی نہیں سچا پرمیشر یہی ہے جو تمام دنیا کا مالک ہے کسی خاص ملک سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ہر ایک ملک کے ڈہونڈہنے والے اُسکو پاتے ہیں سو آؤ دلی صدق سے اُسکی طرف رجوع کرو تا تم بھی اُن برکات سے حصہ یاب ہو جاؤ جن سے صادق لوگ متمتع ہوتے ہیں + ۲۱۰

بقیہ حاشیہ ۂ نمبر - کہ کیا اس وقت اس طرز کی سخاوت یا ایسے شخص پر احسان ومروت مقرون بمرضی مولیٰ ہو سکتی ہے اور اگر نامناسب دیکھتا ہے تو ایک حبہ خرچ نہیں کرتا اور کسی ملامت کنندہ کی ملامت سے ہرگز نہیں ڈرتا غرض احمقانہ تقلید سے وہ کوئی کام بھی نہیں کرتا بلکہ سچی اور کامل محبت ۲۰۹
کی وجہ سے اپنے آقا کا مزاجدان ہوتا ہے اور یکرنگی اور اتحاد کی روشنی جو اسکے دل میں ہے وہ ہر ایک تازہ وقت میں تازہ طور پر اسکو سمجھا دیتی ہے جو اس خاص وقت میں کیونکر اور کس طرز سے کوئی کام کرنا چاہئے جو مخدوم حقیقی کے منشاء کے مطابق ہو اور چونکہ اُس کو اپنے منعم حقیقی سے ایک تعلق ذاتی پیدا ہو جاتا ہے اس لئے اطاعت اور فرمان برداری اسکے سر پر کوئی آزار رساں بوجھ نہیں ہوتا بلکہ وہ فرمان برداری اس کے ایک امر طبعی کے حکم میں ہو جاتی ہے جو بالطبع مرغوب اور بلا تصنع وتکلف اُس سے صادر ہوتی رہتی ہے اور جیسی اللہ جل شانہٗ کو اپنی خوبی اور عظمت محبوب بالطبع ہے اسی طرح ۲۱۰
اللہ تعالیٰ کا جلال ظاہر کرنا اسکے لئے محبوب بالطبع ہو جاتا ہے اور اپنے مخدوم حقیقی کی ہر ایک عادت وسیرت اسکی نظر میں ایسی پیاری ہو جاتی ہے کہ جیسی خود اسکو پیاری ہے سو یہ مقام ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جنکے سینے محبت غیر سے بالکل منزہ وصاف ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی رضامندی کو

قولہٗ۔ خدا تعالیٰ جو خود بخود ہونے والی چیز ہے خدا کے اپنے کاموں سے بہت بڑھ کر ہے اور اس سے خدا کی کوئی ہتک نہیں ہوتی +

اقول۔ بجز اسکے کیا کہوں کہ۔ بریں عقل و دانش ہزار آفریں۔ ہماری طرف سے تو اعتراض یہ تھا کہ جس حالت میں بقول آریہ صاحبان اصل پیدائش اشیاء خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ جمیع اشیاء مادی وغیر مادی معہ تمام خواص و عجائبات اپنے کے خود بخود ہیں تو اس میں پرمیشر کی بڑی ہتک عزت ہے یعنے یہ امر اُسکی بزرگی اور جلال اور حیثیت خدائی کی کسرشان کرتا ہے کہ جو چیزیں اُسکے زیر حکم اور ماتحت ہیں وہ سب اپنے وجود اور اپنے جمیع خواص میں جو اعلیٰ درجہ کے عجائبات قدرت سے بھرے ہوئے ہیں خود بخود ہوں اور جو ادنیٰ درجہ کا کام ہے جو پہلے کام کے سہارے سے چلتا ہے فقط وہی کام پرمیشر کے ہاتھ سے نکلا ہو۔ اس کا جواب ماسٹر صاحب یہ دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ
جو خود بخود ہونے والی چیز ہے خدا کے اپنے کاموں سے بڑھ کر ہے اور اس سے خدا کی ۲۱۱
کوئی ہتک عزت نہیں ہوتی سو ایسا ہی دوسری خود بخود ہونے والی چیزوں سے اُسکی کوئی ہتک عزت نہیں اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اس جواب کو ہمارے اعتراض سے کیا تعلق ہے یہ بات نہایت ظاہر و بدیہی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کی ذات وصفات اس کے کاموں سے جو اُسکی مخلوقات ہے بڑھ کر نہ ہوتیں تو مخلوق اپنے خالق سے

خدا تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسیکو شریک ٹھیرانا اسکی ہتک عزت ہے۔

بقیہ حاشیہ:۔ ڈھونڈ ہنے کے لئے ہر ایک وقت جان قربان کرنے کو طیار رہتے ہیں۔ سینہ می باید تہی از غیر یار + دل ہمی باید پر از یاد نگار + جاں ہمی باید براہ او فدا + سر ہمی باید بپائے او نثار + ہیچ دانی چیست دین عاشقاں + گویمت گر بشنوی عشاق دار + از ہمہ عالم فرو
بستن نظر + لوح دل شستن زغیر دوستدار + قرب کی، دوسری قسم ولد اور والد کی تشبیہہ سے ۲۱۱
مناسبت رکھتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فاذکروا اللہ کذکرکم اٰباءکم او اشدّ ذکراً یعنے اپنے اللہ جل شانہ کو ایسے دلی جوش محبت سے یاد کرو جیسا باپوں کو یاد کیا جاتا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ مخدوم اُس وقت باپ سے مشابہ ہو جاتا ہے جب محبت میں غایت درجہ شدت واقعہ ہو جاتی ہے اور حبّ جو ہر یک کدورت اور غرض سے مصفّا ہے دل کے تمام پردے چیر کر دل کی جڑھ میں اس طرح بیٹھ جاتی ہے کہ گویا اُسکی جزء ہے تب جسقدر جوش محبت اور

دوسری قسم قرب الٰہی کی۔

اور مملوک اپنے مالک سے مساوی ہو جاتا تو اس طرح پر ضرور خدائتعالیٰ کی ہتک عزت ہوتی کیونکہ مخلوق کا اپنے خالق سے برابر ہو جانا اور مملوک کا اپنے مالک سے ہم درجہ ہونا صریح موجب ہتک عزت مالک ہے اور یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے جیسا خدا پیدا نہیں کرتا کہ یہ اسکی عزت ابدی و جلال ازلی اور وحدت قدیمی کے برخلاف ہے اب جبکہ یہ ثابت ہے کہ خدائتعالیٰ کی ہتک عزت اس بات میں ہے کہ کوئی مخلوق و مملوک ہو کر اُسکی ذات و صفات کے برابر ہو تو ظاہر ہے کہ جو امر اس کا نقیض ہے یعنے یہ کہ مخلوق اپنی ذات و صفات میں اپنے خالق سے کم ہو یہ امر موجب ہتک عزت نہیں ہو سکتا کیونکہ اجتماع نقیضین محال و ممتنع ہے برخلاف اس کے جو چیزیں خدا تعالیٰ کے ماتحت و زیر حکم ہیں انکو اُسکے ماتحت قبول کر کے پھر اُس کی حدود قدرت سے انہیں باہر رکھ لینا اور باوصف صدہا عجائب و غرائب خواص کے جو اُن چیزوں کے اندر بھرے ہوئے ہیں جو ایک ناکارہ کام جوڑنے جاڑنے سے ہزارہا مراتب بہتر ہیں پھر بھی اُن چیزوں کو خدائتعالیٰ کی پیدائش اور اُس کے ہاتھ کی صنعت ہونے سے الگ کا الگ رہنے دینا اور پرمیشر کو صرف جوڑنے جاڑنے والا جو اُس کے پہلے کاموں سے قطع تعلق کی حالت میں ادنیٰ سا کام ہے خیال کرنا اگر ایسے خیال پر اختلال سے بھی آپکے پرمیشر کی عزت دور نہیں ہوتی تو یہ عزت بھی عجیب عزت ہے غرض یہ قیاس آپکا بالکل قیاس مع الفارق ہے جو خدائتعالیٰ کی ماتحت چیزوں کا اُسکی ذات و صفات پر آپ کر رہے ہیں اور مجھے

بقیہ حاشیہ — پیوند شدید اپنے محبوب سے ہے وہ سب حقیقت میں مادرزاد معلوم ہوتا ہے اور ایسا طبیعت سے ہمرنگ اور اُس کی جزو ہو جاتا ہے کہ سعی اور کوشش کا ذریعہ ہرگز یاد نہیں رہتا اور جیسے بیٹے کو اپنے باپ کا وجود تصور کرنے سے ایک روحانی نسبت محسوس ہوتی ہے ایسا ہی اسکو بھی ہر وقت باطنی طور پر اُس نسبت کا احساس ہوتا رہتا ہے اور جیسے بیٹا اپنے باپ کا حلیہ اور نقوش نمایاں طور پر اپنے چہرہ پر ظاہر رکھتا ہے اور اس کی رفتار اور کردار اور خو اور بوبصفائی تام اُسمیں پائی جاتی ہے علیٰ ہذا القیاس یہی حال اسمیں ہوتا ہے اور اس درجہ اور قرب اول کے درجہ میں فرق یہ ہے کہ قرب اوّل کا درجہ جو خادم اور مخدوم سے تشبیہ رکھتا ہے

قرب اول اور قرب دوم میں فرق

یقین ہے کہ آپ اس صاف صاف فرق کو سمجھ کر بہت شرمندہ ہونگے اور دل میں پچھتائیں گے. کہ ایسی فضول باتیں منہ سے کیوں نکالیں بالآخر میں آپ کو یہ بھی یاد دلاتا ہوں کہ آپ اس موقع کے پڑھنے کے وقت اس رسالہ کا وہ حاشیہ بھی پڑھ لیں کہ جو حاشیہ ملحقہ اس متن سے پہلے تحریر پاچکا ہے۔

قولہ۔ اس کے آگے مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ اگر سب روحیں غیر مخلوق اور خود بخود ہیں تو پھر خدا کسی روح سے بندگی کرانے کا مستحق نہیں رہیگا کیونکہ سب روحیں اسے کہہ سکتی ہیں کہ جب تو نے ہمیں پیدا ہی نہیں کیا اور نہ ہماری طاقتوں اور قوتوں اور استعدادوں کو تو نے بنایا تو پھر کس

بقیہ حاشیہ:۔ وہ بھی اگرچہ اپنے کمال کی رو سے اس درجہ ثانیہ سے نہایت مشابہ ہے۔ لیکن یہ درجہ اپنی نہایت صفائی کی وجہ سے تعلق مادر زاد کے قایم مقام ہو گیا ہے اور جیسا باعتبار نفس انسانیت کے دو انسان مساوی ہوتے ہیں۔ لیکن بلحاظ شدت وضعف خواص انسانی کے ظہور آثار میں متفاوت واقع ہوتے ہیں۔ ایسا ہی ان دونوں درجوں کے درمیان تفاوت ہے غرض اس درجہ میں محبت کمال لطافت تک پہنچ جاتی ہے۔ اور مناسبت اور مشابہت بال بال میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ خیال کرنا چاہئے کہ اگرچہ ایک شخص کمال عشق کی حالت میں اپنے معشوق سے ہمرنگ ہو جاتا ہے مگر جو شخص اپنے باپ سے جس سے وہ نکلا ہے مشابہت رکھتا ہے اسکی مشابہت اور ہی آب و تاب رکھتی ہے۔

تیسری قسم کا قرب

تیسری قسم کا قرب ایک ہی شخص کی صورت اور اس کے عکس سے مشابہت رکھتا ہے یعنی جیسے ایک شخص آئینہ صاف و وسیع میں اپنی شکل دیکھتا ہے تو تمام شکل اس کی مع اپنے تمام نقوش کے جو اس میں موجود ہیں عکسی طور پر اس آئینہ میں دکھائی دیتی ہے ایسا ہی اس قسم ثالث قرب میں تمام صفات الٰہیہ صاحب قرب کے وجود میں بتمام تر صفائی منعکس ہو جاتی ہیں اور یہ انعکاس ہر ایک قسم کے تعلق سے جو پہلے اس سے بیان کیا گیا ہے اتم و اکمل ہے کیونکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ جیسے ایک شخص آئینہ صاف میں اپنا منہ دیکھکر اس شکل کو اپنی شکل کے مطابق پاتا ہے وہ مطابقت اور مشابہت اس کی شکل سے نہ کسی غیر کو کسی حیلہ یا تکلف سے حاصل ہو سکتی ہے اور نہ کسی فرزند میں ایسی ہو بہو مطابقت پائی جاتی ہے اور یہ مرتبہ کس کے لئے میسر ہے اور کون اس کامل درجہ قرب سے موسوم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اسی کو میسر آتا ہے کہ جو الوہیت و عبودیت کی دونوں قوسوں کے بیچ میں کامل طور پر ہو کر دونوں قوسوں سے ایسا شدید تعلق پکڑتا ہے کہ گویا ان دونوں کا عین ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو بکلی درمیان سے اٹھا کر آئینہ صاف کا حکم پیدا کر لیتا ہے اور وہ آئینہ ذوجہتین ہونے کی وجہ سے ایک جہت سے صورت الٰہیہ بطور ظلی حاصل کرتا ہے اور دوسری جہت سے وہ تمام فیض حسب استعداد طبائع مختلفہ اپنے مقابلین کو پہنچاتا ہے اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالے فرماتا ہے

استحقاق سے ہم سے اپنی پرستش چاہتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے پہلے قباحتوں کے جواب میں ثابت کر دیا ہے کہ بغیر پرمیشر کے جوڑنے جاڑنے کے تمام روحیں اور ان کی طاقتیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پس جس نے جوڑنے جاڑنے سے آرام اور سکھ میں ترقی کرنے کا سامان بخشا کیا وہ شکرگزاری اور عبادت کے لائق نہیں۔

اقول۔ افسوس کہ ہرچند اس ادھورے اور نکمے پرمیشر کی وکالت میں آپ نے جہاں تک بن پڑا بڑا زور مارا۔ بہت کچھ کوشش کی۔ مگر چونکہ اس کا ادھوراپن ایسا نہیں ہے کہ جو کسی کے چھپانے سے چھپ سکے۔ اس لئے بجز بار بار کی خجالت کے اور کچھ اس قیل وقال سے آپ کو حاصل نہیں ہوا۔

بقیہ حاشیہ:- ثمّ دنٰی فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنٰی۔ پھر نزدیک ہوا (یعنی اللہ تعالےٰ سے) پھر نیچے کی طرف اترا (یعنی مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کے لئے نزول کیا) پس اس جہت سے کہ وہ اوپر کی طرف صعود کر کے انتہائی درجۂ قرب تام کو پہنچا اور اس میں اور حق میں کوئی حجاب نہ رہا اور پھر نیچے کی طرف اس نے نزول کیا اور اس میں اور خلق میں کوئی حجاب نہ رہا یعنی چونکہ وہ اپنے صعود اور نزول میں اتم و اکمل ہوا اور کمالات انتہائیہ تک پہنچ گیا اس لئے دو قوسوں کے بیچ میں یعنی وتر کی جگہ میں جو قطر دائرہ ہے اتم و اکمل طور پر اس کا مقام ہوا۔ بلکہ وہ قوس الوہیت اور قوس عبودیت کی طرف اس سے بھی زیادہ تر جو خیال وگمان وقیاس میں نہیں آسکتا نزدیک ہوا۔ مثلاً صورت ان دو قوسوں کی یہ ہے۔

اس شکل میں جو خط مرکز دائرہ کو قطع کرتا ہے یعنی جو قطر دائرہ ہے وہی قاب قوسین یعنی دونوں قوسوں کا وتر ہے جاننا چاہئے کہ دونوں قسم وجود واجب اور ممکن کے ایک ایسے دائرے کی طرح ہیں کہ جو خط گذرندہ بر مرکز سے دو قوسوں پر منقسم ہو۔ وہی خط جو قطرہ دائرہ ہے جس کو قرآن شریف میں قاب قوسین سے تعبیر کیا ہے اور عام بول چال علم ہندسہ میں اس کو وتر قوسین کہتے ہیں۔ وہ ذات مفیض اور مستفیض میں بطور برزخ واقعہ ہے کہ جو اپنے اخص کمال میں جو انتہائی درجہ کمالات کا ہے نقطہ مرکز دائرہ سے جو وتر قوس کا درمیانی نقطہ ہے مشابہت رکھتا ہے یہی نقطہ تمام کمالات انسان کامل کا دل ہے جو قوس الوہیت وعبودیت کی طرف بخطوط مساویہ نسبت رکھتا ہے اور یہی نقطہ ارفع نقاط ان خطوط عمودیہ کا ہے جو محیط سے قطر دائرہ تک کھینچے جائیں۔ اگرچہ وتر قوسین اور بہت سے ایسے نقاط سے تالیف یافتہ ہے جو درحقیقت کمالات روحانیہ صاحب وتر کے صور محسوسہ ہیں لیکن بجز ایک نقطہ مرکز کے اور جس قدر نقاط وتر ہیں ان میں دوسرے انبیاء و رسل و ارباب صدق وصفا بھی شریک ہیں اور نقطہ مرکز اس کمال کی صورت ہے کہ جو صاحب وتر کو بہ نسبت جمیع دوسرے کمالات کے اعلیٰ و ارفع و اخص و ممتاز طور پر حاصل ہے

بھلا آپ ہی فرماویں کہ آپ نے پہلی قباحتوں کے جواب میں کیا خاک ثابت کیا ہے۔ جس حالت میں آپ لوگ اپنے ہی منہ سے قائل ہیں کہ تمام روحیں خودبخود ہیں اور اُن کے تمام خواص بھی خودبخود ان کی تمام قوتیں بھی خودبخود ایسا ہی پرکرتی بھی خودبخود جسم کا ہر ایک ذرہ بھی خودبخود اور اُنکے تمام خواص اور قوتیں بھی خودبخود انکا ازلی و ابدی ہونا بھی خودبخود پرمیشر ہو یا نہ ہو وہ سب بذات خود قایم بذات خود واجب الوجود غرض سارا جہان اپنے دونوں ٹکڑوں کے ساتھ خودبخود ہے۔

تو ان خواص اور قوتوں اور دائمی بقا میں جو روحوں کو خودبخود حاصل ہیں کونسی شکرگذاری کا پرمیشر مستحق ٹھہر سکتا ہے کیا ان چیزوں میں سے پرمیشر نے بھی اپنے گھر سے کچھ دیا ہے اور اس کی گرہ سے بھی کچھ خرچ آیا ہے رہا بار بار کا رونا جو پرمیشر نے روحوں اور جسموں کو باہم جوڑا ہے میں کہتا ہوں کہ ایسا نالایق پرمیشر ہرگز جوڑنے پر بھی قادر نہیں ہو سکتا۔ اگر روحوں کی حقیقت کا اس کو پورا پورا علم ہوتا تو وہ بے شک ان کو بنا سکتا کیونکہ ایک چیز کا پورا پورا علم ہونا اس کے بنانے کو مستلزم ہے اور جب کہ وہ روحوں کے بنانے پر قادر نہیں تو اس سے صاف ثابت ہے کہ اس کو روحوں کے خواص اور باطنی قوتوں اور کیفیتوں کا پورا پورا علم بھی نہیں اور جب کہ علم کامل نہیں تو ایسے ادھورے اور ناقص علم سے وہ جوڑنے جاڑنے پر کیونکر قادر ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی ثبوت ہے تو پیش کرنا چاہئے اور اگر بفرض محال یہ ثابت بھی ہو جائے کہ ایسا ادھورا اور نکما پرمیشر ارواح اور اجسام کو جوڑ سکتا ہے تو البتہ ایک ناقص جیسی شکرگذاری کے لایق ٹھہریگا۔ جس کا عدم وجود برابر ہے مگر یہ تو کبھی نہ ہوگا کہ ارواح جو بکلی آزاد اور غیر مخلوق اور قدیم ہونے میں اس کے ہمسر اور انادی ہونے میں اُسکے ہم پہلو اور واجب الوجود ہونے میں اُس کے ہم مرتبہ ہیں اس کو اپنا رب سمجھ لیں۔ اور جو اپنے رب

ایک چیز کا پورا علم اس کے بنانے کو مستلزم ہے

بقیہ حاشیہ:۔ جس میں حقیقی طور پر مخلوق میں سے کوئی اس کا شریک نہیں ہاں اتباع و پیروی سے ظلی طور پر شریک ہو سکتا ہے۔ اب جاننا چاہئے کہ دراصل اسی نقطہ وسطی کا نام حقیقت محمدیہ ہے جو اجمالی طور پر جمیع حقایق عالم کا منبع و اصل ہے اور درحقیقت اسی ایک نقطہ سے خط وتر انبساط و امتداد پذیر ہوا ہے اور اسی نقطہ کی روحانیت تمام خط وتر میں ایک ہویّت ساریہ ہے جس کا فیض اقدس اس سارے خط کو تعین بخش ہو گیا ہے عالم جس کو متصوفین اسماء اللہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں اس کا اول اور اعلیٰ مظہر جس سے وہ علیٰ وجہ التفصیل صدور پذیر ہوا ہے یہی نقطہ درمیانی ہے جس کو اصطلاحات اہل اللہ میں نفسی نقطہ احمد مجتبےٰ و محمد مصطفےٰ نام رکھتے ہیں اور فلاسفہ کی اصطلاحات میں عقل اول کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے اور اس نقطہ کو دوسرے ذرّی نقاط کی طرف وہی نسبت ہے جو اسم اعظم کو دوسرے

پیدا کنندہ کی پرستش اور عبادت کرنی چاہیئے اس عالی شان عبادت کا اس کو مستحق ٹھہرادیں سو یہی مطلب تھا جس کو ہم نے اعتراض میں لکھا اور آپنے نہ اس کو غور کر کے سمجھا اور نہ اس کا کچھ جواب دیا۔

قولہ سوائے اس کے خداوند کریم نہایت دیا کو کرپا کو ہے اس کی یہ ہدایت کہ پرستش کرنی چاہیئے انسان کی بہتری کے لئے ہے نہ کہ خود خدا کی اس میں کوئی عزت بڑھتی ہے۔

خدا تعالےٰ کی الوہیت تقاضا کرتی ہے کہ لوگ اپنی حیثیت بندگی پر قائم رہیں

اقول۔ میں کہتا ہوں کہ گو بندگی و عبادت کرنے سے انسان کی اپنی ہی بہتری منظور ہے مگر پھر بھی خدا تعالےٰ کی ربوبیت تقاضا کرتی ہے اور جوش مارتی ہے کہ لوگ اس کی سیدھی راہ پر قدم مار کر اور ناکردنی کاموں سے بچ کر اور اس کی پرستش و اطاعت میں محو ہو کر اپنی سعادت مطلوبہ کو پالیں اور اگر اس راہ پر چلنا نہ چاہیں تو پھر اپنے لئے بلکہ انہیں کے لئے اس کا غضب بھڑکتا ہے اور طرح طرح کی تنبیہوں میں انہیں مبتلا کرتا ہے۔ اور جو لوگ پھر بھی نہ سمجھیں وہ بعد اور حرمان کی آگ میں جلتے ہیں یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص اس کو یہ کہہ سکے کہ تجھے میرے نفع یا نقصان کی کیا فکر پڑی ہے۔ اور کیوں بار بار ہم کو نصیحتیں کرتا ہے اور الہامی کتابیں بھیجتا ہے۔ اور سزائیں دیتا ہے اگر ہم عبادت کریں گے تو اپنے لئے اور اگر نہیں کریں گے تو آپ نقصان اٹھائیں گے تجھے کیوں ناحق کا جوش و خروش ہے اور اگر کوئی شخص ایسا کہے بھی بلکہ اگر سب دنیا اور تمام آدم زاد متفق ہو کر اسکی خدمت میں یہ گذارش کریں کہ ہم کو آپ اپنی نصیحتوں اور حکموں اور الہامی کتابوں سے معاف رکھیں ہم آپ کا بہشت یا یوں کہو کہ مکتی خانہ لینا نہیں چاہتے ہم اسی دنیا میں گزارہ کرلیں گے آپ مہربانی فرما کر اسی جگہ ہمیشہ کے لئے ہمیں رہنے دیں آخرت کی ہم بڑی بڑی نعمتوں سے باز آئے آپ ہمارے اعمال میں ذرا دخل نہ دیا کریں اور جزا و سزا وغیرہ تجویزیں جو ہمارے واسطے آپ کرتے رہتے ہیں ان سب سے آپ دست بردار رہیں ہمارے نفع یا نقصان سے آپ کچھ تعلق نہ رکھیں تو یہ ۲۱۷
عرض اُن کی ہرگز قبول نہیں ہوسکتی اگرچہ اس کے قبول کرانے کے لئے تمام عمر روتے پیٹتے رہیں پس

بقیہ حاشیہ اسماء الٰہیہ کی طرف نسبت واقعہ ہے غرض سرچشمہ رموز غیبی و مفتاح کنوز لاریبی اور انسان کامل دکھلانے کا آئینہ بھی نقطہ ہے اور تمام اسرار مبدء و معاد کی علت غائی اور ہر ایک زیر و بالا کی پیدائش کی لمیت یہی ہے جس کے تصور بالکنہ و تصور بکنہ سے تمام عقول و افہام بشریہ عاجز ہیں اور جس طرح ہر یک حیات خدا تعالیٰ کی حیات سے مستفاض اور ہر ایک وجود اُس کے وجود سے ظہور پذیر اور ہر ایک تعین اس کے تعین سے خلعت پوش ہے ایسا ہی نقطۂ محمدیہ جمیع مراتب اکوان اور خطائر امکان میں باذنہ تعالےٰ حسب استعدادات مختلفہ و طبائع متفاوتہ موثر ہے

اس سے صاف ثابت ہے کہ صرف یہی بات نہیں کہ بندہ اپنی حالت میں آزاد ہے۔ اور اپنے لئے بندگی کرتا ہے اور پرمیشر کو اس سے کچھ تعلق نہیں بلکہ جلال اور عظمت الٰہی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بندہ شرط بندگی بجا لاوے اور نیک راہوں کو اختیار کرے اور اس کی الوہیت بالطبع تقاضا کرتی ہے کہ اس کے آگے عبودیت کے آثار ظاہر ہوں اور اس کی کاملیت ذاتی جوش سے یہ چاہتی ہے کہ جو نقصان سے خالی نہیں ہے۔ اس کے آگے تذلل کرے یہی وجہ ہے کہ نافرمانوں اور سرکشوں اور اُن سب کو جو شرارتیں اور ضد کرتے ہیں انجام کار اس کا عذاب پکڑتا ہے۔ ورنہ اس بات پر کوئی وجہ قابل اطمینان پیدا نہیں ہوتی کہ بغیر پائے جانے کسی ذاتی قوت کے جو سزا جزا دینے کے لئے اس کی ذات بابرکات ازل سے رکھتی ہو کیوں خواہ نخواہ وہ اس فکر میں لگا رہتا ہے کہ نیکی کرنے والوں کو نیک پاداش اور بدی کرنے والوں کو بد پاداش پہنچا دے بلکہ اگر کوئی قوت ذاتی جو جزا سزا دینے کے لئے محرک ہو اس میں نہ پائی جاوے تو یہ چاہیئے تھا کہ خاموشی اختیار رکھتا اور جزا سزا کی جھیڑ جھاڑ سے بکلی دست کش رہتا سو اگرچہ یہ بات تو صحیح ہے کہ انسان کے اعمال کا نفع نقصان اسی کی طرف عاید ہوتا ہے ۲۱۸
ہے خدائے تعالے کی عظمت و سلطنت نہ اس سے کچھ بڑھتی ہے نہ گھٹتی ہے مگر یہ بات بھی نہایت صحیح و محکم صداقت ہے۔ کہ ربوبیت کا تقاضا بندوں کو ان کی حیثیت بندگی پر قایم رکھنا چاہتا ہے اور جو شخص ذرا تکبر سے سر اونچا کرے تو اس کا سر فی الفور کچلا جاتا ہے غرض خدائے تعالے کی ذات میں اپنی عظمت اپنی خدائی اپنی کبریائی اپنا جلال اپنی بادشاہی ظاہر کرنے کا ایک تقاضا پایا جاتا ہے اور سزا و جزا اور مطالبہ اطاعت و عبودیت و پرستش اسی تقاضا کی فرع پڑا ہوا ہے۔ اسی اظہار ربوبیت اور خدائی کی غرض سے یہ انواع و اقسام کا عالم اس نے پیدا کر رکھا ہے ورنہ اگر اُس کی ذات میں یہ جوش اظہار نہ پایا جاتا تو پھر وہ کیوں پیدا کرنے کی طرف ناحق متوجہ ہوتا۔ اور کس نے اس کے سر پر بوجھ ڈالا تھا۔ کہ ضرور یہ عالم پیدا کرے اور ارواح کو

خدائے تعالے نے اپنی ربوبیت اور خدائی کے اظہار کیلئے اس عالم کو پیدا کیا

بقیہ حاشیہ:۔ اور چونکہ یہ نقطہ جمیع مراتب الٰہیہ کا ظلّی طور پر اور جمیع مراتب کونیہ کا منبعی و اصلی طور پر جامع بلکہ انہیں دونوں کا مجموعہ ہے۔ اس لئے یہ ہر ایک مرتبہ کونیہ پر جو عقول و نفوس کُلیہ و جُزئیہ و مراتب طبعیہ الی آخر تنزلات وجود سے مراد ہے۔ اجمالی طور پر احاطہ رکھتا ہے ایسا ہی ظل الوہیت ہونے کی وجہ سے مرتبہ الٰہیہ سے اسکو ایسی مشابہت ہے جیسے آئینہ کے عکس کو اپنے اصل سے ہوتی ہے اور امہات صفات الٰہیہ یعنی حیواۃ علم ارادہ قدرت سمع۔ بصر کلام معہ اپنے جمیع فروع کے اتم و اکمل طور پر اس میں انعکاس پذیر ہیں۔ اس نقطہ مرکز کو جو برزخ بین اللہ و بین الخلق ہے یعنی نفسی نقطہ حضرت سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجرد کلمۃ اللہ کے مفہوم تک ۲۲۴

اجسام کے ساتھ تعلق دیکر اس مسافر خانہ کو جو دنیا کے نام سے موسوم ہے اپنی عجائب قدرتوں
کی جگہ بنادے۔ آخر اس میں کوئی قوت اقتضائی تھی جو اس بناڈالنے کی محرک ہوئی اسی کی
طرف اس کے پاک کلام میں جو قرآن شریف ہے اشارات پائے جاتے ہیں جن سے یہ ثابت
ہوتا ہے کہ خدائے تعالےٰ نے کل عالم کو اس غرض سے پیدا کیا کہ تا وہ اپنی خالقیّت کی صفت
سے شناخت کیا جائے اور پھر پیدا کرنے کے بعد اپنی مخلوقات پر رحم اور کرم کی بارشیں کیں تا وہ
رحیمی اور کریمی کی صفت سے شناخت کیا جائے۔ ایسا ہی اس نے سزا اور جزا دی تا اس کا
١٩ منتقم اور منعم ہونا شناخت کیا جائے اسی طرح وہ مرنے کے بعد پھر اٹھائیگا تا اس کا قادر ہونا
شناخت کیا جائے۔ غرض وہ اپنے سب عجیب کاموں سے یہی مدعا رکھتا ہے۔ کہ تا وہ پہچانا جائے
اور شناخت کیا جائے۔ سو جب کہ دنیا کے پیدا کرنے اور جزا سزا وغیرہ سے اصلی غرض معرفت الٰہی
ہے جو لب لباب پرستش و عبادت ہے، تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ خدائے تعالےٰ خود
تقاضا فرماتا ہے کہ تا اس کی معرفت جس کی حقیقت کاملہ پرستش و عبادت کے ذریعہ سے کھلتی
ہے اسکے بندوں سے حاصل ہو جائے جیسا کہ ایک خوبصورت اپنی کمال خوبصورتی کی وجہ سے اپنے حسن کو ظاہر کرنا چاہتا ہے
سو خدائے تعالیٰ جس پر حسن حقیقی کے کمالات ختم ہیں وہ بھی اپنے ذاتی جوش سے چاہتا ہے کہ وہ کمالات لوگوں پر کھل
جائیں پس اس تحقیق سے ثابت ہے، کہ خدا تعالیٰ اپنی عبادت جو مدار و ذریعہ شناخت ہے ضرور اپنے بندوں سے چاہتا ہے اور جو شخص
اس کی اس خواہش کا مقابلہ کرے اور اُسکی پرستش سے منکر اور منحرف ہو تو ایسے شخص کو نابود کرنے کے لئے اسکی
کبریائی متوجہ ہوتی ہے اگر تم صفحۂ دنیا پر غور کر کے دیکھو اور جو کچھ خدائے تعالےٰ نے اب تک سرکشوں اور بے ایمانوں سے کیا ہے اور
جو کچھ وہ قدیم سے جفا کاروں اور ستم کاروں سے کرتا چلا آیا ہے اس پر عمیق نگاہ سے نظر ڈالو تو تم پر نہایت

خدائے تعالےٰ کی عبادت اسکی شناخت کا ذریعہ ہے۔

٢٢٥ **بقیہ حاشیہ**:۔ محدود نہیں کر سکتے جیسا کہ مسیح کو اس کے نام سے محدود کیا گیا ہے کیونکہ یہ نقطہ محمدیہ ظلی طور پر
مستجمع جمیع مراتب الوہیت ہی اسی وجہ سے تمثیلی بیان میں حضرت مسیح کو ابن سے تشبیہ دی گئی ہے بباعث اسی
نقصان کے جو ان میں باقی رہ گیا ہے کیونکہ حقیقت عیسویہ مظہر اتم صفات الوہیت نہیں ہے۔ بلکہ اس کی شاخوں
میں سے ایک شاخ ہے۔ برخلاف حقیقت محمدیہ کے کہ وہ جمیع صفات الٰہیہ کا اتم و اکمل مظہر ہے جس کا ثبوت عقلی
و نقلی طور پر کمال درجہ پر پہنچ گیا ہے۔ سو اسی وجہ سے تمثیلی بیان میں ظلی طور پر خدائے ذوالعزّت و ذوالجلال سے
٢٢٦ آنحضرت کو آسمانی کتابوں میں تشبیہ دی گئی ہے۔ جو ابن کے لئے بجائے اَب ہے۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام
کی تعلیم کا اضافی طور پر ناقص ہونا اور قرآنی تعلیم کا سب الہامی تعلیموں سے اکمل و اتم ہونا وہ بھی درحقیقت اسی بنا
پر ہے کیونکہ ناقص پر ناقص فیضان ہوتا ہے۔ اور اکمل پر اکمل۔

صفائی سے کھل جائیگا کہ بلا شبہ یہ ثابت شدہ صداقت ہے کہ بالضرور خدائے تعالےٰ اپنے
ذاتی تقاضا سے نیکی سے دوستی اور بدی سے نفرت اور عداوت رکھتا ہے اور یہی چاہتا ہے ٢٢٠
کہ لوگ بدی کو چھوڑدیں اور نیکی کو اختیار کریں گو نیکی اور بدی کو جو انسان سے ظہور میں آتی ہے
اُسکے کارخانۂ سلطنت میں کوئی مفید یا مضر دخل نہیں ہے لیکن ذاتی تقاضا اس کا یہی ہے اب
ظاہر ہے کہ اگر خدائے تعالےٰ نے روحوں کو پیدا نہیں کیا تو وہ کسی روح سے اس مطالبہ کرنے کا
مستحق نہیں ہے کہ وہ کمال درجہ کی پرستش جو اپنے پیدا کنندہ کے لئے چاہئے کیوں اس سے
صادر نہیں ہوئی۔

قولہ اب رہی یہ بات کہ خداوند تعالےٰ اگر بنانے والا نہیں تو محیط بھی نہیں ہو سکتا یہ تو وہ شاید
کہتا جو خدا کا بھی بنانے والا ہوتا کیونکہ خدا کی سب صفات اور طاقتیں اس سبب سے نہیں کہ
وہ روحوں کے بنانے والا ہے بلکہ حقیقت میں وہ سب صفات اس میں موجود ہیں۔

اقول۔ آج ہمیں ماسٹر صاحب کے کمالات علمی پر نظر ڈالنے سے بڑا ہی سرور حاصل ہوا
ہمیں تعجب ہے کہ آریہ لوگ صاحب موصوف کو دیانند کا کیوں قائم مقام نہیں بناتے ماسٹر صاحب
کی نظر میں جو شخص یہ بات کہے کہ خدائے تعالےٰ کا ہر ایک چیز پر محیط ہونا اس کے خالق ہونے کو
مستلزم ہے وہ اس قول سے خدا کے بنانے والا بن جاتا ہے۔ اب ماسٹر صاحب کے اس قول
کو اسی جگہ بطور امانت رکھ کر اصل مطلب پر نظر کرنی چاہئے کہ یہ بات نہایت بدیہی اور ظاہر ہے ٢٢١
کہ اگر خدائے تعالےٰ کسی چیز پر محیط ہے تو اس کا علم بھی اس پر محیط ہوگا۔ اور اس کی قدرت

آیات جن میں آنحضرت صلعم کو ظل اللہ کہا گیا ہے

بقیہ حاشیہ:۔ اور جو تشبیہات قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ظلی طور پر خداوند قادر مطلق سے
دی گئیں ہیں ان میں سے ایک یہی آیت ہے جو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ثمّ دنا فتدلّی فکان قاب قوسین
او ادنیٰ یعنی وہ (حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی ترقیات کاملہ قُرب کی وجہ سے دو قوسوں میں بطور
وتر کے واقع ہے۔ بلکہ اس سے نزدیک تر۔ اب ظاہر ہے کہ وتر کی طرف اعلیٰ میں قوس الوہیت ہے سو جب کہ نفس
پاک محمدی اپنی شدت قرب اور نہایت درجہ کی صفائی کی وجہ سے وتر کی حد سے آگے بڑھا اور دریائے الوہیت سے
نزدیک تر ہوا تو اُس ناپیدا کنار دریا میں جا پڑا اور الوہیت کے بحر اعظم میں ذرہ بشریت گم ہوگیا۔ اور یہ بڑھنا ٢٢٧
نہ مستحدث اور جدید طور پر بلکہ وہ ازل سے بڑھا ہوا تھا۔ اور ظلی اور مستعار طور پر اس بات کے لائق تھا کہ آسمانی
صحیفے اور الہامی تحریریں اسکو مظہر اتم الوہیت قرار دیں اور آئینہ حق نما اس کو ٹھہرادیں پھر دوسری آیت قرآن
شریف کی جس میں یہی تشبیہ نہایت اصفیٰ و اجلیٰ طور پر دی گئی ہے یہ ہے ان الذین یبایعونک انما

کاملہ بھی اس پر محیط ہوگی کیونکہ خدائے تعالےٰ کی ذات اس کی صفات سے الگ نہیں ہے تا یہ کہا جائے کہ وہ محیط ہونے کے وقت اپنی صفات کو کسی طاق پر جدا رکھ آتا ہے۔ اب جب کہ قدرت کاملہ اور علم کامل خدائے تعالےٰ کا ہر ایک چیز پر محیط ہوا تو یہی حقیقت خالقیت ہے کیونکہ ہم کئی مقام میں پہلے بھی تحریر کر چکے ہیں کہ علم کامل کو بشرط قدرت عمل مستلزم ہے اگر انسان کسی چیز کی نسبت علم کامل رکھتا ہو اور باایں ہمہ ایسے اسباب بھی اسے میسر ہوں جن سے اس کو قدرت و طاقت عمل پیدا ہو جائے تو اس چیز کو وہ بنا سکتا ہے بلکہ ہزارہا صنعتیں جو انسان بنا رہا ہے اور ابتدائی پیدائش سے بناتا چلا آیا ہے ان کے بنائے جانے کی ضروری شرطیں یہ دو ہی ہیں اور اگر کسی چیز کا علم کامل ہو اور پھر اس پر تصرف کرنے کی قدرت کامل بھی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ چیز بنانے سے رہ جائے پس جب کہ انسان کا یہ حال ہے تو پرمیشر پر وہ نامعلوم پتھر کون سے پڑ گئے کہ ایک طرف تو اس کی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہر یک چیز کے بارے میں اس کا علم کامل ہے اور وہ اپنے علم کامل اور قدرت کامل کے ساتھ ہر ایک چیز اور ذرہ ذرہ پر محیط ہے اور ایک طرف اس کو خالق اور
۲۱۲ پیدا کنندہ ہونے سے صاف جواب دیا جاتا ہے جب کہ یہ بات بدیہی ثبوت ہے کہ خالق ہونا محیط ہونے کی فرع ہے تو پھر اصل صفت کو جو محیط ہونا ہے ذات باری جل شانہ میں تسلیم کر کے اس کی فرع کے ماننے سے کیوں انکار کیا جاتا ہے۔ یہ بات اجلیٰ بدیہات ہے کہ اصل کے ثبوت کو فرع کا ثبوت لازم پڑا ہوا ہے مثلاً جو شخص طلوع آفتاب کا اقرار کر کے پھر رات ہونے پر ضد کر رہا ہے وہ اپنی بات کو اپنے ہی قول سے رد کرتا ہے۔ اسی طرح جب تم نے اپنے منہ سے مان لیا کہ خدائے تعالےٰ اپنی ذات اور علم کامل اور قدرت کامل سے ذرہ ذرہ عالم پر ایسا محیط ہے کہ ہر

بقیہ حاشیہ:۔ یبایعون اللہ۔ ید اللہ فوق ایدیھم یعنی جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا سے بیعت کرتے ہیں خدا کا ہاتھ ہی جو انکے ہاتھوں پر ہے۔ واضح ہو کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرتے تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر بیعت کیا کرتے تھے اور مردوں کیلئے یہی طریق بیعت کا ہے سو اس جگہ اللہ تعالے نے بطریق مجاز آنحضرت صلی
۲۲۸ اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو اپنی ذات اقدس ہی قرار دے دیا اور ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔ یہ کلمہ مقام جمع میں ہے جو بوجہ نہایت قرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بولا گیا ہے لہٰذا اسی مرتبہ جمع کی طرف جو محبت تامہ دوطرفہ پر موقوف ہے اس آیت میں بھی اشارہ ہے۔ ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ تو نے نہیں چلایا خدا نے ہی چلایا جب کہ تو نے چلایا ایسا ہی اشارہ اس دوسری آیت میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ قل یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ

یک چیز اُس کے احاطہ تام میں معہ اپنی تمام کُنہ و کیفیت کے مستغرق ہے تو تمہیں اس کی یہ فرع بھی ماننی پڑے گی۔ کہ وہ اُن چیزوں کا خالق بھی ہے۔ کیونکہ علم تام کو عمل جو اسکی فرع۔ ہے لازم پڑا ہوا ہے اور جس طرح یہ بات ظاہر ہے کہ کسی چیز کے بنانے سے پہلے اول اس چیز کا علم ضروری ہے کہ وہ چیز اس طور اور اس طریق سے بنانی چاہئے اسی طرح یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی عمل پر قادر ہونے کے لئے بھی ایک طریق یہی ہے کہ اس عمل کے متعلق علم تام حاصل ہو جائے سو اگر خدائے تعالےٰ اعیان موجودات کی حقیقت سے جیسا کہ چاہئے واقف ہے تو بے شک وہ اُن کے بنانے پر بھی قادر ہے وجہ یہ کہ علم تام اسی علم کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ سے وجود اشیا کی اصل حقیقت کما حقہ منکشف ہو جائے

بقیہ حاشیہ ۔اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ یعنی ان کو کہہ دے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر اسراف کیا (یعنی ارتکاب کبائر کیا) تم خدا کی رحمت سے نومید مت ہو وہ تمہارے سب گناہ بخش دے گا اب ظاہر ہے کہ بنی آدم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تو بندے نہیں ہیں بلکہ سب نبی و غیر نبی خدائے تعالےٰ کے بندے ہیں لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مولیٰ کریم سے قرب اتم یعنی تیسرے درجہ کا قرب حاصل تھا۔ سو یہ سخن بھی مقام جمع سے مستند ہو اور مقام جمع قاب قوسین کا مقام ہے جس کی تفاصیل کتب تصوف میں موجود ہیں ایسا ہی اللہ تعالےٰ نے مقام جمع کے لحاظ سے کئی نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے رکھ دیئے ہیں جو خاص اس کی صفتیں ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد رکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے نہایت تعریف کیا گیا سو یہ غائت درجہ کی تعریف حقیقی طور پر خدائے تعالےٰ کی شان کے لایق ہے۔ مگر ظلی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی۔ ایسا ہی قرآن شریف میں آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام نور جو دنیا کو روشن کرتا ہے اور رحمت جس نے عالم کو زوال سے بچایا ہوا ہے آیا اور رؤف اور رحیم جو خدائے تعالےٰ کے نام ہیں ان ناموں سے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پکارے گئے ہیں اور کئی مقام قرآن شریف میں اشارات و تصریحات سے بیان ہوا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مظہر اتم الوہیت ہیں اور اُن کا کلام خدا کا کلام اور اُن کا ظہور خدا کا ظہور اور ان کا آنا خدا کا آنا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں اس بارے میں ایک یہ آیت بھی ہے قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ کہہ حق آیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل نے بھاگنا ہی تھا۔ حق سے مراد اس جگہ اللہ جل شانہ اور قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور باطل سے مراد شیطان اور شیطان کا گروہ اور شیطانی تعلیمیں ہیں سو دیکھو اپنے نام میں خدائے تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکر شامل کر لیا اور آنحضرت کا ظہور فرمانا خدائے تعالےٰ کا ظہور

اور کوئی جزو وجود کی غیر مکشوف نہ رہے۔ انسان کا علم جو ناقص ہے وہ اسی وجہ سے ناقص ہے کہ کُنہ اشیاء تک نہیں پہنچتا۔ بلکہ وہ کچھ تھوڑا ہی چل کر پھر آگے چلنے سے رہ جاتا ہے۔ مثلاً انسان ایک حجری مومیائی کو دیکھ کر اس قدر تو کہہ سکتا ہے کہ یہ مومیائی بخارات لطیفہ پتھر میں سے نکلی ہے اور پھر پتھر پر غور کر کے کہہ سکتا ہے کہ یہ پتھر بالو یعنی ریت کی دہنیت دار اجزا سے وجود پذیر ہوا ہے۔ اور پھر بالو کی نسبت رائے ظاہر کر سکتا ہے کہ وہ خاک کے بعض تغیرات سے پیدا ہوئی ہے۔ لیکن اگر اس کے بعد یہ آخری سوال کیا جائے کہ خاک کہاں سے اور کیونکر پیدا ہو گئی ہے اور اس کے کُنہ دریافت کرنے کی کیا فلاسفی ہے تو اس سوال کے حلّ کرنے سے عاجز رہ جاتا ہے

بقیہ حاشیہ :- فرمانا ہوا ایسا جلالی ظہور جس سے شیطان معہ اپنے تمام لشکروں کے بھاگ گیا اور اس کی تعلیمیں ذلیل اور حقیر ہو گئیں اور اس کے گروہ کو بڑی بھاری شکست آئی اسی جامعیت تامہ کی وجہ سے سورۂ آل عمران جزو تیسری میں مفصل یہ بیان ہے کہ تمام نبیوں سے عہد و اقرار لیا گیا کہ تم پر واجب و لازم ہے کہ عظمت و جلالیت شان خاتم الرسل پر جو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ایمان لاؤ اور ان کی اس عظمت اور جلالیت کی اشاعت کرنے میں بدل و جان مدد کرو۔ اسی وجہ سے حضرت آدم صفی اللہ سے لیکر تا حضرت مسیح کلمۃ اللہ جس قدر نبی و رسول گذرے ہیں وہ سب کے سب عظمت و جلالیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار کرتے آئے ہیں۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے توریت میں یہ بات کہکر کہ خدا سینا سے آیا اور سعیر سے طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے ان پر چمکا صاف جتلا دیا کہ جلالیت الٰہی کا ظہور فاران پر آ کر اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ اور آفتاب صداقت کی پوری پوری شعاعیں فاران پر ہی آ کر ظہور پذیر ہوئیں اور وہی توریت ہم کو یہ بتلاتی ہے کہ فاران مکہ معظمہ کا پہاڑ ہے جس میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جد امجد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سکونت پذیر ہوئے اور یہی بات جغرافیہ کے نقشوں سے بپایۂ ثبوت پہنچتی ہے اور ہمارے مخالف بھی جانتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں بجز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کوئی رسول نہیں اٹھا سو دیکھو حضرت موسے کیسی صاف صاف شہادت دے گئے ہیں کہ وہ آفتاب صداقت جو فاران کے پہاڑ سے ظہور پذیر ہوگا اس کی شعاعیں سب سے زیادہ تیز ہیں اور سلسلہ ترقیات نور صداقت اسی کی ذات جامع برکات پر ختم ہے۔ حضرت موسے کی پیشگوئی آنحضرت کی نسبت

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالیت و عظمت کا اقرار کر کے زبور پینتالیس میں یوں بیان کیا ہے۔ (۲) تو حسن میں بنی آدم سے کہیں زیادہ ہے تیرے لبوں میں نعمت بتائی گئی ہے اسی لئے خدا نے تجھکو ابد تک مبارک کیا (۳) اے پہلوان تو جاہ و جلال سے اپنی تلوار حمائل کر کے حضرت داؤد کی پیشگوئی آنحضرت کی نسبت

اور اپنے جہل اور عجز کا اقرار کرتا ہے۔ ایسا ہی ہر یک چیز کے انتہائی سوال پر اُسکو اپنی نادانی کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ اب ہم لکھتے ہیں کہ اگر پرمیشر کا بھی یہی حال ہے کہ اس کا علم بھی انسان کے علم کی طرح کسی حد پر آکر ٹھیر جاتا ہے اور اس حد مقررہ پر آکر اُس کو اپنے جہل و نادانی و ناتوانی کا اقرار کرنا پڑتا ہے تو بس پھر ہندوؤں کے پرمیشر کی ساری کیفیت معلوم ہوگئی اور ثابت ہوگیا کہ ہندوؤں کا فرضی پرمیشر علاوہ اور نقصان کے جاہل اور عاجز بھی ہے۔ لیکن اگر اس کا علم غیر محدود اور غیر منقطع ہے اور اس درجہ کاملہ کنہ اشیا تک پہنچا ہوا ہے جس درجہ پر کسی علم کا پہنچنا عامل ہونے کو مستلزم ہے تو خالقیت اُس کی خود ثابت ہے۔

بقیہ حاشیہ:۔ اپنی ران پر لٹکا (۴) امانت۔ اور حلم اور عدالت پر اپنی بزرگواری اور اقبال مندی سے سوار ہو کہ تیرا داہنا ہاتھ تجھے ہیبت ناک کام دکھلائے گا۔ (۵) بادشاہوں کے دلوں میں تیرے تیر تیزی کرتے ہیں لوگ تیرے سامنے گر جاتے ہیں (۶) اے خدا تیرا تخت ابدالاباد ہے (یہ فقرہ اسی مقام جمع سے ہے جو قرآن شریف میں کئی مقام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بولا گیا ہے) تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے (۷) تو نے صدق سے دوستی اور شر سے دشمنی کی اسی لئے خدا نے جو تیرا خدا ہے خوشی کے روغن سے تیرے مصاحبوں سے زیادہ تجھے معطر کیا بادشاہوں کی بیٹیاں تیری عزت والی عورتوں میں ہیں۔

اسی طرح حضرت یسعیاہ نبی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالیت وعظمت و مظہر تام الوہیت ہونے کے بارے میں اپنے صحیفہ کے باب بیالیس[۴۲] میں بطور پیش گوئی وحی پاکر یوں بیان کیا ہے۔ دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالوں گا میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے۔ میں نے اپنی روح اس پر رکھی وہ قوموں پر راستی ظاہر کریگا۔ وہ نہ گھٹے گا اور نہ تھکے گا جب تک راستی کو زمین پر قایم نہ کرے۔ بیابان اور اس کی بستیاں کیدار (یعنی عرب کے آباد دیہات جس سے مکہ معظمہ وغیرہ مراد ہیں) اپنی آواز بلند کریں۔ خداوند ایک بہادر کی مانند نکلیگا (خداوند سے مراد ظلی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کیونکہ وہ مظہر اتم الوہیت اور درجہ سوم قرب پر ہیں جیسا کہ کئی دفعہ ہم بیان کر چکے ہیں) وہ اپنے تئیں اپنے دشمنوں پر قوی دکھلائے گا۔ قدیم سے میں خاموش رہا ہوں اور ستایا اور آپ کو روکے گیا پر اب میں اس عورت کی طرح جو درد زہ میں ہو چلاؤں گا میں پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کر ڈالوں گا اور اندھوں کو اس راہ سے جسے وے نہیں جانتے لے جاؤں گا۔

حضرت یسعیاہ نبی کی پیش گوئی آنحضرت صلعم کی نسبت

ایسا ہی یوحنا نبی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت وعظمت ظاہر کرنے کے لئے بطور پیشگوئی گواہی دی جو انجیل متی باب سوم میں اس طرح پر درج ہے (۱۱) میں تو تمہیں توبہ کے لئے پانی سے بپتسما

حضرت یوحنا نبی کی پیشگوئی آنحضرت صلعم کی نسبت

پھر بعد اس کے ماسٹر صاحب اپنی ایک اور دانائی دکھلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب کہ پرمیشر نے دنیا کا کل جوڑنا جاڑنا کیا تو کیا وہ محیط نہ ہوا۔ اے ناظرین کیا تم اب بھی نہیں سمجھ سکتے۔ کہ ماسٹر صاحب کس قدر عالم و فاضل ہیں۔ اے صاحب اگر آپ کا پرمیشر معہ اپنے علم تام و قدرت کاملہ کے جس سے وہ کسی حالت میں الگ نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی چیزوں پر احاطہ تام رکھتا اور اُن کی کنہ تک اُس کا علم پہنچا ہوا ہوتا۔ اور اُن کے خواص کی کیفیت اور اُن کی قوتوں کی اصل ماہیت انتہائی درجہ پر اس کو معلوم ہوتی تو اس کی قدرت پر یہ پتھر کیوں پڑتے کہ صرف جوڑنے جاڑنے تک محدود رہتی کیا انتہائی درجہ کا علم انتہائی درجہ کے عمل کو نہیں چاہتا؟ کیا دنیا میں کبھی کسی نے دیکھا

بقیہ حاشیہ:۔ دیتا ہوں لیکن وہ جو میرے بعد آتا ہے مجھ سے قوی تر ہے کہ میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے لایق نہیں وہ تمہیں روح قدس اور آگ سے بپتسما دیگا۔ اس پیش گوئی پر محض نادانی کی راہ سے عیسائی لوگ خصومت کرتے ہیں کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ہے۔ مگر یہ دعوے سراسر باطل و بے بنیاد ہے۔ اول تو حضرت مسیح حضرت یوحنا کے ہمعصر تھے نہ کہ بعد میں آنے والے یا بعد میں ابنیت کا منصب پانے والے۔ ماسوا اسکے ہر یک شخص آزما سکتا ہے کہ دائی طور پر سچے طالبوں کو روح قدس اور آتش محبت سے بپتسما دینے والا آسمان کے نیچے صرف ایک ہی ہے یعنی جناب سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جس کے جلال تام کا حضرت مسیح اپنی پیشگوئیوں میں آپ اقرار کرتے ہیں۔ اور اسی روح کے بپتسما کی طرف اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں اشارہ بھی فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وایدھم بروح منہ یعنی خدائے تعالےٰ مومنوں کو روح قدس سے تائید کرتا ہے اور پھر فرماتا ہے صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ یعنی یہ خدا کا بپتسما ہے اور کون سا بپتسما اس سے بڑھ کر خوب تر ہے،

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو قوم روح القدس سے کسی وقت تائید دی گئی ہے وہ اب بھی دی جاتی ہے کیونکہ اب بھی وہی خدا ہے جو پہلے تھا اور قوم بھی وہی ہے جو پہلے تھی سو اگر حضرات عیسائیوں کو اس بات میں کچھ شک ہو کہ اس پیشگوئی کا مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں حضرت مسیح نہیں ہیں تو نہایت صاف اور سہل طریق فیصلہ کرنے کا یہ ہے کہ چالیس دن تک کوئی ایسے پادری صاحب جو اپنی قوم میں نہایت بزرگ اور روح قدس کا بپتسما پانے کے لایق خیال کئے جاتے ہوں اور ان کی بزرگواری اور خدارسیدہ ہونے پر اکثر عیسائیوں کو اتفاق ہو وہ اس امر کی آزمایش و مقابلہ کے لئے کہ روح قدس کی تائیدات سے کونسی قوم عیسائیوں اور مسلمانوں میں سے فیضیاب ہے کم سے کم چالیس دن تک اس عاجز کی رفاقت اور مصاحبت اختیار کریں پھر اگر کسی کرشمہ روح القدس کے دکھانے میں وہ غالب آجائیں

یاسنا کہ جس درجہ پر علم ہے عمل اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اب واضح رہے کہ ماسٹر صاحب کے اقوال فاسدہ کا خاتمہ مد اسی قول پر ہو گیا ہے۔ جس کو ابھی ہم رد کر چکے ہیں۔ والحمد للہ علی ما نصرنا واخزی اعداءنا وظہر الحق دھم کارھون۔

مختصر تقریر بطور خلاصہ مباحثہ

مختصر تقریر بطور خلاصہ مُباحثہ

ناظرین اس رسالہ کو پڑھ کر سمجھ سکتے ہیں کہ ماسٹر مرلیدھر صاحب کا اعتراض شق القمر پر کس قدر ۲۳۵
فضول اور دور از حق ہے کیونکہ اول تو یہ اعتراض اگر فرضی طور پر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے اور یہ قرار دیا جائے کہ اس آیت قرآنی کے دوسرے طور پر معنی ہیں تو ایسا قرار دینے سے کوئی بد اثر اسلام

بقیہ حاشیہ:۔ تو ہم اقرار کر لیں گے کہ یہ پیش گوئی حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ہے۔ اور نہ صرف اقرار بلکہ اس کو چند اخباروں میں چھپوا بھی دیں گے لیکن اگر ہم غالب آگئے تو پادری صاحب کو بھی ایسا ہی اقرار کرنا پڑیگا۔ اور چند اخباروں میں چھپوا بھی دینا ہو گا۔ کہ وہ پیش گوئی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نکلی مسیح کو اس سے کچھ علاقہ نہیں۔ بلکہ اس تصفیہ کے لئے ہماری صحبت میں بھی رہنا کچھ ضروری نہیں یہ عاجز عنقریب اس رسالہ کے بعد رسالہ سراج منیر کو انشاء اللہ القدیر چھپوانے والا ہے
وہ سب مضمون روح القدس کی تائید سے ہی بہم پہنچا ہے سو اب کوئی ایسا عیسائی جو قوم میں بزرگوار اور واقعی ۲۳۹
نیک بخت ہو اس کا مقابلہ کر کے دکھاوے ورنہ کون دانا ہے جو بے امتحان ان کی روح القدس کے بپتسما کا قائل ہو گا؏

چون گمانے کنم ایں جا مدد روح قدس ‏ ‏ کہ مرا در دل شاں دیو نظرے آید
ایں مدد ہاست در اسلام چو خورشید عیاں ‏ ‏ کہ بہر عصر مسیحائے دگرے آید

اب ہم پھر اصل کلام کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ شان جلیل وعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو مظہر اتم الوہیت ہے جیسے تمام نبی ابتدا سے بیان کرتے آئے ہیں ایسا ہی حضرت مسیح علیہ السلام نے اس شان عالی کا اقرار کیا ہے یہ اقرار جابجا انجیلوں میں موجود ہے بلکہ اسی اقرار کے ضمن میں حضرت مسیح علیہ السلام اقرار کرتے ہیں کہ میری تعلیم ناقص ہے کیونکہ ہنوز لوگوں کو کامل تعلیم کی برداشت نہیں مگر وہ روح راستی جو نقصان سے خالی ہے (یعنی سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جس کا قرآن شریف میں بھی نام حق آیا ہے) وہ کامل تعلیم لائے گا اور لوگوں کو نئی باتوں کی خبر دیگا۔ انجیل برنباس میں تو صریح نام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو محمد ہے درج ہے اور اس کے نہ ماننے کے لئے یہ ناکارہ عذر پیش کیا جاتا ہے۔ کہ مسلمانوں نے کسی زمانہ میں یہ نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کتاب برنباس میں

انجیل برنباس میں رسول اللہ صلعم کا نام لکھا ہے

پر نہیں پہنچ سکتا۔ اور اگر کچھ اثر ہو گا تو صرف یہی کہ ہزارہا معجزات میں سے ایک معجزہ بہ پایۂ ثبوت نہ پہنچ سکا۔ لیکن جس حالت میں صدہا شواہد قاطعہ حقیت اسلام پر موجود ہیں اور خود قرآن شریف اپنی ذات میں مجموعہ براہین و دلائل ہے تو پھر اگر عدم ثبوت شق قمر فرض بھی کر لیا جائے تو اس سے ہرج یا نقصان کیا ہوا۔ کیا اُن قرآنی معجزات کا کوئی کتاب جو الہامی کہلاتی ہے مقابلہ کر سکتی ہے جن سے ذاتی اعجاز قرآن شریف کا ثابت ہوتا ہے اور اُسکے روحانی خواص بپایہ ثبوت پہنچتے ہیں قرآن شریف توحید کامل اور پر زور بیان میں اپنے اصول کو معقول اور مدلل طور پر ثابت کرنے میں اخلاق فاضلہ کے تمام جزئیات کے لکھنے میں اخلاق ذمیمہ کے معالجات لطیفہ میں وصول الی اللہ کے تمام طریقوں کی توضیح میں نجات کی سچی فلاسفی ظاہر کرنے میں صفات

بقیہ حاشیہ:۔ درج کر دیا ہو گا یا خود کتاب تالیف کر دی ہو گی گویا مسلمان لوگ کسی رات کو اتفاق کر کے مسیحی کتب خانوں میں جا گھسے اور اپنی طرف سے برنباس کی انجیلوں میں جا بجا محمد نبی نام درج کر دیا یا خود یونانی یا عبرانی زبانوں میں اپنی طرف سے انجیل برنباس بنا کر اور کئی ہزار نسخے اس کے لکھ کر پوشیدہ طور پر جب کہ عیسائی سوتے تھے وہ کتابیں ان کے کتب خانوں میں رکھ آتے لیکن ایک انگریز فاضل عیسائی جس نے کچھ تھوڑا عرصہ ہوا قرآن شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے اس نے اپنے دیباچہ میں اس تقریر کے بیان میں کہ انجیل برنباس میں پیشگوئی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں موجود ہے یہ قصہ تحریر کیا ہے کہ برنباس کی انجیل پوپ پنجم کے کتب خانہ میں تھی اور ایک راہب جو اس پوپ کا دوست تھا اور مدت سے اس انجیل کی تلاش میں تھا وہ پوپ کی الماری میں جب کہ پوپ سویا ہوا تھا اس انجیل کو پا کر بہت خوش ہوا اور کہا کہ یہ میری وہ مراد ہے جو مدت کے بعد پوری ہوئی اور اس انجیل کو اپنے دوست پوپ کی اجازت سے لے گیا۔ اور نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھلا کھلا انجیل میں لکھا ہوا دیکھ کر مسلمان ہو گیا پس فاضل انگریز کی اس تحریر سے جو ہمارے پاس موجود ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ یہ کتاب پوپوں کے کتب خانوں میں چاروں انجیلوں میں شامل کر کے عزت کے ساتھ رکھی جاتی تھی تبھی تو ایسے ایسے بزرگ اور فاضل راہب اس انجیل کو پڑھ کر مسلمان ہوتے تھے۔

عیسائیوں کی شہادتیں کہ برنباکی انجیل میں آنحضرتؐ کے بارے میں پیش گوئیاں موجود ہیں۔

حاشیہ در حاشیہ: اس انگریز کا نام جارج سیل صاحب ہے جو اکابر علما عیسائیوں سے ہے ان کا ترجمہ قرآن شریف جو اُن کی طرف سے شایع ہو کر مطبع لندن فریڈرک وارن اینڈ کمپنی میں چھپا ہے اس کے پہلے دیباچہ میں مولف موصوف نے یہ عجیب تذکرہ کہ ایک بزرگ راہب انجیل برنباس پڑھ کر اور اس میں پیشگوئی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کھلے کھلے طور پر پا کر مسلمان ہو گیا تھا۔ اس طور سے (جو نیچے لکھا جاتا ہے) بیان کیا ہے

فرا میرنیو جو ایک عیسائی مانک یعنے ایک بزرگ راہب تھا وہ بیان کرتا ہے کہ اتفاقیہ مجھ کو ایک تحریر ایرنس حنا

فرامیرنو عیسائی راہب کا قصہ۔

کاملہ الٰہیہ کے اکمل واتم ذکر میں مبدء و معاد کے پرحکمت بیان میں روح کی خاصیتوں اور قوتوں اور
طاقتوں اور استعدادوں کے بیان میں حکمت بالغہ الٰہیہ کے تمام وسائل پر احاطہ کرنے میں تمام اقسام
کی صداقتوں پر مشتمل ہونے میں تمام مذاہب باطلہ کو عقلی طور پر رد کرنے میں حقوق عباد اللہ کے قایم ۲۲۲
کرنے میں تاثیرات و تنویرات روحانیہ میں۔ اور پھر باایں ہمہ فصیح اور بلیغ اور رنگین عبارت میں اُس
کمال کے درجہ تک پہنچا ہوا ہے۔ کہ ہر یک حصہ اُس کے بیان کا ان بیانات میں سے درحقیقت
معجزہ عظیمہ ہے جس کا مقابلہ نہ کوئی آریہ کر سکتا ہے نہ کوئی عیسائی اور نہ کوئی یہودی اور نہ کوئی
اور شخص جو کسی مذہب کا پابند ہے۔ اس جگہ بید سراسر بے ثمر ہے۔ اور توریت و انجیل سراسر بے اثر

بقیہ حاشیہ:۔ پادری صاحبوں نے مدت تک اپنی کتابوں میں جو ہندوستان میں آکر اردو
میں تالیف کیں اس انجیل کا کسی کتاب میں تذکرہ نہیں کیا۔ اور مسلمانوں اور ہندوؤں میں سے ایسے لوگ بہت

بقیہ حاشیہ در حاشیہ:۔ کی (جو ایک فاضل مسیحیوں میں سے ہے)، منجملہ اس کی اور تحریروں کے جن میں وہ پولوس کے
برخلاف ہے نظر سے گذری اس تحریر میں آیرینس صاحب (جو پولوس عیسائی کے مخالف ہیں) اپنے بیان کی صداقت
کی بابت انجیل برنباس کا حوالہ دیتے ہیں۔ تب میں اس بات کا نہایت شایق ہوا کہ انجیل برنباس کو میں بھی دیکھوں
اور اتفاقاً تقریب یہ نکل آئی کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم نے پوپ پنجم کا مجھ سے اتحاد و دوستانہ کرا دیا۔ ایک روز
جب کہ پوپ موصوف کے کتب خانہ میں ہم دونوں اکٹھے تھے اور پوپ صاحب سو گئے تھے میں نے دل بہلانے کو
ان کی کتابوں کا ملاحظہ کرنا شروع کیا۔ سو سب سے پہلے جس کتاب پر میرا ہاتھ پڑا وہ وہی انجیل برنباس تھی جس کا
میں متلاشی تھا اس کے مل جانے سے مجھے نہایت درجہ کی خوشی پہنچی اور میں نے یہ نہ چاہا کہ ایسی نعمت کو آستین
کے نیچے چھپا رکھوں تب میں پوپ صاحب کے جاگنے پر اُن سے رخصت ہو کر وہ آسمانی خزانہ اپنے ساتھ لے گیا جس کے ۲۴۰ ب
پڑھنے سے مجھے دین اسلام نصیب ہوا دیکھو صفحہ دہم سطر چہارم ترجمہ قرآن شریف جارج سیل صاحب۔
پھر صفحہ ۵۸ سطر ۲۴۔ اسی ترجمہ میں جارج سیل صاحب اپنے عیسائی تعصب کے جوش سے یہ بے دلیل اور
مہمل رائے لکھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ انجیل برنباس میں لفظ پیری قلیط (جس کا ترجمہ محمد ہے) مسلمانوں نے
داخل کر دیا ہوگا۔ مگر یقین کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب اصلی جعل مسلمانوں کا نہیں یعنی مسلمانوں نے اس میں صرف
اس قدر جعل کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی پیشگوئی بتصریح نام اس میں لکھ دی ہے۔ اور جعل یہ
اس لئے ٹھہرا کہ یہ پیش گوئی صریح صریح اس میں موجود ہے جس کا ماننا حضرات عیسائیوں کو کسی طرح سے منظور
ہی نہیں اور لطف یہ کہ آپ ہی اقراری ہیں کہ اس پیشگوئی کو پڑھ کر بڑے بڑے نیک بخت اور فاضل راہب ۲۴۱
مسلمان ہوتے رہے ہیں فتدبر۔ منہ

یہی وجہ ہے کہ کسی کتاب نے یہ دعوے نہیں کیا جو قرآن شریف نے کیا جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔ قل لئن اجتمعت الجن والانس علی ان یاتوا بمثل ھذا القراٰن لا یاتون بمثلہٖ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔ یعنی اُن کو کہہ دے کہ اگر سب جن وانس اس بات پر متفق ہو جائیں کہ قرآن کی کوئی نظیر پیش کرنی چاہئے تو ممکن نہیں کہ کر سکیں اگرچہ بعض بعضوں کی مدد بھی کریں۔ اور جو ۲۲۰
کچھ قرآن شریف کے ذاتی معجزات اس جگہ ہم نے تحریر کئے ہیں اگر کسی آریہ وغیرہ کو اپنے دل میں کچھ گھمنڈ یا سر میں کچھ غرور اور خیال ہو کہ یہ معجزہ نہیں ہے۔ بلکہ وید یا اس کی کوئی اور کتاب جس کو وہ الہامی سمجھتا ہے اس کا مقابلہ کر سکتی ہے تو اسے اختیار ہے کہ آزما کر دیکھ لے اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر کوئی مخالف ممتاز اور ذی علم لوگوں میں سے ان معجزات قرآنیہ میں سے کسی

بقیہ حاشیہ: کم ہونگے جن کو یہ معلوم ہوگا کہ عیسائیوں کے پاس ان چار انجیلوں کے علاوہ پانچویں انجیل بھی ہے جس کو پڑھ کر بڑے بڑے فاضل اور خدا ترس راہب مسلمان ہوتے رہے ہیں لیکن اب پادری صاحبوں نے اس قدر اپنے منہ سے اقرار کرنا شروع کر دیا ہے کہ محمد صاحب کا نام ہماری انجیل برنباس میں لکھا ہوا تو ضرور ہے مگر خیال کیا جاتا ہے کہ کسی مسلمان نے لکھ دیا ہوگا۔ چنانچہ پادری ٹھاکر داس نے بھی اپنی اظہار عیسوی کے صفحہ ۲۳۲ میں کسی قدر عبارت انجیل برنباس کی جس میں نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یعنی محمد رسول اللہ ایک پیش گوئی حضرت مسیح میں لکھا ہوا ہے۔ نقل کر کے آخر میں یہی ناکارہ اور فضول عذر پیش کر دیا ہے کہ یہ یا تو کسی عیسائی کا اور یا کسی مسلمان کا جعل ہے لیکن اب تک عیسائی لوگ مسلمانوں کے ان سوالات کے مدیون ہیں کہ وہ جعل کس مسلمان نے کیا۔ اور کب کیا اور کس کے روبرو کیا۔ اور کیوں وہ جعلی کتابیں پوپوں کے متبرک کتب خانوں میں الہامی کتابوں کے ساتھ بعزت تمام رکھی گئیں اور کیوں بڑے بڑے راہب اور فاضل پادری ان کتابوں کو پڑھ کر اور فی الحقیقت سچ سمجھ کر دین اسلام قبول ۲۴۲
کرتے رہے اگر در خانہ کس است حرفے بس است۔

حضرت مسیح کی عظیم الشان پیشگوئی آنحضرت صلعم کے حق میں

ایک بڑی پیش گوئی حضرت مسیح علیہ السلام کی جو انجیل متی باب ۲۱ میں لکھی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالیت نامہ اور مظہر تام الوہیت ہونے میں ان لوگوں کے لئے بڑا قوی ثبوت ہے جو ذرہ آنکھیں کھول کر اس پیشگوئی کو پڑھیں کیونکہ اس پیش گوئی میں جو آیت ۳۳ سے شروع ہوتی ہے ان تینوں قسموں کے قرب کی خوب ہی تصریح کی گئی ہے جن کا ثابت کرنا اس حاشیہ کا اصلی مدعا ہے۔ سو حضرت مسیح علیہ السلام نے ان نبیوں کو جو شریعت موسوی کی حمایت کے لئے ان سے پہلے آئے تمثیلی طور پر قرب کے درجہ میں بطور نوکروں کے بیان کیا ہے جو پہلا درجہ ہے۔ اور پھر اپنے تئیں قرب کے دوسرے درجہ کی اشارہ کر کے بیٹے کے لفظ سے اپنے اُس

معجزہ شق القمر سے انکار کرنا ایسا امر نہیں ہے کہ جس سے اسلام کو کچھ ضرر پہنچ سکے

معجزہ کا انکاری ہو اور اپنی کتاب الہامی میں زور مقابلہ خیال کرتا ہو تو ہم حسب فرمائش اس کے کوئی قسم اقسام معجزات ذاتیہ قرآن شریف میں سے تحریر کر کے کوئی مستقل رسالہ شائع کر دیں گے پھر اگر اس کی الہامی کتاب قرآن شریف کا مقابلہ کر سکے تو اسے حق پہنچتا ہے کہ تمام معجزات قرآنی سے منکر ہو جائے اور جو شرط قرار دی جائے ہم سے پوری کرلے ورنہ عناد اور کورباطنی کی وجہ سے معجزہ شق القمر سے انکار کرنا ایسا امر نہیں ہے کہ جس سے اسلام کے ایک بال کو بھی ضرر پہنچ سکے جب معجزات موجودہ قرآنیہ کا مخالفین سے رد نہیں ہو سکتا تو موجود کو چھوڑ کر ان معجزات کی بحث چھیڑنا جواب آنکھوں کے سامنے نہیں ہیں سراسر بے راہی ہے۔ ماسوا اس کے جس قدر ہم نے مقدمہ میں قانون قدرت کی تحقیقات میں لکھا ہے اس کے پڑھنے سے ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ شق القمر کا استبعاد عقلی درحقیقت ایسا نہیں ہے جیسا کہ نادان نیم حکیم خیال کرتے ہیں ابھی تک کسی عقل نے خواص قمری و شمسی پر احاطہ نہیں کیا اور نہ یہ ثابت کیا کہ خدائے تعالےٰ ان چیزوں کو بنا کر بکلی بے تعلق ہو گیا ہے اور اب یہ چیزیں اس سے باغی ہیں بلکہ خدائے تعالےٰ کے دونوں ہاتھ محو اور اثبات کے ابدی طور پر کھلے ہیں اور اپنی بے انتہا اور ناپیدا کنار قدرتوں سے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ عدم علم سے عدم شے لازم نہیں آتا جس حالت میں کرۂ ارض میں خاصیت زلازل و انشقاق و اتصال پائی جاتی ہے چنانچہ بعض گذشتہ زمانوں میں صدہا میل تک زمین منشق ہو کر تہ و بالا ہو گئی ہے اور اب بھی ایسے حوادث ظہور میں آتے رہتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ:۔ مقام قرب کو ظاہر فرمایا ہے۔ اور پھر تیسرا درجہ قرب کا جو مظہر اتم الوہیت ہے وہ شخص قرار دیا جو بیٹے کے مارے جانے کے بعد آئے گا۔ جو باغ کا مالک اور نوکروں کا آقا اور اس بیٹے کا باپ مجازی طور پر ہے *

یہ بات نہایت صاف طور پر ظاہر ہے کہ جس طرح نوکروں کے آنے اور بیٹے کے آنے سے مراد وہ نبی تھے جو وقتاً فوقتاً آتے گئے۔ اسی طرح اس تمثیل میں مالک باغ کے آنے سے بھی مراد ایک بڑا نبی ہے جو نوکروں اور بیٹے سے بڑھ کر ہے۔ جس پر تیسرا درجہ قرب کا ختم ہوتا ہے۔ وہ کون ہے۔ وہی نبی ہے جس کا اسی انجیل میں فارقلیط کے لفظ سے وعدہ دیا گیا ہے۔ اور جس کا صاف اور

* **حاشیہ در حاشیہ:**۔ بعض آثار میں آیا ہے کہ حضرت مریم صدیقہ والدہ حضرت مسیح علیہ السلام عالم آخرت میں زوجہ مطہرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوگی یہ قول غالباً اسی مناسبت بیٹے اور باپ سے پیدا ہوا ہے کہ جب عالم تمثیل میں حضرت مسیح آنحضرت کے بطور بیٹے کے ٹھیرے تو ان کی والدہ بطور زوجہ کے ہوئی۔ منہ

اور ان حوادث سے اس کی گردش میں کچھ بھی فرق نہیں آتا۔ تو پھر حوادث قمری پر کیوں تعجب کیا جائے۔ کیا ممکن نہیں کہ اس میں حکیم مطلق نے انشقاق و اتصال کی دونوں خاصیتیں رکھی ہوں جن کا ظہور اوقات مقررہ سے وابستہ ہو اور ازلی ارادہ سے وہی وقت ظہور مقرر ہو جب کہ ایک نبی سے ایسا ہی معجزہ مانگا گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کی قوت قدسیہ کے اثر سے دیکھنے والوں کو کشفی آنکھیں عطا کی گئی ہوں اور جو انشقاق قرب قیامت میں پیش آنے والا ہے اس کی صورت اُن کی آنکھوں کے سامنے لائی گئی ہو۔ کیونکہ یہ بات محقق ہے کہ مقربین کی کشفی قوتیں اپنی شدت حدت کی وجہ سے دوسروں پر بھی اثر ڈال دیتی ہیں۔ اس کے نمونے ارباب مکاشفات کے قصوں میں بہت پائے جاتے ہیں۔ بعض اکابر نے اپنے وجود کو ایک وقت اور ایک آن میں مختلف ملکوں اور مکانوں میں دکھلا دیا ہے باذن اللہ تعالےٰ اور اس جگہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ حال کی فلسفی تحقیقاتیں شہادت دے رہی ہیں کہ شق قمر نہ صرف ایک مرتبہ بلکہ مخفی طور پر یہ انشقاق و اتصال ہمیشہ شمس و قمر میں جاری ہے کیونکہ اس زمانہ کی فلاسفی اپنی مستحکم رائے ظاہر کرتی ہے کہ شمس و قمر میں ایسی ہی آبادی حیوانات و نباتات وغیرہ سے ہے جیسی زمین پر ہے اور یہ امر انشقاق و اتصال قمری کو ثابت کرنے والا ہے کیونکہ یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ جس کرہ میں حیوانات و نباتات وغیرہ پیدا ہوتے ہیں وہ اسی کرہ کا مادہ لیکر جسم پکڑتے ہیں۔ یہ نہیں کہ کسی دوسرے کرہ سے گاڑیوں اور چھکڑوں پر وہ مادہ جاتا ہے۔ اب جب کہ یہ

بقیہ حاشیہ۔ صریح نام محمدؐ رسول اللہ انجیل برنباس میں موجود ہے۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ مسیح جیسا ایک نبی قرب کے تینوں درجوں کے بیان کرنے میں صرف دو ٹکڑے اس میں سے بیان کر کے رہ جائے اور تیسرے ٹکڑہ کے مصداق کی طرف کچھ بھی اشارہ نہ کرے بے شک ہر یک عاقل اس پیش گوئی پر غور کر کے بہ یقین کامل سمجھ لے گا کہ یہ تین تمثیلیں تینوں قسم کے نبیوں کی طرف اشارات ہیں اور خود تین قسم کا قرب ایک ایسی ضروری اور رشاندار صداقت ہے کہ بجز اس خاص شخص کے جس کی عقل کو طوفان تعصب بکلی تحت الثریٰ میں لے گیا ہو ہر یک فرقہ اور قوم کا آدمی معارف یقینیہ سے سمجھتا ہے اور یہ بات کہ کیوں کر اور کس طرح معلوم ہوا کہ انسان کامل جو سب کاملین سے اکمل اور مظہر اتم مراتب الوہیت اور حقیقی طور پر درجۂ سوم قرب سے ممتاز ہے۔ وہ درحقیقت تمام بنی آدم میں سے ایک ہی ہے جو حضرت سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور باقی سب رسل وغیر رسل اس سے مراتب میں کم ہیں۔ ہاں بعض طبائع ظلی طور پر حسب اندازہ دائرہ استعداد اپنے کے اس کمال کو پاتے ہیں مگر حقیقی و اتم و اکمل و اشد و اجلیٰ و اصفیٰ و ارفع و اعلیٰ طور پر یہ کمال مرتبہ ثالثہ اسی کو حاصل ہے

مانناپڑا کہ کرہ قمری میں جس قدر حیوانات اپنے حرکت ارادے سے چلنے والے موجود ہیں اور ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان کا جسمی مادہ وہی ہے جو کسی وقت جرم قمر سے اتصال رکھتا تھا تو اس سے یہ بھی ماننا پڑا کہ جرم قمر کو ہمیشہ انشقاق لازم ہے اور پھر ان حیوانات کے مرجانے سے انشقاق کے بعد اتصال بھی لازم پڑا ہوا ہے۔ تو اب اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ اصل صورت انشقاق و اتصال کی ہر وقت قمر میں بلکہ شمس میں بھی موجود ہے ہاں ایک بزرگ نمونہ اس انشقاق و اتصال کا وہ واقعہ شق قمر ہے جس کا قرآن شریف میں ذکر ہے سو جب کہ خورد نمونہ کو فلسفی لوگ خود مانتے ہیں تو بزرگ سے انکار کرنے کی کیا وجہ ہے اصل بات تو فلسفیوں کے طریق پر بھی ثابت ہے کہ قمر اور شمس کی جرم میں انشقاق اور اتصال دونوں ہوتے رہتے ہیں اسی بنا پر تو ان دونوں کرہ میں حیوانات کی آبادی تسلیم کی گئی ہے تو پھر یہ کیسا جاہلانہ سیاپا ہے کہ پرمیشر شکت قمر پر قادر نہیں علاوہ اس کے ہم نے تاریخی طور پر مضبوط ثبوت دے دیا ہے کہ ضرور شق القمر وقوع میں آیا۔ یہ بھی بیان کر دیا گیا کہ اگر قرآن شریف میں یہ معجزہ خلاف واقع لکھا جاتا اور خلاف واقعہ اس کی اشاعت ہوتی تو ہرگز ممکن نہ تھا کہ مخالفین جن کی نسبت گواہ رویت ہونے کا الزام لگایا گیا۔ چپ رہتے ہم نے اس بحث میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ کتاب مہابھارت جس کی تالیف بیاس کی طرف منسوب کی جاتی ہے اس بات پر گواہی دیتی ہے کہ ایک زمانہ میں شق قمر ضرور ہوا تھا۔ اب ناظرین اپنی عقل و انصاف سے سوچ لیں کہ کیا یہ ثبوت جو ہم نے دیئے ہیں کچھ کم ہیں کیا تاریخی واقعات کے ثابت کرنے والے اس سے بڑھ کر

بقیہ حاشیہ:- اس سوال کے جواب میں ہم پہلے بھی کسی قدر تحریر کر آئے ہیں کہ وجدان صحیح اور دلائل معقولہ اس بات کو چاہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ جو واحد لاشریک ہے اور وحدت کو دوست رکھتا ہے وہ مصدر وحدت ہو یعنی اس کا طرز پیدائش متفرق اور پریشان طور پر نہ ہو۔ بلکہ اس نے مخلوقات کے تمام افراد کو ایک احسن انتظام وحدت سے ظہور پذیر کیا ہو اور اسی پر ہمارا ذاتی مشاہدہ بھی شہادت دے رہا ہے جب ہم چھوٹے چھوٹے کیڑوں سے لیکر انسان تک نظر پہنچاتے ہیں یا ہم ایک ایسے آدمی سے جس کی علمی و عملی قوتیں نہایت ہی ضعیف یا پرظلمت ہیں ایک اعلیٰ درجہ کی فطرت پر نگاہ ڈالتے ہیں تو تمام سلسلہ مخلوقات کا ہمیں یوں نظر آتا ہے۔ کہ گویا وہ ایک خط مستقیم عمودی ہے جس کی ایک طرف ارتفاع اور دوسری طرف انخفاض ہے سو ہمیں اس خط پر نظر ڈالنے سے بناچاری ماننا پڑتا ہے کہ یہ سلسلہ مخلوقات ادنیٰ مخلوق سے لیکر اعلیٰ مخلوق تک پہنچتا ہے اور اس عمدہ ترتیب سے یہ سلسلہ اوپر کو چڑھتا جاتا ہے کہ بعض حیوان درمیان میں ایسے آگئے ہیں کہ ان پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ انسان و حیوان میں برزخ ہیں مثلاً بندر۔

ثبوت دیا کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے آریوں کے اصول و عقائد پر اعتراض کیا ہے وہ بھی ناظرین کے آگے
۲۲۲ ہے۔ وید کی یہ تعلیم کہ خدائے تعالےٰ روحوں اور مواد کا خالق نہیں اور اس کی طرح ہر یک چیز خود بخود
اور قدیم اور واجب ہے، اور ہمیشہ کے لئے کسی کو نجات نہیں اس کے سب مفاسد ہم نے اس رسالہ میں
بیان کر دیئے ہیں اور اس کی رد کے دلائل اپنے ہاتھ سے لکھ دیتے ہیں اور ہم ہر ایک پر ظاہر کرتے ہیں کیا
کہ یہ نہایت بری تعلیم ہے کہ جو انسان کو اپنے خالق سے اصلی پیوند ہے اس کو بھی دور کرنا چاہتی ہے۔
چہ جائے کہ اس کو دوسرے پیوند کی خوش خبری دی ایسا ہی یہ لوگ وید کے بعد دنیا کے انتہا تک الہامات
الٰہیہ کے منکر ہیں یہ کس قدر مفسدانہ خیال ہے۔ نبی کا وجود اس لئے ہوتا ہے کہ تا وہ اپنے ظہور سے نقطہ
آخری ترقیات انسانیہ کا ظاہر کرے اور اپنے وجود سے دو طرفہ نمونہ صدق عبودیت و فضل ربوبیت
قایم کر کے سالکین و مجاہدین کی کمر ہمت مضبوط کرے اور ان کو اسی انتہائی کمال تک اپنے تعلقات سے
پہنچانا چاہے جس پر عنایت ایزدی نے اس کو قایم کیا ہے۔ لیکن یہ لوگ الہام کو جو کمالیت کی حقیقی
علامت ہے ویدوں تک محدود رکھتے ہیں۔ اور اگر کوئی آریہ ہمارے اس تمام رسالہ کو پڑھ کر پھر بھی
اپنی ضد کو چھوڑنا نہ چاہے اور اپنے کفریات سے باز نہ آئے تو ہم خدائے تعالےٰ کی طرف سے اشارہ
۲۲۳ پا کر اس کو مباہلہ کی طرف بلاتے ہیں۔ مذہب کی جڑ خدا شناسی اور معرفت نعماء الٰہی ہے اور اس کی
شاخیں اعمال صالحہ اور اُس کے پھول اخلاق فاضلہ ہیں اور اُس کا پھل برکات روحانیہ اور نہایت بکیف

بقیہ حاشیہ۔ اور یہ دقیقہ کہ تمام کامل انسانوں میں سے ایک ہی اکمل و اتم انسان پر اختتام سلسلہ
کائنات ہوتا ہے یہ ایک ایسے دائرہ کے کھینچنے سے جو دو قوسوں پر مشتمل ہو سمجھ میں آسکتا ہے۔ ہم پہلے
بیان کر چکے ہیں کہ وجود واجب و ممکن جس تناسب سے روحانی طور پر واقعہ ہے اگر اس امر معقول کو ایک
صورت محسوسہ میں دکھلایا جائے تو ایک ایسے دائرہ کی شکل نکل آئیگی جس کا انقسام دو قوسوں پر ہوگا۔

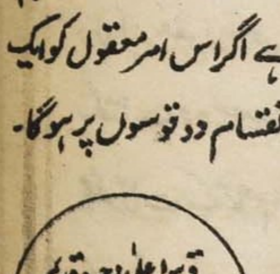

جن میں سے ایک قوس اعلےٰ اور دوسرا قوس ادنیٰ ہوگا اس طرح پر
قوس اعلےٰ تقسیم و انقسام سے بکلی منزہ اور درک عقل و فہم و قیاس و گمان سے
بالاتر ہے لیکن قوس ادنیٰ جو موجودات ممکن الوجود کا قوس ہے وہ باعتبار
شدت و ضعف و زیادت و نقصان مراتب متفاوتہ و مختلفہ پر مشتمل ہے۔ کیونکہ
یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ انسانی ترقیات کا پیرا سلسلہ ونزر کے کسی ایک ہی نقطہ پر ختم نہیں ہو سکتا وجہ
یہ کہ جس نقطہ فطرتیہ سے کوئی نفس اوپر کو ترقی کرنا شروع کریگا اس کی سیدھی رفتار اسی نقطہ انتہائی تک
ہوگی۔ جو اس کی جبلت اور استعداد کے پیش رو پڑا ہوا ہے۔ اب فرض کرو کہ مثلاً نقاط ج د ب الٰی آخر

انیسویں و ستائیسویں شکل مقالہ اول اقلیدس سے ثبوت

محبت ہے، جو رب اور اس کے بندہ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس پھل سے متمتع ہونا روحانی تقدس و پاکیزگی کا مثمر ہے۔

ترکِ خوبی مے کناند خوب تر — عشق را در راں بود عشق دگر
شیر با شیرے نماید زور تن — می تواں آہن بآہن کوفتن
گر غریق اندر نجاست ہا تن — رو بدریائے در آ و غوطہ زن

کمالیت محبت کمالیت معرفت سے پیدا ہوتی ہے۔ اور عشق الٰہی بقدر معرفت جوش مارتا ہے۔ اور جب محبت ذاتیہ پیدا ہو جاتی ہے تو وہی دن نئی پیدائش کا پہلا دن ہوتا ہے۔ اور وہی ساعت نئے عالم کی پہلی ساعت ہوتی ہے۔ لیکن وید خداشناسی کے بارے میں نہایت درجہ کا ناقص اور رہزن ہے اور نعمائے الٰہی کے بیان کرنے میں بغایت درجہ قاصر ہے۔ کیونکہ وہ خدائے تعالےٰ کے اصل رحم اور فضل سے بکلی منکر ہے۔ اور بجز ثمرۂ اعمال اس کی کسی نعمت اور رحمت کا قائل نہیں۔ یہاں تک کہ چاند اور ۲۳۳
سورج اور زمین وغیرہ اجزائے ضروریہ اولیہ عالم کے وید کے رو سے خدا تعالیٰ کی ذاتی و اصلی رحمت نہیں بلکہ یہ بھی کسی آریہ کے نیک عمل کی وجہ سے ہر یک نئی دنیا میں خواہ نخواہ پرمیشر کو پیدا کرنی پڑتی ہیں غرض وید کے رو سے پرمیشر میں اپنی ذاتی رحمت کا نام و نشان نہیں جو کچھ آسمان و زمین میں نظر آتا ہے وہ آریوں کے نیک عملوں کی وجہ سے پیدا ہو گیا مگر پرمیشر کی اس میں بڑی بھاری غلطی یہ ہے

وید خداشناسی کے بارے میں نہایت درجہ کا ناقص ہے

بقیہ حاشیہ نمبر استعدادات مختلفہ انسانیہ کے فطرتی نقطے میں نقاط ع ص ط م تک جو ان کے پیش رو نقاط پڑے ہیں جن کی طرف وہ بخط مستقیم قدم بڑھا سکتے ہیں۔ ترقی کریں تو خطوط مستقیمہ ترقی کی اپنی ۲۴۶
عمودی حالت میں وتر کے ان ان نقاط کو جا ملیں گے جو ٹھیک ٹھیک ان کے محاذات میں پڑے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سفلی قوس میں ایک نقطہ ایسا بھی ضرور ہے کہ جو ٹھیک ٹھیک نقطہ مرکز کے محاذ ہے۔ اب فرض کرو کہ وہ نقطہ ج ہے جو مرکز ع کے محاذ ہے اسی طرح نقطہ د کا خط ص اور نقطہ ب کا خط ط اور نقطہ آ کا خط م کا محاذ ہے جب کہ یہ امر بہ بداہت ظاہر ہے تو اب ہم کہتے ہیں کہ ثبوت ہندسہ سے باستعانت انیسویں[19] شکل مقالہ اول تحلیدس و بیسویں شکل مقالہ مذکورہ بپایۂ صداقت پہنچ سکتا ہے۔ کہ اگر کسی طرف محیط کے کئی نقاط فرض کر کے قطر دائرہ تک خطوط مستقیمہ عمودی حالت میں کھینچے جائیں تو سب سے بڑا وہ خط مستقیم ہوگا جو نقطہ مرکز تک پہنچیگا۔ اور یہ امر اس بات کو ثابت کرنے والا ہے کہ نقطہ مرکز تمام نقاط وتر قوسین کی نسبت جو ترقیات انسانیہ کے انتہائی نشان ہیں ارفع و اعلےٰ ہے پس اس سے بالضرورت ماننا پڑتا ہے کہ جس قدر مختلف استعدادیں قوس بشریت میں داخل ہیں۔

نوٹ حاشیہ در حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

کہ وہ زمین اور چاند و سورج وغیرہ کو پیدا تو کرے صرف آریوں کے نیک عملوں کی وجہ سے اور پھر دوسرے
ملکوں کے لوگوں کو بھی اس ہندوؤں کے حق خاص میں شریک کر دے۔ کیسا ظلم ہے؟ ایسا ہی ویدنے
اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کے بیان سے فراغت کر رکھی ہے آریہ لوگوں کے شتر بے مہار رہنے کی
۳۵ یہی وجہ ہے کہ عبودیت اور پرستش کے پاک طریقے اور تزکیہ و تصفیہ نفس کی خالص تدبیریں وید میں ہرگز
نہیں ہیں۔ پرستش کی جڑھ تلاوت کلام الٰہی ہے کیونکہ محبوب کا کلام اگر پڑھا جاوے یا سنا جائے تو
ضرور سچے محب کے لیے محبت انگیز ہوتا ہے اور شورش عشق پیدا کرتا ہے۔ مگر آریہ لوگ اس سے کوسوں
دور ہیں۔ اگر وید کو پڑھیں تو انہیں اس کی حقیقت بھی معلوم ہو اب تو ان کی پرستش یہی ہے کہ وہ
ناحق گھی وغیرہ چیزوں کو ہوم کے خیال سے آگ پر برباد کرتے ہیں۔ اگر یہ چیزیں کسی کو کھانے کو دے
دیں تب بھی کچھ بات ہو۔ برکات روحانیہ و محبت دو طرفہ کا تو کیا ذکر کریں اس نعمت سے تو متمتع ہونا
تو وید کے رشیوں کی نسبت بھی ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ وہ کون تھے کیا نام
تھا کس شہر میں رہا کرتے تھے اور کس عمر میں الہام پایا تھا۔ اور اُن کے ملہم ہونے کے کیا کیا ثبوت ہیں
۲۳۶ یہ جو سنایا جاتا ہے کہ انکا نام اگنی و دایو یعنے آگ و ہوا وغیرہ تھا یہ سب بناوٹی باتیں ہیں جیسا کہ منشی
اندرمن صاحب مراد آبادی بھی اپنے رسالہ آریو پرکاش میں اس کے قائل ہیں ہندوؤں کو آگ وغیرہ
اپنے دیوتاؤں سے بہت پیار رہا ہے۔ اور رگوید کی پہلی شرتی اگنی سے ہی شروع ہوتی ہے۔ سو جن چیزوں

بقیہ حاشیہ:۔ ان میں سے صرف ایک ہی ایسی استعداد ہے جو سب استعدادات کی نسبت
بلند تر و کامل تر ہے۔

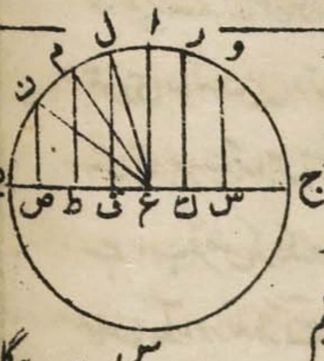

حاشیہ در حاشیہ:۔ فرض کرو کہ دائرہ ا ب س ج کے قوس ب
ا ج میں نقاط و و ر و ا و ل و م و ن سے خطوط مستقیم و س اور ر ک و
ا ع و ل ی و م ط و ن ص ج ب قطر کے نقاط س و ک و ع و ی و
ط و ص تک عمودی حالت میں کھینچے ہوئے ہیں اور ان میں ا ع وہ خط مستقیم
۲۴۷ ہے جو مرکز ع تک کہ نقطہ ا کا محاذے کھینچا ہوا ہے اب ہم ثابت کریں گے کہ ان خطوط میں سب سے بڑا ا ع ہوگا
جو مرکز تک کھینچا ہوا ہے ملاؤ ع ل و ع م و ع ن بموجب فرض کے زاویہ ق قائمہ ہے تو بحکم ۳۲ ش م ا
زاویہ ل ع ق حادہ ہوا اس لئے بحکم ۱۹ ش م ا کے ضلع ل ع بڑا ہوا ضلع ل ق سے اور بموجب فرض
۲۴۸ کے زاویہ ق و ط ہر ایک قائمہ ہے اس لئے بحکم ۴۷ ش م ا مربع ع ل برابر ہوا مربع ل ق اور ق ع
کے اور مربع ع م کا برابر ہے مربع ع ط اور ط م کے۔

آنحضرت صلعم کی شان کو سب سے اعلیٰ اور ابلغ از روئے علم ہندسہ ثابت کیا گیا ہے

سے وہ پیار کرتے تھے انہیں چیزوں پر ویدوں کا نازل ہونا تھاپ دیا۔ ورنہ ویدوں میں تو کہیں نہیں لکھا کہ حقیقت میں ایسے چار آدمی کسی ابتدائی زمانہ میں گذرے ہیں اور انہیں پر وید نازل ہوئے ہیں اور اگر لکھا ہے تو پھر آریوں پر واجب ہے، کہ ویدوں کے رو سے ان کا ملہم ہونا اور اُن کی سوانح عمری کسی رسالہ میں چھپوا دیں۔ آریوں کا یہ اعتقادی مسئلہ ہے کہ ابتدائے دنیا میں نہ صرف ایک دو آدمی بلکہ کروڑہا آدمی مختلف ملکوں میں مینڈکوں کی طرح زمین کے بخار سے پیدا ہو گئے تھے اُن میں سے آریہ دیس کے چار رشی ملہم اور باقی سب مخلوقات الہام سے بے نصیب اور اُن ملہموں کے حوالے کر دی گئی تھی۔ اس صورت میں ضرور لازم آتا ہے کہ اپنے ملہموں کی تمیز و شناخت کے لئے پرمیشر نے ان رشیوں کو کوئی ایسے نشان دیئے ہوں جن سے دوسرے لوگ جو اسی زمانے میں پیدا ہوئے تھے ان کو شناخت کر سکیں اور اگر ایسے نشان دیئے تھے تو وید میں سے ثابت کرنے چاہئے اور یقیناً سمجھنا چاہیئے کہ یہ بھی نری لاف ہے، کہ وید کے رشی تمام ممالک کی اصلاح کے لئے مامور ہوئے تھے اگر ایسا ہوتا تو وید میں ضرور یہ لکھا ہوتا کہ کبھی وہ رشی اپنی چار دیوار آریہ دیس سے نکل کر کسی دور دراز ملک میں وعظ کرنے کے لئے گئے تھے۔ وید میں امریکہ کا کہاں ذکر ہے افریقہ کا نشان کہاں پایا جاتا ہے یورپ کے مختلف ملکوں اور حصوں سے وید کو کب خبر ہے۔ بلکہ ایشیائی ملکوں کی اطلاع سے بھی وید غافل ہے۔ اور اس کے پڑھنے سے جابجا صاف معلوم ہوتا ہے کہ پرمیشر کی ہمگی تمامی جائداد ہندوستان یعنی آریہ دیس ہی ہے

بقیہ حاشیہ:۔ اور ثبوت اس بات کا جو صاحب اُس استعداد کامل کا اصلی و حقیقی طور پر جناب سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان پیشگوئیوں سے ہو سکتا ہے جن میں سے بعض کو ہم نے اسی حاشیہ میں لکھدیا ہے۔ اور نیز ایک عمدہ ثبوت اس بات کا قرآن شریف سے بھی مل سکتا ہے کیونکہ کمالیت وحی حسب کمالیت مورد وحی ہوا کرتی ہے۔ جس قدر کسی مورد وحی کی استعداد بلند ہوتی ہے جو ہر فطرت مصفا ہوتا ہے جذبات محبت نمایاں ہوتے ہیں اور حرکت شوقیہ میں تیزی اور گرمی ہوتی ہے اور وفا اور صدق میں قیام اور استحکام ہوتا ہے۔ اسی قدر اس کی وحی میں کمال ہوتا ہے اب ہماری طرف سے یہ دعوے ہے جسکو ہم بمقابل ہر یک فریق کے ثابت کرنے کو تیار ہیں۔ کہ وحی قرآنی اپنی تعلیم اور اپنے معارف اور برکات اور علوم میں اکر

بقیہ حاشیہ در حاشیہ:۔ چونکہ بحکم ۵ اصدم ۱) خط مستقیم ع ل برابر ہے ع م کے اس لئے مربع ع ق اق ل کا برابر ہوا مربع ع ط اور م ط اور ظاہر ہے کہ خط ع ق چھوٹا ہے ع ط سے اسلئے مربع ل ق بڑا ہو مربع م ط سے پس خط مستقیم ل ق بڑا ہو خط مستقیم م ط کی اسطرح ثابت ہو سکتا ہے کہ م ط بڑا ہے ن ص سے علیٰ ہذا القیاس ثابت ہو سکتا ہے اع بڑا ہے رک سے اور رک بڑا ہے و س سے پس ثابت ہوا کہ اع جو مرکز تک کھینچا ہوا ہے سب خطوط سے بڑا ہے یہی ہمارا دعوے تھا فقط منہ

ویدکے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ پرمیشر کی تمامی جائداد آریہ دیس ہی ہے
کمالیت وحی جب کمالیت مورد وحی ہوا کرتی ہے۔

بھلا اگر ہم ان تمام باتوں میں سچے نہیں ہیں تو ویدوں کے رو سے یہ ثابت کرنا چاہئے کہ کسی وید کے رشیوں نے آریہ دیس سے باہر قدم رکھکر اور ویدوں کو اپنی بغل میں لے کر غیر ممالک کا بھی سفر کیا تھا یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی پنڈت دیانند بھی ثابت نہ کر سکا اب عجیب طور پر وید کے پرمیشر کا ظلم ثابت ہوتا ہے۔ کہ ایک طرف تو وید صاف اقراری ہے کہ دنیا کی ابتدا میں متفرق طور پر متفرق ممالک میں نوع انسان زمین سے پیدا ہو گئے تھے۔ اور اُن سب کی اصلاح کے لئے وید آئے تھے اور پھر دوسری طرف یہ عجیب وید کچھ ثبوت ہاتھ میں نہیں پکڑاتا کہ کب اور کس وقت ویدوں کے رشی دوسرے ملکوں میں سمجھانے کے لئے گئے تھے یا اپنے خط بھیجے تھے یا پیغام پہنچانے سے شرط تبلیغ پوری کی تھی یا وید میں وصیت کر گئے تھے کہ فلاں فلاں ملک اور بھی ہیں ان میں جاؤ اور وید کی تعلیم کو اُن ملکوں میں پھیلاؤ سو جب کہ ثابت ہے کہ ویدوں نے دوسرے ملکوں سے کبھی کچھ غرض نہیں رکھی سو اس سے آریوں کی زبان درازی کا اندازہ کر لینا چاہئے کہ وہ وید کے چار نا معلوم رشیوں کے مقابل خدائے تعالٰے کے ہزارہا پاک نبیوں کو جو مختلف ممالک میں ہوئے ہیں جن کی روشنی زمین پر آفتاب شعاع کی طرح پھیل گئی۔ مکار اور فریبی اور ٹھگ کے نام سے موسوم کرتے ہیں ان میں سے کوئی بھلا مانس یہ خیال نہیں کرتا کہ اول تو حکمت اور رحمت عامہ خدائے تعالٰے سے یہ بہت بعید ہے کہ قدیم سے اور ازل سے ابد تک ایک خاص اور محدود جگہ سے بے وجہ تعلق پیدا کر کے ہزارہا ممالک وسیعہ کو اپنے الہام اور کلام سے اور براہ راست فیضیاب ہونے سے ہمیشہ کے لئے محروم رکھے ہاں سوا اس کے یہ کس قدر سکھا شاہی ظلم ہے کہ اس عجیب العقل پرمیشر نے تمام ہدایتوں کو وید میں محدود رکھکر

بقیہ حاشیہ:۔ یک وحی سے اقویٰ و اعلیٰ ہے۔ اور اس کے اثبات میں کسی قدر ہم کتاب براہین میں لکھ بھی چکے ہیں۔ اور اکثر حصہ اس کتاب کا جو انشاء اللہ رسالہ سراج منیر کے بعد چھپنا شروع ہوگا انہیں ثبوتوں سے بھرا ہوا ہے اور ہم نے اپنی کتاب براہین میں جس کے ساتھ دس ہزار روپیہ کا اشتہار ہے نہایت معقول اور مدلل طور پر ثابت کر دیا ہے۔ کہ فی الحقیقت قرآن شریف اپنے معارف اور حکمتوں اور پر برکت تاثیروں اور بلاغتوں میں اس حد تک پہنچا ہوا ہے جس تک پہنچنے سے انسانی طاقتیں عاجز ہیں اور جس کا مقابلہ کوئی بشر نہیں کر سکتا اور نہ کوئی دوسری کتاب کر سکتی ہے اور حقیقی اور کامل معجزہ اپنے نبی کریم کی رسالت ثابت کرنے کے لئے یہی بڑا بھاری معجزہ اہل اسلام کے ہاتھ میں ہمیشہ کے لئے قیامت تک ہے، جواب بھی ایسا ہی تازہ بتازہ موجود ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھا اور اب بھی مخالفوں کو ایسا ہی لاجواب اور رسوا کر رہا ہے جیسے وہ پہلے کرتا تھا۔ اب اس تمام تقریر کا مدعا و خلاصہ یہ ہے کہ عند العقل قرب الٰہی

اور اپنے کلام اور الہام کو وید پر ختم کر کے پھر منہ کھول کر ان رشیوں کو یہ ہدایت نہ دی کہ دنیا میں میرے اور بندے بھی ہیں جن میں کوئی اَور نبی میری طرف سے پیدا نہیں ہو سکتا کیونکہ خاص تم چاروں سے ہی ہمیشہ کے لئے میرا یارانہ ہے۔ سو تم اُن ملکوں میں بھی جاؤ اور وید کو ساتھ لے جاؤ سو نہ تو اس پرمیشر نے اپنے رشیوں کو یہ ہدایت دی اور نہ دوسرے ملکوں پر کبھی مستقل طور پر رحمت کی۔ ہزاروں اور لاکھوں ان میں مکار اور فریبی تو آئے مگر صادق منجانب اللہ ملہم ہو کر ایک بھی نہ آیا۔ کیا یہ ایسا خیال ہے کہ کسی راستباز کا نور قلب اُس کو قبول کر سکتا ہے؟ کیا خدائے تعالیٰ جو رب العالمین ہے اس کی یہی سیرت و صفت ہونی چاہئے؟ دیکھو اسکے مقابل پر کیا ہی سچا اور پر صداقت و انصاف قول ہے جو قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وان من امۃ الا خلا فیہا نذیر یعنی کوئی ملک آباد نہیں جس میں پیغمبر اور مصلح نہیں گذرا۔ اور نیز فرماتا ہے اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتہا یعنی عادت اللہ قدیم سے یہی جاری ہے۔ کہ جب زمین مرجاتی ہے تو اسے نئے سرے سے زندہ کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک ہی بارش پر ہمیشہ کے لئے کفایت کرے خیال کرنا چاہئے کہ یہ کیسی اعلیٰ درجہ کی صداقت ہے جو الہامات تازہ بتازہ کا کبھی دروازہ بند نہیں ہوتا۔ لیکن وید کے رو سے تو کروڑہا برس ہوئے کہ وہ بند ہوگیا اور اب اُس کے پرانے کاغذات پنڈتوں کے چرکین اور پر آلائش بستوں میں دبے پڑے ہیں جنکو کچھ تو نفسانی تحریفوں کے کیڑے نے کھالیا اور کچھ وہ پہلے ہی سے بودی اور سوا خدا اور فطرتی عفونتوں کو ساتھ رکھتے ہیں۔

الہامات کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا

اب ہم اپنی پہلی کلام کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ وید برکات روحانیہ اور محبت الٰہیہ تک پہنچانے سے قاصر اور عاجز ہے۔ اور کیونکر قاصر و عاجز نہ ہو وہ وسائل جن سے یہ نعمتیں حاصل ہوتی

وید برکات روحانیہ اور محبت الٰہیہ تک پہنچانے سے قاصر اور عاجز ہے

بقیہ حاشیہ۔ کے مراتب تین قسم پر منقسم ہیں۔ اور تیسرا مرتبہ قرب کا جو مظہر اتم الوہیت اور آئینہ خدا نما ہے حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسلم ہے جس کی شعاعیں ہزارہا دلوں کو منور کر رہی ہیں اور بے شمار سینوں کو اندرونی ظلمتوں سے پاک کر کے نور قدیم تک پہنچا رہی ہیں۔ وللہ در القائل

محمد عربی بادشاہ ہر دو سرا — کرے ہے روح قدس جسکے در کی دربانی
اسے خدا تو نہیں کہہ سکوں پہ کہتا ہوں — کہ اسکی مرتبہ دانی میں ہے خدا دانی

کیا ہی خوش نصیب وہ آدمی ہے جس نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشوائی کے لئے قبول کیا اور قرآن شریف کو رہنمائی کے لئے اختیار کر لیا۔ اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین الحمد للہ الذی ہدی قلبنا لحبہ ولحب رسولہ و جمیع عبادہ المقربین

ہیں یعنی طریقہ حقہ خداشناسی و معرفت نعماء الٰہی و بجاآوری اعمال صالحہ و تحصیل اخلاق مرضیہ و تزکیہ نفس عن رزائل نفسیہ ان سب معارف کے صحیح اور حق طور پر بیان کرنے سے وید بکلی محروم ہے کیا کوئی آریہ صفحۂ زمین پر ہے کہ ہمارے مقابل پر ان امور میں وید کا قرآن شریف سے مقابلہ کر کے دکھلاوے؟ اگر کوئی زندہ ہو تو ہمیں اطلاع دے۔ اور جس امر میں امور دینیہ میں سے چاہے اطلاع دے۔ تو ہم ایک رسالہ بالتزام آیات بینات و دلائل عقلیہ قرآنی تالیف کر کے اس غرض سے شایع کر دیں گے کہ تا اسی التزام سے وید کے معارف اور اس کی فلاسفی دکھلائی جائے اور اس تکلیف کشی کے عوض میں ایسے وید خوان کے لیے ہم کسی قدر انعام بھی کسی ثالث کے پاس جمع کر دیں گے جو غالب ہونے کی حالت میں اس کو ملے گا۔ شرط یہی ہے کہ وہ ویدوں کو پڑھ سکتا ہو تا ہمارے وقت کو ناحق ضایع نہ کرے۔

جاننا چاہیئے کہ جو شخص حق سے اپنے تئیں آپ دور لے جاوے اس کو ملعون کہتے ہیں۔ اور جو حق کے حاصل کرنے میں اپنے نفس کی آپ مدد کرے اُس کو مقرون کہتے ہیں۔ اب ہمارے مقابل پر مقرون یا ملعون بننا آریوں کے ہاتھ میں ہے اگر کوئی باتمیز آریہ جو ویدوں کی حقیقت سے خبر رکھتا ہو موازنہ و مقابلہ وید و قرآن کی نیت سے تین ماہ کے عرصہ تک میدان میں آ گیا اور ہماری طرف سے جو رسالہ بحوالہ آیات و دلائل قرآنی تالیف ہو وید کی شرتیوں کے رو سے اس نے رد کر کے دکھلا دیا۔ تو اس نے وید اور وید کے پیرؤں کی عزت رکھ لی اور مقرون کے معزز خطاب سے ملقب ہو گیا لیکن اگر اس عرصہ میں کسی وید دان نے تحریک نہ کی تو وہ خطاب جو مقرون کے مقابل پر ہے سب نے اپنے لئے قبول کر لیا۔ اور اگر پھر بھی باز نہ آویں تو آخر الحیل مباہلہ ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارت کر آئے ہیں۔ مباہلہ کے لئے وید خوان ہونا ضروری نہیں ہاں باتمیز اور ایک باعزت اور نامور آریہ ضرور چاہیئے۔ جس کا اثر دوسروں پر بھی پڑ سکے سو سب سے پہلے لالہ مرلیدھر صاحب اور پھر لالہ جیون داس صاحب سکرٹری آریہ سماج لاہور اور پھر منشی اندرمن صاحب مراد آبادی اور پھر کوئی اور دوسرے صاحب آریوں میں سے جو معزز اور ذی علم تسلیم کئے گئے ہوں مخاطب کئے جاتے ہیں

بقیہ حاشیہ بت تا بر دلم نظر شد از مہر ماہ مارا | کر دست سیم خالص قلب سیاہ مارا
لطف عمیم دلبر ہر دم مرا بخواند | ہرچند می زنند ایں اغیار راہ مارا
در کوئی دلستانم چوں خاک کو شبِ روز | دیگر نشاں چہ باشد اقبال جاہ مارا

کہ اگر وہ وید کی ان تعلیموں کو جن کو کسی قدر ہم اس رسالہ میں تحریر کر چکے ہیں فی الحقیقت صحیح اور سچ سمجھتے ہیں اور اُن کے مقابل جو قرآن شریف کے اصول و تعلیمیں اسی رسالہ میں بیان کی گئی ہیں ان کو باطل اور دروغ خیال کرتے ہیں تو اس بارہ میں ہم سے مباہلہ کر لیں اور کوئی مقام مباہلہ کا برضامندی فریقین قرار پا کر ہم دونوں فریق تاریخ مقررہ پر اس جگہ حاضر ہو جائیں اور ہر یک فریق مجمع عام میں اٹھ کر اس مضمون مباہلہ کی نسبت جو اس رسالہ کے خاتمہ میں بطور نمونہ اقرار فریقین قلم جلی سے لکھا گیا ہے۔ تین مرتبہ قسم کھا کر تصدیق کریں کہ ہم فی الحقیقت اس کو سچ سمجھتے ہیں اور اگر ہمارا بیان راستی پر نہیں تو ہم پر اسی دنیا میں وبال اور عذاب نازل ہو۔ غرض جو جو عبارتیں ہر دو کاغذ مباہلہ میں مندرج ہیں جو جانبین کے اعتقاد ہیں بحالت دروغ گوئی عذاب مترتب ہونے کی شرط پر اُن کی تصدیق کرنی چاہیئے اور پھر فیصلہ آسمانی کے انتظار کے لئے ایک برس کی مہلت ہوگی پھر اگر برس گذرنے کے بعد مؤلف رسالہ ہذا پر کوئی عذاب اور وبال نازل ہوا یا حریف مقابل پر نازل نہ ہوا تو ان دونوں صورتوں میں یہ عاجز قابل تاوان پانسو روپیہ ٹھہرے گا جسکو برضامندی فریقین خزانہ سرکاری میں یا جس جگہ بآسانی وہ روپیہ مخالف کو مل سکے داخل کر دیا جائے گا۔ اور درحالت غلبہ خود بخود اس روپیہ کے وصول کرنے کا فریق مخالف مستحق ہوگا اور اگر ہم غالب آئے تو کچھ بھی شرط نہیں کرتے کیونکہ شرط کے عوض میں وہی دعا کے آثار کا ظاہر ہونا کافی ہے اب ہم ذیل میں مضمون ہر دو کاغذ مباہلہ کو لکھ کر رسالہ ہذا کو ختم کرتے ہیں و باللہ التوفیق

نمونہ مضمون مباہلہ از جانب مولف رسالہ ہٰذا ۵۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بعد حمد و صلوٰۃ میں عبداللہ الاحد الصمد احمد ولد میرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم (جو مولف کتاب ۵
براہین احمدیہ ہوں) حضرت خداوند کریم جل شانہٗ وعزاسمہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے
اکثر حصہ اپنی عمر عزیز کا تحقیق دین میں خرچ کر کے ثابت کر لیا ہے کہ دنیا میں سچا اور منجانب اللہ
مذہب دین اسلام ہے۔ اور حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالےٰ کے
رسول اور افضل الرسل ہیں۔ اور قرآن شریف اللہ جل شانہٗ کا پاک و کامل کلام ہے جو تمام پاک
صداقتوں اور سچائیوں پر مشتمل ہے اور جو کچھ اس کلام مقدس میں ذکر کیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اپنے ۲۵۳
وجوب ذاتی اور قدامت ہستی اور قدرت کاملہ اور اپنے دوسرے جمیع صفات میں واحد لاشریک ہے
اور سب مخلوقات کا خالق اور سب ارواح اور اجسام کا پیدا کنندہ ہے اور صادق اور وفادار ایمانداروں
کو ہمیشہ کے لئے نجات دیگا۔ اور وہ رحمان اور رحیم اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ ایسا ہی دوسری صفات
الٰہیہ و دیگر تعلیمات جو قرآن شریف میں لکھی ہیں یہ سب صحیح اور درست ہیں اور میں دلی یقین سے ان سب
امور کو سچ جانتا ہوں۔ اور دل و جان سے ان پر یقین رکھتا ہوں اور اگرچہ ان کی سچائی پر صدہا
عقلی دلائل جو قطعی اور یقینی ہیں اللہ جل شانہٗ نے مجھ کو عطا کی ہیں لیکن ایک اور فضل اس کا مجھ
پر یہ بھی ہوا ہے جو اس نے براہ راست مجھ کو اپنے کلام اور الہام سے مشرف کر کے دوہرا ثبوت ان
سچائیوں کا مجھ کو دے دیا ہے۔ اب میری یہ حالت ہے کہ جیسے ایک شیشہ عطر خالص سے بھرا
ہوا ہوتا ہے ایسا ہی میرا دل اس یقین سے بھرا ہوا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا کلام قرآن شریف تمام
برکات دینیہ کا مجموعہ ہے اور فی الحقیقۃ خدائے تعالےٰ سب موجودات کا موجد اور تمام ارواح ۲۵۴
اور اجسام کا پیدا کنندہ اور ہر قسم کی خیر اور نیکی اور فیض کا مبدء ہے اور اس کا پاک رسول محمد مصطفےٰ
صلی اللہ علیہ وسلم سچا و صادق و کامل نبی ہے جس کی پیروی پر فلاح آخرت موقوف ہے لیکن میرا
فلاں مخالف (اس جگہ اس مخالف کا نام جو مباہلہ کے لئے بالمقابل آئے گا لکھا جائیگا) جو اس
وقت میرے مقابلہ کے لئے حاضر ہے۔ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ نعوذ باللہ جناب سیدنا محمد مصطفےٰ

صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی نہیں ہیں اور جعلسازی سے قرآن شریف کو بنالیا ہے۔ اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ ارواح اور اجسام کا پیدا کنندہ نہیں اور کسی پرستار اور سچے ایماندار کو نجات ابدی کبھی نہیں ملے گی۔ اور جو کچھ ویدوں میں بھرا ہوا ہے وہ حقیقت میں سب سچ ہے اور اس کے برخلاف جو قرآن شریف میں ہے وہ سب جھوٹ ہے سوائے خدائے قادر مطلق تو ہم دونوں فریقوں میں سچا فیصلہ کر اور ہم دونوں میں سے جو شخص اپنے بیانات میں اور اپنے عقاید میں جھوٹا ہے اور بصیرت کی راہ سے نہیں بلکہ تعصب اور ضد کی راہ سے ایسی باتیں منہ پر لاتا ہے جن پر یقین کرنے کے لئے کوئی قطعی دلیل اُس کے ہاتھ میں نہیں۔ اور نہ اس کا دل نور یقین سے بھرا ہوا ہے بلکہ سراسر ضد اور طرفداری اور ناخداترسی سے ایسی باتیں بناتا ہے جن پر اس کا دل قایم نہیں اس پر تو اے قادر کبیر ایک سال تک کوئی اپنا عذاب نازل کر اور اس کی پردہ دری کر کے جو شخص حق پر ہے اس کی مدد فرما اور لعنت سے بھرے ہوئے دکھ کی مار ایسے شخص کو پہنچا کہ جو دانستہ سچائی سے دور اور راستی کا دشمن اور راست باز کا مخالف ہے کیونکہ سب قدرت اور انصاف اور عدالت تیرے ہی ہاتھ میں ہے آمین یا رب العالمین فقط

مضمون مباہلہ از طرف آریہ صاحب

نمونہ مضمون مباہلہ از طرف آریہ صاحب فریق مخالف

میں فلاں ابن فلاں قسم کھا کر اور حلفاً اٹھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اول سے آخر تک رسالہ سرمہ چشم آریہ کو پڑھ لیا اور اس کے دلائل کو بخوبی سمجھ لیا میرے دل پر ان دلیلوں نے کچھ اثر نہیں کیا۔ اور نہ میں ان کو سچ سمجھتا ہوں اور میں اپنے پرمیشر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جیسا کہ ویدوں میں لکھا ہے میں اس بات پر پختہ یقین رکھتا ہوں۔ کہ میرے روح اور جیو کا کوئی رب یعنی پیدا کنندہ نہیں ہے ایسا ہی میرا جسمی مادہ بھی پیدا کرنے والے سے بکلی بے نیاز ہے۔ میں پرمیشر کی طرح خود بخود ہوں اور واجب الوجود اور قدیم اور انادی ہوں۔ میری روح اور میرا جسمی مادہ کسی دوسرے کے سہارے سے نہیں بلکہ قدیم سے یہ دونوں ٹکڑے میرے وجود کے قایم بالذات ہیں ایسا ہی وید کی اس تعلیم پر بھی میرا کامل یقین ہے کہ مکتی یعنی نجات ہمیشہ کے لئے کسی کو نہیں مل سکتی اور ہمیشہ عزت کے بعد ذلت کا دورہ لگا ہوا ہے میں وید کی ان سب تعلیموں کو دلی یقین سے مانتا ہوں کہ پرمیشر ایک ذرہ کے پیدا کرنے پر بھی قادر نہیں اور نہ بغیر عمل کسی عامل کے ایک ذرہ کسی پر رحمت کر سکتا ہے اور نہ بغیر ہزاروں جونوں میں ڈالنے کے ایک ذرہ گناہ توبہ یا استغفار یا سچی پرستش اور محبت سے

بخش سکتا ہے اور میں وید کے رو سے اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ چاروں وید ضرور ایشر کا کلام
ہے جو ہمیشہ اور قدیم سے ہر نئی دنیا میں ہمارے ہی آریہ دیس میں سچا رشیوں پر جو اگنی اور وایو
وغیرہ ہیں اترتا رہا ہے کبھی اس سے باہر نہیں اترا اور نہ کبھی ہماری زبان سنسکرت کے سوا کسی
۲۵۷ دوسری زبان میں آیا اور ہمارے دیس سے باہر جو ہزاروں پیغمبر آئے ہیں اور کئی کتابیں لائے
ہیں میں دلی یقین سے ان سب کو جعلساز اور ان کی کتابوں کو جعلی تحریریں خیال کرتا ہوں اور
یقین رکھتا ہوں کہ ان غیر ملکوں میں سب جھوٹے آتے رہے۔ کبھی ایک ملہم بھی سچا نہیں آیا۔
اور یہ سچائی ہمارے آریہ دیس سے ہی خاص رہی اور اسی سے پرمیشر کا دائمی تعلق اور پیوند رہا ہے
اور ہمیشہ آئندہ بھی اسی سے رہے گا۔ ایسا ہی میں قرآن اور اسکے اصولوں اور تعلیموں کو جو وید کے اصولوں اور تعلیموں سے
برخلاف ہے جھوٹ اور جعل جانتا ہوں۔ لیکن میرا فریق مخالف جو مولف رسالہ سرمہ چشم آریہ ہے
وہ قرآن کو خدا کا کلام جانتا ہے اور اس کی سب تعلیموں کو درست اور صحیح سمجھتا ہے اور
وید اور اس کے ان اصولوں اور دوسری تعلیموں کو جو قرآن کے مخالف ہیں سراسر غلط اور جھوٹ
خیال کرتا ہے۔ سو اب اے پرمیشر تو ہم دونوں فریقوں میں سچا فیصلہ کر اور جس فریق کے اصول اور
اعتقاد جھوٹے اور ناپاک ہیں جن کو وہ کسی ناپاک کتاب کے رو سے مانتا ہے۔ اسکو ذلیل اور رسوا
۲۵۸ کر اور ہم دونوں میں سے وہ شخص جو تیری نظر میں کاذب اور دروغ گو ہے اور اس کے عقائد اور
اصول تیری توہین اور ہتک عزت کا موجب ہیں اور وابستہ ان کا پابند ہو رہا ہے اس کو اے
ایشر ایسے دکھ کی مار پہنچا اور ایسی لعنت سے بھری ہوئی اس کی رسوائی کر کہ ایک سال کے عرصہ
تک وہ لعنت کا اثر جو عذاب مولم ہے ظاہر ظاہر اسکو پہنچ جائے اے ایشر تو ایسا ہی کر کیونکہ
کاذب صادق کی طرح کبھی تیرے حضور میں عزت نہیں پا سکتا۔ آمین فقط

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اشتہار صداقت انوار

بغرض دعوت مقابلہ چہل روزہ

گرچہ ہر کس زرہِ لاف بیانے دارد　　صادق آنست کہ از صدق نشانے دارد

ہمارے اشتہارات گذشتہ کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ہم نے اس سے پہلے یہ اشتہار دیا تھا کہ جو معزز آریہ صاحب یا پادری صاحب یا کوئی اَور صاحب مخالف اسلام ہیں اگر ان میں سے کوئی صاحب ایک سال تک **قادیان** میں ہمارے پاس آکر ٹھہرے تو درصورت نہ دیکھنے کسی آسمانی نشان کے چوبیس سو روپیہ انعام پانے کا مستحق ہوگا۔ سو ہر چند ہم نے تمام ہندوستان و پنجاب کے پادری صاحبان و آریہ صاحبان کی خدمت میں اسی مضمون کے خط رجسٹری کرا کر بھیجے مگر کوئی صاحب قادیان میں تشریف نہ لائے۔ بلکہ منشی اندرمن صاحب کیلئے تو مبلغ چوبیس سو روپیہ نقد لاہور میں بھیجا گیا۔ تو وہ کنارہ کر کے فرید کوٹ کی طرف چلے گئے ہاں ایک صاحب پنڈت لیکھرام نام پشاوری قادیان میں ضرور آئے تھے اور اُن کو بار بار کہا گیا کہ اپنی حیثیت کے موافق بلکہ اس تنخواہ سے دو چند جو پشاور میں نوکری کی حالت میں پاتے تھے ہم سے بحساب ماہواری لینا کر کے ایک سال تک ٹھہرو اور اخیر پر یہ بھی کہا گیا کہ اگر ایک سال تک منظور نہیں تو چالیس دن تک ہی ٹھہرو تو انہوں نے ان دونوں صورتوں میں سے کسی صورت کو منظور نہیں کیا۔ اور خلاف واقعہ سراسر دروغ بے فروغ اشتہارات چھپوائے سو اُن کیلئے تو رسالہ سرمہ چشم آریہ میں دوبارہ بھی چالیس دن تک اس جگہ رہنے کا پیغام تحریر کیا گیا ہے۔ ناظرین اس کو پڑھ لیں لیکن یہ اشتہار اتمام حجت کی غرض سے بمقابل منشی جیونداس صاحب جو سب آریوں کی نسبت شریف اور سلیم الطبع معلوم ہوتے ہیں اور لالہ مرلیدھر صاحب ڈرائنگ ماسٹر ہوشیارپور جو وہ بھی میری دانست میں آریوں میں سے غنیمت ہیں اور منشی اندرمن صاحب مرادآبادی جو گویا دوسرا مصرعہ سوستی صاحب کا ہیں اور مسٹر عبداللہ آتھم صاحب سابق اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر رئیس امرتسر جو حضرات عیسائیوں میں سے شریف اور سلیم المزاج آدمی ہیں اور ۲۶۰

پادری عماد الدین لاہر صاحب امرتسری اور پادری ٹھاکرداس صاحب مولف کتاب اظہار عیسوی
شایع کیا جاتا ہے کہ اب ہم بجائے ایک سال کے صرف چالیس روز اس شرط سے مقرر کرتے
ہیں کہ جو صاحب آزمایش و مقابلہ کرنا چاہیں وہ برابر چالیس دن تک ہمارے پاس قادیاں میں
یا جس جگہ اپنی مرضی سے ہمیں رہنے کا اتفاق ہو رہیں اور برابر حاضر رہیں پس اس عرصہ میں اگر ہم
کوئی امر پیش گوئی جو خارق عادت ہو پیش نہ کریں یا پیش تو کریں مگر بوقت ظہور جھوٹا نکلے یا وہ
جھوٹا تو نہ ہو مگر اسی طرح صاحب ممتحن اس کا مقابلہ کر کے دکھلاویں تو مبلغ پانسو روپیہ نقد بحالت
مغلوب ہونے کے اسی وقت بلا توقف ان کو دیا جائیگا لیکن اگر وہ پیشگوئی وغیرہ بہ پایہ صداقت
پہنچ گئی تو صاحب مقابل کو بشرف اسلام مشرف ہونا پڑے گا۔ اور یہ بات نہایت ضروری قابل
یاد داشت ہے کہ پیشگوئیوں میں صرف زبانی طور پر نکتہ چینی کرنا یا اپنی طرف سے شرایط لگانا ناجائز
اور غیر مسلم ہوگا۔ بلکہ سیدھا راہ شناخت پیش گوئی کا یہی قرار دیا جائیگا کہ اگر وہ پیشگوئی صاحب
مقابل کی رائے میں کچھ ضعف یا شک رکھتی ہے یا اُنکی نظر میں قیافہ وغیرہ سے مشابہ ہے تو اسی عرصہ
چالیس روز میں وہ بھی ایسی پیش گوئی ایسے ہی ثبوت سے ظاہر کر کے دکھلاویں اور اگر مقابلہ سے
عاجز رہیں تو پھر حجت اُن پر تمام ہوگی۔ اور بحالت سچے نکلنے پیش گوئی کے بہر حال انہیں مسلمان
ہونا پڑے گا اور یہ تحریریں پہلے سے جانبین میں تحریر ہو کر انعقاد پا جائیں گی چنانچہ اس رسالہ کے
شایع ہونے کے وقت سے یعنی ۲۰ ستمبر ۱۸۸۶ء سے ٹھیک تین ماہ کی مہلت صاحبان موصوف کو
دی جاتی ہے۔ اگر اس عرصہ میں ان کی طرف سے اس مقابلہ کے لئے کوئی منصفانہ تحریک نہ ہوئی تو
یہ سمجھا جائیگا کہ وہ گریز کر گئے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

المشتہر

خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور

پنجاب

اشتہار مفید الاخیار

جاگو جاگو آریو نیند نہ کرو پیار

چوں کہ آج کل اکثر ہندؤں اور آریوں کی یہ عادت ہو رہی ہے کہ وہ کچھ کچھ کتابیں عیسائیوں کی جو اسلام کی نکتہ چینی میں لکھی گئی ہیں دیکھکر اور ان پر پورا پورا اطمینان کر کے اپنے دلوں میں خیال کر لیتے ہیں کہ حقیقت میں یہ اعتراضات درست اور واقعی ہیں اس لئے قرین مصلحت سمجھ کر اس عام اشتہار کے ذریعہ سے اطلاع دی جاتی ہے کہ اول تو عیسائیوں کی کتابوں پر اعتماد کر لینا اور براہ راست کسی فاضل اہل اسلام سے اپنی عقدہ کشائی نہ کرانا اور اپنے اوہام فاسدہ کا محققین اسلام سے علاج طلب نہ کرنا اور مخالفین عناد پیشہ کو امین سمجھ بیٹھنا سراسر بے راہی ہے جس سے طالب حق کو پرہیز کرنا چاہیئے۔ دانشمند لوگ خوب جانتے ہیں کہ یہ جو پادری صاحبان پنجاب اور ہندوستان میں آکر اپنے مذہب کی تائید میں دن رات ہزارہا منصوبے باندھ رہے ہیں یہ اُن کے ایمانی جوش کا تقاضا نہیں بلکہ انواع اقسام کے اغراض نفسانی ان کو ایسے کاموں پر آمادہ کرتے ہیں اگر وہ انتظام مذہبی جس کے باعث سے یہ لوگ ہزارہا روپیہ تنخواہیں پاتے ہیں درمیان سے اٹھا یا جاوے تو پھر دیکھنا چاہیئے کہ ان کا جوش و خروش کہاں ہے۔ ماسوا اس کے ان لوگوں کی ذاتی علمیت اور دماغی روشنی بھی بہت کم ہوتی ہے اور یورپ کے ملکوں میں جو واقعی دانا اور فلاسفر اور دقیق النظر ہیں وہ پادری کہلانے سے کراہت اور عار رکھتے ہیں۔ اور ان کو ان کے بیہودہ خیالات پر اعتقاد بھی نہیں بلکہ یورپ کے عالی دماغ حکما کی نگاہوں میں پادری کا لفظ ایسا خفیف اور دور از فضیلت سمجھا جاتا ہے کہ گویا اس لفظ سے یہ مفہوم لازم پڑا ہوا ہے کہ جب کسی کو پادری کر کے پکارا جاوے تو ساتھ ہی دل میں یہ بھی گذر جاتا ہے کہ یہ شخص اعلےٰ درجہ کی علمی تحصیلوں اور لیاقتوں اور باریک خیالات سے بے نصیب ہے اور جس قدر ان پادری صاحبان نے اہل اسلام پر مختلف قسم کے اعتراضات کر کے اور بار بار ٹھوکریں کھا کر اپنے خیالات میں پلٹے کھائے ہیں اور طرح طرح کی ندامتیں اٹھا کر پھر اپنے اقوال سے رجوع کیا ہے یہ بات اس شخص کو بخوبی معلوم ہو گی کہ جو ان کے اور فضلاء اسلام کے

باہمی مباحثات کی کتابوں پر ایک محیط نظر ڈالے۔ ان کے اعتراضات تین قسم سے باہر نہیں۔ یا تو ایسے ہیں جو سراسر افترا اور بہتان ہے جن کی اصلیت کسی جگہ پائی نہیں جاتی اور یا ایسے ہیں کہ فی الحقیقۃ وہ باتیں ثابت تو ہیں۔ لیکن محل اعتراض نہیں محض سادہ لوحی اور کور باطنی اور قلت تدبر کیوجہ سے اُن کو جائے اعتراض سمجھ لیا ہے۔ اور یا بعض ایسے امور ہیں کہ کسی قدر تو سچ ہیں جو ایک ذرہ جائے اعتراض نہیں ہو سکتی اور باقی سب بہتان اور افترا ہیں۔ جو ان کے ساتھ ملا ئیے گئے ہیں۔ اب افسوس تو یہ ہے کہ آریوں نے اپنے گھر کی عقل کو بالکل استعفا دیکر ان کی ان تمام دور از صداقت کارروائیوں کو سچ مچ صحیح اور درست سمجھ لیا ہے اور بعض آریہ ایسے بھی ہیں کہ وہ قرآن شریف کا ترجمہ کسی جگہ سے ادھورا سا دیکھکر یا کوئی قصہ بے سروپا کسی جاہل یا مخالف سے سنکر جھٹ پٹ اس کو بنائے اعتراض قرار دے دیتے ہیں سچ تو یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں خدائے تعالےٰ کا خوف نہیں ہوتا اس کی عقل بھی بباعث تعصب اور عناد کی زہروں کے نہایت ضعیف اور مردہ کی طرح ہو جاتی ہے۔ اور جو بات عین حکمت اور معرفت کی ہو وہ اس کی نظر سقیم میں سراسر عیب دکھائی دیتی ہے۔ بسو اسی خیال سے یہ اشتہار جاری کیا جاتا ہے اور ظاہر کیا جاتا ہے کہ جس قدر اصول اور تعلیمیں قرآن شریف کی ہیں وہ سراسر حکمت اور معرفت اور سچائی سے بھری ہوئی ہیں اور کوئی بات ان میں ایک ذرہ مواخذہ کے لائق نہیں اور چونکہ ہر ایک مذہب کے اصولوں اور تعلیموں میں صدہا جزئیات ہوتی ہیں اور ان سب کی کیفیت کا معرض بحث میں لانا ایک بڑی مہلت کو چاہتا ہے۔ اس لئے ہم اس بارہ میں قرآن شریف کے اصولوں کے منکرین کو ایک نیک صلاح دیتے ہیں کہ اگر ان کو اصول اور تعلیمات قرآنی پر اعتراض ہو تو مناسب ہے کہ وہ اول بطور خود خوب سوچ کر دو تین ایسے بڑے سے بڑے اعتراض بحوالۂ آیات قرآنی پیش کریں جو اُن کی دانست میں سب اعتراضات سے ایسی نسبت رکھتے ہوں جو ایک پہاڑ کو ذرہ سے نسبت ہوتی ہے۔ یعنی اُن کے سب اعتراضوں سے ان کی نظر میں اقوی و اشد اور انتہائی درجہ کے ہوں جن پر اُن کی نکتہ چینی کی پر زور نگاہیں ختم ہو گئی ہوں اور نہایت شدت سے دوڑ دوڑ کر انہیں پر جا ٹھہری ہوں سو ایسے دو یا تین اعتراض بطور نمونہ پیش کر کے حقیقت حال کو آزما لینا چاہئے کہ اس سے تمام اعتراضات کا بآسانی فیصلہ ہو جائیگا کیونکہ اگر بڑے اعتراض بعد تحقیق ناچیز نکلے تو پھر چھوٹے اعتراض ساتھ ہی نابود ہو جائیں گے اور اگر ہم ان کا کافی و شافی جواب دینے سے قاصر رہے اور کم سے کم یہ ثابت کر دکھایا کہ جن اصول و تعلیموں کو فریق مخالف نے بمقابلہ ان اصولوں اور تعلیموں کے اختیار کر رکھا ہے وہ انکے مقابل پر نہایت درجہ ذلیل اور ناقص اور

دور از صداقت خیالات ہیں تو ایسی حالت میں فریق مخالف کو در حالت مغلوب ہونے کے فی اعتراض پچاس روپیہ بطور تاوان دیا جائیگا۔ لیکن اگر فریق مخالف انجام کار جھوٹا نکلا اور وہ تمام خوبیاں جو ہم اپنے ان اصولوں یا تعلیموں میں ثابت کرکے دکھاویں بمقابل اُن کے وہ اپنے اصولوں میں ثابت نہ کرسکا تو پھر یاد رکھنا چاہئے کہ اسے بلا توقف مسلمان ہونا پڑے گا اور اسلام لانے کے لئے اول حلف اٹھا کر اسی عہد کا اقرار کرنا ہوگا اور پھر بعد میں ہم اُس کے اعتراضات کا جواب ایک رسالہ مستقلہ میں شایع کرادیں گے اور جو اس کے بالمقابل اصولوں پر ہماری طرف سے حملہ ہوگا اس حملہ کے مدافعت میں اس پر لازم ہوگا کہ وہ بھی ایک مستقل رسالہ شایع کرے اور پھر دونوں رسالوں کے چھپنے کے بعد کسی ثالث کی رائے پر یا خود فریق مخالف کے حلف اٹھانے پر فیصلہ ہوگا جس طرح وہ راضی ہوجائے لیکن شرط یہ ہے کہ فریق مخالف نامی علما میں سے ہو اور اپنے مذہب کی کتاب میں مادہ علمی بھی رکھتا ہو اور بمقابل ہمارے حوالہ اور بیان کے اپنا بیان بھی بحوالہ اپنی کتاب کے تحریر کر سکتا ہو تا ناحق ہمارے اوقات کو ضائع نہ کرے۔ اور اگر اب بھی کوئی نامنصف ہماری اس صاف صاف منصفانہ طریق سے گریز اور کنارہ کر جائے اور بدگوئی اور دشنام دہی اور توہین اسلام سے بھی باز نہ آوے تو اس سے صاف ظاہر ہوگا کہ وہ کسی حالت میں اس لعنت کے طوق کو اپنے گلے سے اونارنا نہیں چاہتا۔ کہ جو خدائے تعالےٰ کی عدالت اور انصاف نے جھوٹوں اور بے ایمانوں اور بدزبانوں اور بخیلوں اور متعصبوں کی گردن کا ہار کر رکھا ہے والسلام علی من اتبع الهدیٰ

بالآخر واضح رہے کہ اس اشتہار کے جواب میں ۲۰ ستمبر ۱۸۸۶ء سے تین ماہ تک کسی پنڈت یا پادری جواب دہندہ کا انتظار کیا جائیگا۔ اور اگر اس عرصہ میں علماء آریہ وغیرہ خاموش رہے تو انہیں کی خاموشی ان پر حجت ہوگی ✦

المشتهر

خاکسار غلام احمد مولف رسالہ سرمہ چشم آریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشتہار محک اخیار و اشرار

ہم نے الفت میں تری بار اٹھایا کیا کیا　　تجھ کو دکھلا کے فلک نے ہی دکھایا کیا کیا

ہر ایک مومن اور پاک باطن اپنے ذاتی تجربہ سے اس بات کا گواہ ہے کہ جو لوگ صدق دل سے اپنے مولا کریم جل شانہٗ سے کامل وفاداری اختیار کرتے ہیں وہ اپنے ایمان اور صبر کے اندازہ پر مصیبتوں میں ڈالے جاتے ہیں اور سخت سخت آزمائشوں میں مبتلا ہوتے ہیں ان کو بد باطن لوگوں سے بہت کچھ رنج دہ باتیں سننی پڑتی ہیں اور انواع و اقسام کے مصائب و شدائد کو اٹھانا پڑتا ہے اور نااہل لوگ طرح طرح کے منصوبے اور رنگارنگ کے بہتان اُن کے حق میں باندھتے ہیں۔ اور اُن کے نابود کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ یہی عادت اللہ ان لوگوں سے جاری ہے جن پر اُسکی نظر عنایت ہے۔ غرض جو اُس کی نگاہ میں راستباز اور صادق ہیں وہ ہمیشہ جاہلوں کی زبان اور ہاتھ سے تکلیفیں اُٹھاتے چلے آئے ہیں سو چونکہ سنت اللہ قدیم سے یہی ہے اس لئے اگر ہم بھی خویش و بیگانہ سے کچھ آزار اٹھائیں تو ہمیں شکر بجالانا چاہیئے اور خوش ہونا چاہیئے کہ ہم اس محبوب حقیقی کی نظر میں اس لایق تو ٹھہرے کہ اس کی راہ میں دکھ دیئے جائیں اور ستائے جائیں سو اس طرح پر دکھ اٹھانا تو ہماری عین سعادت ہے لیکن جب ہم دوسری طرف دیکھتے ہیں کہ بعض دشمنان دین اپنی افترا پردازی سے صرف ہماری ایذا رسانی پر کفایت نہیں کرتے بلکہ بے تمیز اور بے خبر لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہیں تو اس صورت میں ہم اپنے نفس پر واجب سمجھتے ہیں کہ حتی الوسع ان ناواقف لوگوں کو فتنہ سے بچائیں۔

سو واضح ہو کہ بعض مخالف ناخدا ترس جن کے دلوں کو زنگ تعصب و بخل نے سیاہ کر رکھا ہے ہمارے اشتہار مطبوعہ ۸ر اپریل ۱۸۸۶ء کو یہودیوں کی طرح محرف و مبدل کر کے اور کچھ کے کچھ معنی بنا کر سادہ لوح لوگوں کو سناتے ہیں اور نیز اپنی طرف سے اشتہارات شایع کرتے ہیں تا دھوکہ دیکر اُن کے یہ ذہن نشین کریں کہ جو لڑکا پیدا ہونے کی پیش گوئی تھی اس کا وقت گذر گیا اور وہ غلط نکلی ہم اس کے جواب میں صرف لعنت اللہ علی الکاذبین کہنا کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ہم افسوس

بھی کرتے ہیں کہ ان بے عزتوں اور دیوثوں کو بباعث سخت درجہ کے کینہ اور بخل اور تعصب کے اب کسی کی لعنت ملامت کا بھی کچھ خوف اور اندیشہ نہیں رہا اور جو شرم اور حیا اور خداترسی لازمہ انسانیت ہے وہ سب نیک خصلتیں ایسی ان کی سرشت سے اٹھ گئی ہیں کہ گویا خدائے تعالیٰ نے ان میں وہ پیدا ہی نہیں کیں اور جیسے ایک بیمار اپنی صحت یابی سے نوامید ہوکر اور صرف چند روز زندگی سمجھ کر سب پرہیزیں توڑ دیتا ہے اور جو چاہتا ہے کھا پی لیتا ہے اسی طرح انہوں نے بھی اپنی مرض کینہ اور تعصب اور دشمنی کو ایک آزار لاعلاج خیال کر کے دل کو کھول کر بدپرہیزیاں اور بے راہیاں شروع کی ہیں جن کا انجام بخیر نہیں تعصب اور کینہ کے سخت جنون نے کیسی ان کی عقل ماردی ہے۔ نہیں دیکھتے کہ اشتہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء میں صاف صاف تولد فرزند موصوف کے لئے نو برس کی میعاد لکھی گئی ہے۔ اور اشتہار ۸۔ اپریل ۱۸۸۶ء میں کسی برس یا مہینے کا ذکر نہیں اور نہ اس میں یہ ذکر ہے کہ جو نو برس کی میعاد رکھی گئی تھی اب وہ منسوخ ہوگئی ہے ہاں اس اشتہار میں ایک یہ فقرہ ذوالوجوہ درج ہے کہ مدت حمل سے تجاوز نہیں کرسکتا۔ مگر کیا اسی قدر فقرہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ مدت حمل سے ایام باقی ماندہ حمل موجودہ مراد ہیں کوئی اور مدت مراد نہیں۔ اگر اس فقرہ کے سر پر اس کا لفظ ہوتا تو بھی اعتراض کرنے کے لئے کچھ گنجایش نکل سکتی۔ مگر جب الہامی عبارت کے سر پر اس کا لفظ (جو مخصص وقت ہوسکتا ہے) وارد نہیں تو پھر خواہ نخواہ اس فقرہ سے وہ معنے نکالنا جو اس صورت میں نکالے جاتے جو اس کا لفظ فقرہ مذکور کے سر پر ہوتا اگر بے ایمانی اور بددیانتی نہیں تو اور کیا ہے۔ دانشمند آدمی جس کی عقل اور فہم میں کچھ آفت نہیں اور جس کے دل پر کسی تعصب یا شرارت کا حجاب نہیں وہ سمجھ سکتا ہے کہ کسی ذوالوجوہ فقرہ کے معنی کرنے کے وقت وہ سب احتمالات مدنظر رکھنے چاہیئے جو اس فقرہ سے پیدا ہوسکتے ہیں سو فقرہ مذکورہ بالا یعنی یہ کہ مدت حمل سے تجاوز نہیں کرسکتا ایک ذوالوجوہ فقرہ ہے جس کی ٹھیک ٹھیک وہی تشریح ہے جو میر عباس علی شاہ صاحب لودیانوی نے اپنے اشتہار آٹھ جون ۱۸۸۶ء میں کی ہے یعنی یہ کہ مدت موعودہ حمل سے (جو نو برس ہے) یا مدت معہودہ حمل سے (جو طبیبوں کے نزدیک اڑہائی برس یا کچھ زیادہ ہے) تجاوز نہیں کرسکتا۔ اگر حمل موجودہ میں حصر رکھنا مقصود ہوتا تو عبارت یوں چاہیئے تھی کہ اس باقی ماندہ ایام حمل سے ہرگز تجاوز نہیں کریگا۔ اور اسی وجہ سے ہم نے اس اشتہار میں اشارہ بھی کردیا تھا کہ وہ فقرہ مذکورہ بالا حمل موجودہ سے مخصوص نہیں ہے مگر جو دل کے اندھے ہیں وہ آنکھوں کے اندھے بھی ہوجاتے ہیں۔

بالآخر ہم یہ بھی لکھنا چاہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک بڑی حکمت اور مصلحت ہے کہ اس نے اب کی دفعہ لڑکا عطا نہیں کیا کیونکہ اگر وہ اب کی دفعہ ہی پیدا ہوتا تو ایسے لوگوں پر کیا اثر پڑ سکتا جو پہلے ہی سے یہ کہتے تھے کہ قواعد طبی کی رو سے حمل موجودہ کی علامات سے ایک حکیم آدمی بتلا سکتا ہے کہ کیا پیدا ہوگا۔ اور پنڈت لیکھرام پشاوری اور بعض دیگر مخالف اس عاجز پر یہی الزام رکھتے تھے کہ ان کو فن طبابت میں مہارت ہے۔ انہوں نے طب کے ذریعہ سے معلوم کر لیا ہوگا کہ لڑکا پیدا ہونے والا ہے۔ اسی طرح ایک صاحب محمد رمضان نام نے پنجابی اخبار ۲۰ مارچ ۱۸۸۶ء میں چھپوایا کہ لڑکا پیدا ہونے کی بشارت دینا منجانب اللہ ہونے کا ثبوت نہیں ہو سکتا جس نے ارسطو کا ورکس دیکھا ہوگا حاملہ عورت کا قارورہ دیکھ کر لڑکا یا لڑکی پیدا ہونا ٹھیک ٹھیک بتلا سکتا ہے۔ اور بعض مخالف مسلمان یہ بھی کہتے تھے کہ اصل میں ڈیڑھ ماہ سے یعنی پیشگوئی بیان کرنے سے پہلے لڑکا پیدا ہو چکا ہے جس کو فریب کے طور پر چھپا رکھا ہے۔ اور عنقریب مشہور کیا جائیگا کہ پیدا ہو گیا سو یہ اچھا ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے تولد فرزند مسعود موعود کو دوسرے وقت پر ڈال دیا۔ ورنہ اگر اب کی دفعہ ہی پیدا ہو جاتا تو ان مفتریات مذکورہ بالا کا کون فیصلہ کرتا۔ لیکن اب تولد فرزند موصوف کی بشارت غیب محض ہے نہ کوئی حمل موجود ہے تا ارسطو کے ورکس یا جالینوس کے قواعد حمل دانی بالمعارضہ پیش ہو سکیں اور نہ اب کوئی بچہ چھپا ہوا ہے تا وہ مدت کے بعد نکالا جائے بلکہ نو برس کے عرصہ تک تو خود اپنے زندہ رہنے کا ہی حال معلوم نہیں اور نہ یہ معلوم کہ اس عرصہ تک کسی قسم کی اولاد خواہ نخواہ پیدا ہوگی چہ جائیکہ لڑکا پیدا ہونے پر کسی اٹکل سے قطع اور یقین کیا جائے اخیر پر ہم یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اخبار مذکورہ بالا میں منشی محمد رمضان صاحب نے تہذیب سے گفتگو نہیں کی بلکہ دینی مخالفوں کی طرح جا بجا مشہور افترا پردازوں سے اس عاجز کو نسبت دی ہے اور ایک جگہ پر جہاں اس عاجز نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی اشتہار میں یہ پیش گوئی خدائے تعالیٰ کی طرف سے بیان کی تھی کہ اس نے مجھے بشارت دی ہے کہ بعض بابرکت عورتیں اس اشتہار کے بعد بھی تیرے نکاح میں آئیں گی اور ان سے اولاد پیدا ہوگی۔ اس پیش گوئی پر منشی صاحب فرماتے ہیں کہ الہام کئی قسم کا ہوتا ہے۔ نیکوں کو نیک باتوں کا اور زانیوں کو عورتوں کا ہم اس جگہ کچھ لکھنا نہیں چاہتے ناظرین منشی صاحب کی تہذیب کا آپ اندازہ کر لیں پھر ایک اور صاحب ملازم دفتر ایگزیمنر صاحب ریلوے لاہور کہ جو اپنا نام نبی بخش ظاہر کرتے ہیں اپنے خط مرسلہ ۱۳ جون ۱۸۸۶ء میں اس عاجز کو

لکھتے ہیں کہ تمہاری پیش گوئی جھوٹی نکلی اور دختر پیدا ہوئی اور تم حقیقت میں بڑے فریبی اور مکار اور دروغ گو آدمی ہو۔ ہم اس کے جواب میں بجز اس کے کیا کہہ سکتے ہیں کہ اے خدائے قادر مطلق یہ لوگ اندھے ہیں ان کو آنکھیں بخش یہ نادان ہیں ان کو سمجھ عطا کر یہ شرارتوں سے بھرے ہوئے ہیں ان کو نیکی کی توفیق دے بھلا کوئی اس بزرگ سے پوچھے کہ وہ فقرہ یا لفظ کہاں ہے جو کسی اشتہار میں اس عاجز کے قلم سے نکلا ہے۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ لڑکا اسی حمل میں پیدا ہوگا۔ اس سے ہرگز تخلف نہیں کریگا۔ اگر میں نے کسی جگہ ایسا لکھا ہے تو میاں نبی بخش صاحب پر واجب ہے، کہ اس کو کسی اخبار میں چھپا دیں اس عاجز کے اشتہارات پر اگر کوئی منصف آنکھ کھول کر نظر ڈالے تو اسے معلوم ہوگا کہ ان میں کوئی بھی ایسی پیشگوئی درج نہیں جس میں ایک ذرہ غلطی کی بھی گرفت ہو سکے بلکہ وہ سب سچی ہیں اور عنقریب اپنے اپنے وقت پر ظہور پکڑ کر مخالفین کی ذلت اور رسوائی کا موجب ہونگی دیکھو ہم نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں جو یہ پیش گوئی اجمالی طور پر لکھی تھی کہ ایک امیر نووارد پنجابی الاصل کو کچھ ابتلا درپیش ہے کیسی وہ سچی نکلی ہم نے صدہا ہندوؤں اور مسلمانوں کو مختلف شہروں میں تبلادیا تھا کہ اس شخص پنجابی الاصل سے مراد دلیپ سنگھ ہے جس کی پنجاب میں آنے کی خبر مشہور ہو رہی ہے لیکن اس ارادہ سکونت پنجاب میں وہ ناکام رہے گا بلکہ اس سفر میں اس کی عزت و آسائش یا جان کا خطرہ ہے اور یہ پیشگوئی ایسے وقت میں لکھی گئی اور عام طور پر تبلائی گئی تھی۔ یعنی ۲ فروری ۱۸۸۶ء کو جبکہ اس ابتلا کا کوئی اثر و نشان ظاہر نہ تھا۔ بالآخر اسکو مطابق اسی پیش گوئی کے بہت حرج اور تکلیف اور سُبکی اور خجالت اٹھانی پڑی اور اپنے مدعا سے محروم رہا سو دیکھو اس پیشگوئی کی صداقت کیسی کھل گئی اسی طرح سے اپنے اپنے وقت پر سب پیش گوئیوں کی سچائی ظاہر ہو گی اور دشمن روسیاہ نہ ایک دفعہ بلکہ کئی دفعہ رسوا ہونگے۔ یہ خدائے تعالے کا فعل ہے جو ابھی تک انہیں اندھا کر رکھا ہے۔ اُن کے دلوں کو سخت کر دیا اور ہمارے دل میں درد اور خیر خواہی کا طوفان مچا دیا۔ سو اس مشکل کے حل کے لئے اسی کی جناب میں تضرع کرتے ہیں۔

اے خداوند آورده این تیره درونانے را
باده دردو دگر ہیچ خدا دانے را

والسلام علی من اتبع الھدی

المشتہر

خاکسار غلام احمد مولف براہین احمدیہ از قادیان ضلع گورداسپور (پنجاب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اشتہار انعامی پانسو روپیہ

دربارہ کتاب لاجواب کحل الجواہر سرمہ چشم آریہ جو آریوں کے وید اور اُنکے عقاید اور اصول کو باطل اور دور از صدق ثابت کرتی ہے

سرمہ چشم آریہ پُر در و پر ز گوہر ست ☆ بہر زسر جستجو سال ازیں ظاہر ست +

۱۳۰۳

یہ کتاب یعنی رسالہ سرمہ چشم آریہ بتقریب مباحثہ لالہ مرلیدہر صاحب ڈرائنگ ماسٹر ہوشیارپور جو عقاید باطلہ وید کی بکلی بیخ کنی کرتی ہے۔ اس دعوے اور یقین سے لکھی گئی ہے کہ کوئی آریہ اس کتاب کا رد نہیں کر سکتا کیونکہ سچ کے مقابل پر جھوٹ کی کچھ پیش نہیں جاتی اور اگر کوئی آریہ صاحب ان تمام وید کے اصولوں اور اعتقادوں کو جو اس کتاب میں رد کئے گئے ہیں سچ سمجھتا ہے اور اب بھی وید اور اسکے ایسے اصولوں کو ایشر کرت ہی خیال کرتا ہے تو اسکو اسی ایشر کی قسم ہے کہ اس کتاب کا رد لکھکر دکھاوے اور پانسو روپیہ انعام پاوے یہ پانسو روپیہ بعد تصدیق کسی ثالث کے جو کوئی پادری یا برہمو صاحب ہونگے دیا جائیگا اور ہمیں یہ بھی منظور ہے کہ اگر منشی جیونداس صاحب سکرٹری آریہ سماج لاہور جو اس گرد و نواح کے آریہ صاحبوں کی نسبت سلیم الطبع اور معزز اور شریف آدمی ہیں بعد چھپ جانے اور عام طور پر شایع ہو جانیکے مجمع عام علماء مسلمانوں اور آریوں اور معزز عیسائیوں وغیرہ میں معہ اپنے عزیز فرزندوں کے حاضر ہوں اور پھر اٹھ کر قسم کھالیں کہ ہاں میرے دل نے بہ یقین کامل قبول کر لیا ہے کہ سب اعتراضات رسالہ سرمہ چشم آریہ جن کو میں نے اول سے آخر تک بغور دیکھ لیا ہے اور خوب توجہ کر کے سمجھ لیا ہے ☆ اس تحریر سے رد ہو گئے ہیں۔ اور اگر میں دلی اطمینان اور پوری سچائی سے یہ بات نہیں کہتا تو اس کا ضرر اور وبال اسی دنیا میں مجھ پر اور میری اسی اولاد پر جو اسوقت حاضر ہے پڑے تو بعد ایسی قسم کھا لینے کے صرف منشی صاحب موصوف کی شہادت سے پانسو روپیہ نقد رد کنندہ کو اسی مجمع میں بطور انعام دیا جائیگا اور اگر منشی صاحب موصوف عرصہ ایک سال تک ایسی قسم کے بد اثر سے محفوظ رہے تو آریوں کے لئے بلاشبہ یہ حجت ہوگی کہ صاحب موصوف نے اپنی دلی صداقت سے اپنے علم اور فہم کے مطابق قسم کھائی تھی۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ

المشتہر

خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور

حاشیہ + یہ شعر تاریخ طبع مولوی محمد یوسف صاحب سنوری کا ہے جزاہم اللہ خیرا منہ ☆ اس جگہ منشی جیونداس صاحب پر لازم ہوگا کہ سب اعتراضات مندرجہ رسالہ سرمہ چشم آریہ حاضرین کو صحیح صحیح طور پر سنا بھی دیں منہ

دارالکتب اسلامیہ کی چند ضروری کتابیں

سلسلہ تصنیفات احمدیہ جلد اوّل یہ جلد براہین احمدیہ کے ہر چہار حصص پر مشتمل ہے اس میں قرآن کریم اور آنحضرت صلعم کی حقانیت براہین نیرہ اور دلائل قاطعہ کے ساتھ ثابت کی گئی ہے قسم اول ولایتی کاغذ بے جلد عہ مجلد ہے قسم دوم دیسی کاغذ بے جلد عہ مجلد عہ

سلسلہ تصنیفات احمدیہ جلد دوم یہ جلد تین کتابوں پر مشتمل ہے سرمہ چشم آریہ شحنۂ حق اور ایک عیسائی کے تین سوالوں کا جواب پہلی دو کتابوں میں آریہ اسلام پر جو اعتراض کرتے ہیں ان کا دنداں شکن جواب دیا گیا ہے۔ اور ان کے اپنے مذہب کی کمزوری کو بوضاحت ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت بے جلد عہ

سلسلہ تصنیفات احمدیہ جلد سوم جس میں حضرت مسیح موعود کی کتب فتح اسلام توضیح مرام ازالہ اوہام شامل ہیں ان میں وفات مسیح اور دعاوی مسیح موعود پر مدلل اور مسکت بحث کی گئی ہے اس کے دوران میں قرآن کریم کے بہت سے اسرار اور دعوا مقفو کا انکشاف کیا گیا ہے۔ قیمت بے جلد عہ مجلد ہے

سلسلہ تصنیفات جلد چہارم جس میں الحق مباحثہ لدھیانہ الحق مباحثہ دہلی آسمانی فیصلہ اور نشان آسمانی چار کتابیں شامل ہوں گی زیر طبع ہے۔

ملفوظات احمدیہ یہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی معرکۃ الآرا تقاریر کا مجموعہ ہے جن کو سلسلہ اخبارات سے لیکر کتاب کی شکل میں شایع کیا گیا ہے حجم ۲۰۰ صفحات قسم اول ولایتی کاغذ مجلد عہ قسم دوم دیسی کاغذ بے جلد عہ مجلد عہ

ترجمۃ القرآن انگریزی انگریزی زبان میں ترجمہ تصنیف حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل بی۔ لکھائی چھپائی نہایت عمدہ قسم اول انڈیا پیپر نہایت خوبصورت لچکدار جلد قیمت عہ قسم دوم موٹی مضبوط جلد ولایتی کاغذ ۱۵ خرچ محصول ڈاک پیکنگ وغیرہ عہ

سیرۃ خیر البشر شروع کتاب میں عرب کا نقشہ دیا گیا ہے ملک عرب کی جغرافی حالت اور اس کا تعلق دوسرے ممالک اقوام سے بتایا گیا ہے بعد میں تمام حصص دنیا میں مذہبی تاریکی اور روحانی فیض کا مفقود ہونا آپ کی بعثت سے پہلے اور بعثت کے وقت کے چند بڑے نشانات کا ذکر کیا گیا ہے جو ظہور پذیر ہوئے اور زمانہ بچپن سے لیکر آخر عمر تک کے حالات درج ہیں قیمت بے جلد عہ مجلد عہ

عصمت انبیاء قرآن کریم سے انبیاء علیہم السلام کی پاک دامنی کو ثابت کیا گیا ہے شنیدہ کے بود مانند دیدہ قیمت ۹ر

اسلامی اصول کی فلاسفی یہ کتاب اس مضمون پر مشتمل ہے کہ جو مجدد صدی چہاردہم نے جلسہ اعظم مذاہب کے لئے زیب رقم فرمایا جو دسمبر ۱۸۹۶ء میں شہر لاہور دار السلطنت پنجاب میں منعقد ہوا قیمت صرف ۱۲/

الوصیّت اس میں حضرت امام علیہ السلام نے اپنی وصیت درج فرمائی ہے جو آپ نے حسب منشاء الٰہی اپنی وفات سے پہلے لکھ کر شایع کی۔ اب معہ ضروری نوٹ مولانا محمد علی صاحب ایم اے و عکس تحریر حضرت مرزا صاحب مسیح موعود جو آپ نے انجمن کے متعلق لکھی دوبارہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے چھپوا کر شایع کیا قیمت ۲/

غلامی غلاموں اور لونڈیوں کے بارہ میں اسلام کے وہ اصول جو قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں ان سے ثابت کیا گیا ہے کہ مخالفین اسلام کے اعتراضات صداقت سے خالی ہیں قیمت ۴/

درثمین اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تمام اردو و فارسی نظموں کو جو آج تک شایع ہوئیں یکجا جمع کیا گیا ہے یہ مجموعہ واقعی قیمتی جواہرات پر مشتمل ہے اور اپنے اندر نہایت دلکش تاثیر رکھتا ہے اردو بے جلد ۶/ مجلد ۹/ فارسی بے جلد ۶/ مجلد ۱۰/ مکمل بے جلد ۱۱/ مجلد عہ

جمع قرآن قرآن کریم کی جمع و ترتیب کے متعلق تمام تاریخی واقعات کو نہایت تحقیقات سے لکھا گیا اور جو اعتراضات حفاظت قرآن مجید پر غیر مذہب والے کیا کرتے ہیں۔ ان کی تردید کی گئی ڈاکٹر منگانا کے صفحات قرآنی کی حقیقت بھی الم نشرح کی گئی ہے قیمت ۱۲/

مقام حدیث یہ تازہ تصنیف نہایت ہی قابل قدر ہے جس میں اہل قرآن کا مدلل اور فیصلہ کن جواب ہے اس میں علاوہ ضرورت حدیث کے جمع حدیث اور تنقید حدیث پر مفصل بحث ہے قیمت بے جلد عہ/ مجلد ۸/

مسیح موعود اس میں سلسلہ احمدیہ کی خصوصیات پر مفصل بحث کی گئی ہے جیسے مسیح ابن مریم کے نزول کی حقیقت کو قرآن شریف سے واضح کیا گیا ہے اور حضرت میرزا صاحب مسیح موعود کے دعاوی مسیحیت و مجددیت اور آپ کی پیش گوئیاں وغیرہ پر قرآن کریم و حدیث سے روشنی ڈالی ہے سلسلہ کے متعلق تحقیقات کرنے والوں کو اس کتاب کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔ قیمت مجلد ۸/

تمام درخواستیں بنام **مہتمم دار الکتب اسلامیہ احمدیہ بلڈنگس لاہور آنی چاہئیں**

نوٹ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے متعلق ہر ایک قسم کی کتابیں ہم سے مل سکتی ہیں:۔